تعلیماتِ نبوی ﷺ اور آج کے زندہ مسائل

سات سیرت ایوارڈ یافتہ مقالات کا مجموعہ

سید عزیز الرحمٰن

Marfat.com

Marfat.com

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا:۲۸)

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
اور
آج کے زندہ مسائل

سید عزیز الرحمٰن

القلم۔ فرحان ٹیرس، ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی۔ فون: 0300-2257355

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب	:	تعلیمات نبوی ﷺ اور آج کے زندہ مسائل
مؤلف	:	سید عزیز الرحمٰن
تعداد	:	گیارہ سو
اشاعت اول	:	ربیع الاول ۱۴۲۶ھ/ مئی ۲۰۰۵ء
اشاعت دوم	:	شوال المکرم ۱۴۳۴ھ/ اگست ۲۰۱۳ء
صفحات	:	۴۰۰
قیمت	:	۳۵۰/ روپے

ناشر

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷۔ ناظم آباد نمبر ۴۔ کراچی

فون: ۰۲۱۔۳۶۶۸۴۷۹۰

E-mail: info@rahet.org

www.rahet.org

Marfat.com

فہرست

انتساب	۱۵
پیش لفظ	۱۷
مقدمہ	۱۹
اسوۂ حسنہ۔ انسانیت کا مستقبل	۲۳
تعارف	۲۸
پیش گفتار	۳۴
تعمیر شخصیت وفلاح انسانیت،	
اطاعت رسول ﷺ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں	۳۷
اطاعت رسول ﷺ کی ضرورت واہمیت	۳۹
اسوۂ رسول اللہ ﷺ کا تاریخی پہلو	۴۲
تمام کمالات کی جامع شخصیت	۴۴
حیات طیبہ کی جامعیت	۴۵
اسوۂ رسول ﷺ کی عملیت	۴۶
تعمیر شخصیت	۴۸

Marfat.com

تزکیہ نفوس	۵٦
اخلاق	۵۷
اخوت واتحاد	٦۳
صدق وامانت	٦٦
عفوودرگزر	٦۹
فلاح انسانیت	۷۱
اجتماعیت	۷۳
مشاورت	۷۵
تعیش پسندی کی ممانعت	۷٦
انسدادِ رشوت	۷۷
نظامِ زکوٰۃ	۷۷
مساوات واعتدال	۸۰
عدل وانصاف	۸۴
جزاوسزا	۸٦
صبرواستقامت	۸۹
فلاح عالم	۹۱
مسلمان کے حقوق	۹۲
والدین کے حقوق	۹۳
اولاد کے حقوق	۹۴
عورتوں کے حقوق	۹۵
ہمسائے کے حقوق	۹٦
مہمان کے حقوق	۹٦

Marfat.com

مزدوروں کے حقوق	۹۷
یتیموں کے حقوق	۹۷
خادموں کے حقوق	۹۸
حاجت مندوں کے حقوق	۹۹
مردوں کے حقوق	۹۹
حیوانوں کے حقوق	۱۰۰
خلاصۂ کلام	۱۰۲
استحکام پاکستان کے لئے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہوسکتی ہے	۱۰۳
استحکام کیا ہے؟	۱۰۶
استحکام کی ضرورت واہمیت	۱۰۷
استحکام کے لئے سیرتِ طیبہ سے راہنمائی	۱۰۹
اسلام کا نظام حکومت	۱۱۱
اسلامی نظام حکومت کی اساس	۱۱۳
حکومت، نعمتِ خداوندی	۱۱۴
خلافت یا بادشاہت	۱۱۶
امیر ریاست کے فرائض	۱۱۷
اعضائے حکومت	۱۱۹
مقننہ	۱۱۹
عاملہ	۱۲۱
عدلیہ	۱۲۲
استحکام حکومت	۱۲۲

Marfat.com

داخلی عوامل	۱۲۳
تعلیم	۱۲۴
اسلام میں تعلیم کا آغاز	۱۲۴
مفت تعلیم	۱۲۵
لازمی تعلیم	۱۲۵
خواتین کی تعلیم	۱۲۶
باہمی اتحاد اور تنازعات سے اجتناب	۱۲۷
نظامِ عدل وانصاف	۱۳۰
انسدادِ جرائم	۱۳۴
ملکی دفاع	۱۳۷
باغیوں کے خلاف جہاد	۱۳۸
جاسوسوں کی سرکوبی	۱۳۹
جہاد، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے	۱۴۰
مساوات	۱۴۲
علاقائی عصبیت	۱۴۴
حدود وتعزیرات	۱۴۶
انسدادِ رشوت	۱۴۸
اقلیتوں سے سلوک	۱۵۰
معاشی نظام	۱۵۵
خارجہ امور	۱۵۸
خلاصۂ کلام	۱۶۱

Marfat.com

عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان
اور تعلیمات نبوی ﷺ ۱۶۳
تقابلی مطالعہ کی ضرورت ۱۶۹
برداشت وتحمل کی تشریح ۱۷۰
تحمل وبرداشت کا حکم قرآنِ حکیم میں ۱۷۱
آنحضرت ﷺ اور برداشت وتحمل ۱۷۳
تحمل وبرداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر ۱۷۵
مخالفین سے سلوک، مختلف مذاہب اور اقوام کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ ۱۷۹
ہندو تعلیمات ۱۷۹
یہودیت ۱۸۱
انگریز ۱۸۱
تعلیمات نبوی ﷺ ۱۸۳
مخالفین سے سلوک، عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ ۱۸۵
ہندومت اور برداشت وتحمل ۱۸۶
یہودیت اور عدم برداشت ۱۹۰
عیسائیت اور عدم برداشت ۱۹۱
انگریز اور برداشت وتحمل ۱۹۳
امریکہ، اور برداشت وتحمل ۱۹۵
اسلامی غزوات اور عالمی جنگوں کا تقابل اعداد وشمار کے آئینے میں ۱۹۵
آنحضرت ﷺ اور برداشت وتحمل ۱۹۷
بددعا کے موقع پر بھی دعا ۱۹۸
قحط کے موقع پر مدد ۱۹۸

Marfat.com

فتح مکہ، قوت برداشت کا بے مثال مظاہرہ ۱۹۹
آنحضرت ﷺ کا برداشت وتحمل، غیر مسلم مفکرین کی نظر میں ۲۰۰
خلاصۂ کلام ۲۰۳
بے لاگ احتساب سیرت طیبہ کی روشنی میں ۲۰۵
احتساب کی مفصل تشریح ۲۱۰
لغوی معنیٰ ۲۱۰
موجودہ مفہوم ۲۱۱
موجودہ دور میں احتساب کی ضرورت ۲۱۲
احتساب کے اجزائے ترکیبی ۲۱۴
عدل ۲۱۴
شورائیت کے حکم پر عمل ۲۱۷
منصفانہ قوانین کا اجراء ۲۱۹
قوانین پر بلا تخصیص عمل درآمد ۲۲۰
اہل و دیانت دار اہل کاروں کا تقرر ۲۲۱
اقسامِ احتساب ۲۲۳
خود احتسابی ۲۲۵
اجتماعی احتساب ۲۲۸
اجتماعی احتساب کے مختلف پہلو ۲۲۹
حکمرانوں کا احتساب ۲۲۹
نوکر شاہی کا احتساب ۲۳۳
قانون نافذ کرنے والے اداروں کا احتساب ۲۳۵
نظام محصولات کا احتساب ۲۳۶

Marfat.com

این جی اوز کا احتساب ۲۳۸
معاشی معاملات کا احتساب ۲۴۰
احتساب کی درخشاں مثالیں ۲۴۲
اختتام ۲۴۴

پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ۲۴۵

علم ۲۴۹
تعلیم ۲۵۲
تعلیم کی اہمیت اسلام کی نظر میں ۲۵۳
تعلیم خود مقصود ہے ۲۵۵
تعلیم، بنیادی ضرورت ۲۵۶
تعلیم فرض ہے ۲۵۷
تعلیم، انسانی ترقی کا ذریعہ ۲۵۸
تعلیم، رفع درجات کا سبب ۲۵۹
تعلیم کی اہمیت، احادیث کی روشنی میں ۲۵۹
مقاصدِ تعلیم ۲۶۳
انسان کیا ہے؟ ۲۶۳
مقاصدِ تعلیم ۲۶۸
معرفت و ہدایت الٰہی ۲۶۸
اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ۲۶۹
قرآن و سنت کی صحیح فہم ۲۶۹
تکمیلِ حیات و تعمیر کردار ۲۷۰

Marfat.com

علوم کا سرچشمہ ۲۷۰

معاشرتی تقاضوں کا فہم ۲۷۱

ضروریاتِ زندگی ۲۷۱

مقاصدِ تعلیم مشاہیر و ماہرین تعلیم کی نظر میں ۲۷۲

مقاصدِ تعلیم مغرب کی نظر میں ۲۷۷

اسلامی و مغربی افکار کا تقابل ۲۷۹

اسلامی نظامِ تعلیم کے بنیادی خدوخال ۲۸۰

لازمی و جبری تعلیم ۲۸۰

مفت تعلیم ۲۸۱

بچوں کی تعلیم ۲۸۲

معذوروں کی تعلیم ۲۸۳

خواتین کی تعلیم ۲۸۴

تعلیم بالغاں ۲۸۵

غیر مسلموں کی تعلیم ۲۸۵

تخصصات ۲۸۶

ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم ۲۸۹

دینی تعلیم ۲۸۹

عصری تعلیم ۲۹۰

عمومی تجاویز برائے نصاب و نظامِ تعلیم ۲۹۱

مثالی اسلامی نظامِ تعلیم کے لئے عملی خاکہ ۲۹۳

Marfat.com

نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمے داریاں،
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ۲۹۵
نیا عالمی نظام ۲۹۷
امریکہ یہودی شکنجے میں ۲۹۸
نئے عالمی نظام کی تشکیل ۳۰۱
نئے عالمی نظام کے بنیادی خدوخال ۳۰۲
نئے نظام کی بعض ترجیحات ۳۰۴
نیا عالمی نظام، بیانات کی روشنی میں ۳۰۵
امریکہ مسلم تعلقات ۳۰۷
سعودی عرب اور امریکہ ۳۰۷
افغانستان اور امریکہ ۳۰۹
پاکستان اور امریکہ ۳۱۲
۱۱ر ستمبر کا واقعہ ۳۱۵
امن کی راہ میں اصل رکاوٹ ۳۱۶
نئے عالمی نظام کے مختلف پہلو ۳۱۷
عالمگیریت ۳۱۸
جمہوریت ۳۲۰
خاندانی منصوبہ بندی ۳۲۲
طاقت کا استعمال ۳۲۵
ٹیکنالوجی ۳۲۶
خواتین کی آزادی ۳۲۶
اباحیت پسندی ۳۲۷

Marfat.com

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں	۳۲۸
دہشت گردی	۳۲۸
تہذیبی ٹکراؤ	۳۳۱
میڈیا کی یلغار	۳۳۲
دعوت اسلام	۳۳۳
مسلم ورلڈ آرڈر	۳۳۴
مسلم امہ کے لئے تجاویز	۳۴۰
عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں	۳۴۳
انتہا پسندی اور بنیاد پرستی	۳۴۹
انتہا پسندی اور اسلام	۳۵۲
مسلم مفکرین کے خیالات	۳۵۴
جہاد اور دہشت گردی	۳۵۶
مذہبی انتہا پسندی اقوام عالم میں	۳۶۰
فرقہ واریت	۳۶۹
فقہائے امت کی رواداری	۳۷۷
اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری	۳۸۰
مذہبی اعتدال پسندی اور رواداری کے بارے میں اسلام کے اقدامات	۳۸۷
اختتام	۳۹۹

Marfat.com

انتساب

دادا جان

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ

رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

Marfat.com

تاریخ محمد ﷺ کا نشان کفِ پا ہے
یہ بات غلط ہے کہ قدمؔ کچھ نہیں لکھتے

وقار اجمیری

اک اسمِ محمد ﷺ کے سوا لوحِ ابد پر
دیوار و درِ بامِ حرم کچھ نہیں لکھتے

ابوالخیر کشفی

Marfat.com

پیش لفظ

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ☆

باسمہ تعالیٰ حامداً و مصلّیاً

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں دو نعمتیں ایسی عطا فرمائی ہیں جن کی ازل سے ابد تک کوئی نظیر نہیں، ایک قرآن پاک اور دوسری سراپا قرآن یعنی حضور انور ﷺ کی ذات گرامی، جو خود قرآن کی تشریح و تفسیر ہے۔ اسی طرح قرآن پاک ''ہمہ قرآن در شان محمدؐ'' کی تفصیل و تصویر ہے۔ اگر ہم ان دونوں روشن راستوں کو اختیار کر لیں تو گمراہی کا کوئی امکان نہیں۔ آج ہمارے درمیان جو زندہ مسائل ہیں وہ اسی لئے ہیں کہ ہم ان دونوں راستوں کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ حالانکہ سورۃ النساء میں صاف صاف فرمایا گیا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (النساء:۸۰)

جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔

اس طرف ہمارے مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب نے بطور خاص توجہ دی ہے۔ مرشدی حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب (م ۱۹۸۰ء) کے نبیرہ مولانا سید عزیز

Marfat.com

الرحمٰن سلمہ اس عظیم خانوادے سے ہیں جو ہمہ وقت سیرت حضور انور ﷺ کی تفہیم وتشریح کے مبارک کام میں مصروف ہے۔ کئی سال سے ماشاء اللہ ہر سال سیرت کانفرنس میں اپنا تحقیقی مقالہ پیش کرنے کی سعادت سے مشرف ہو رہے ہیں۔ السیرہ عالمی کے نام سے اس موضوع پر تحقیقی مجلّے کے نائب مدیر بھی ہیں۔

اب الحمدللہ ان مقالات کو ''تعلیمات نبوی ﷺ اور آج کے زندہ مسائل'' کے عنوان سے مجتمع وشائع کر رہے ہیں تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوسکیں۔

مولانا سید عزیز الرحمٰن سلمہ اس ماحول کے پروردہ ہیں کہ انہوں نے سیرت مبارکہ کو بالخصوص اپنا موضوع مطالعہ رکھا ہے۔ اس کام کا اصل انعام تو انہیں حضور انور ﷺ کے صدقے میں اللہ پاک ہی عطا فرمائیں گے۔ لیکن دنیا میں بھی ان کے نام اور کام کو جو اعتراف فضیلت حاصل ہے وہ کسی انعام سے کم نہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک ان کی محنت کو قبول فرمائے اور ان کو بیش از بیش انعامات اور فلاح دارین سے نوازے۔ آمین

غلام مصطفیٰ خاں

Marfat.com

مقدمہ

ڈاکٹر محمود احمد غازی ☆

بیسویں صدی عیسوی کئی پہلوؤں سے دنیائے اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اسلامی علوم وفنون میں تجدید واحیا کا دور ہے۔ اس صدی میں دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں آزادی و استقلال کی کامیاب اور مؤثر تحریکیں چلیں۔ یہ تحریکیں جو انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ہر علاقے میں یکساں قوت کے ساتھ اٹھیں، نہ صرف دنیائے اسلام کی سیاسی آزادی کے لیے کوشاں تھیں، بلکہ ان کا ایک اہم مقصد اسلامی اقدار کا احیا، مسلمانوں کی روایات کا تحفظ اور اسلامی تہذیب وثقافت کی نشأۃ ثانیہ بھی تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بیسویں صدی کی وہی تحریکات آزادی کامیابی سے ہم کنار ہوئیں، جنہوں نے امتِ مسلمہ کی اخلاقی اقدار اور روحانی روایات کے احیا اور دینی تشخص کو اپنے پروگرام میں اہم مقام عطا کیا۔ اس کے برعکس وہ تحریکات بہت جلد طاقِ نسیاں کا شکار ہوگئیں، جن کے ایجنڈے میں مسلمانوں کی دینی اقدار کا تحفظ اور علمی نشأۃ ثانیہ کا ہدف نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا۔ خود تحریک پاکستان اس کی نمایاں مثال ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ ۱۹۰۶ء سے برصغیر میں سرگرم عمل تھی۔ لیکن عامۃ الناس کی سطح پر اس کو اس وقت تک کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوسکی جب تک اس نے ملت مسلمہ کے احیا، ملی اقدار کے تحفظ اور اسلامی خطوط پر برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ وطن اور ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے ہدف کو نہیں اپنایا۔ یہ بات تحریک پاکستان کے طلبا کی نظروں سے بالخصوص اور اہلِ پاکستان کی نظروں سے بالعموم اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ تحریک پاکستان کی روح اور جذبہ محرکہ خالصتاً دینی اور مذہبی تھا۔ برصغیر

☆ صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com

کے مسلمانوں نے تن، من اور دھن سے قائداعظم محمد علی جناح کا ساتھ دینے کا فیصلہ اسی وقت کیا جب انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسے وطن کی تشکیل کا ہدف اپنایا، جہاں اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کی بنیاد پر ریاست وسیاست، تعلیم وثقافت، معیشت وتجارت اور تہذیب و تمدن کا نظام اپنایا جانا تھا۔

تحریک پاکستان بظاہر تو ایک ایسی تحریک تھی، لیکن اس کی پشت پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے لے کر بے شمار دینی اور ملی اکابر کی احیائی اور تجدیدی فکر کارفرما تھی۔ دوقومی نظریہ جس نے تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہم کنار کیا انہیں شخصیتوں کے علمی اور دینی کام کا مرہون منت تھا۔ ان حضرات نے برصغیر کے مسلمانوں کی جو ذہنی تشکیل کی تھی اس کی بنیاد ملی شعور، دینی احساس اور اسلامی تشخص پر تھی۔ یہ چیز برصغیر کے مسلمانوں کی نفسیات کا ایک اہم حصہ رہی ہے۔

تشکیل پاکستان کے بعد اگرچہ ہماری ملیّ کارکردگی زیادہ حوصلہ افزا نہیں رہی، تاہم متعدد پہلوؤں سے بعض حوصلہ افزا کام بھی ہوئے۔ بیسویں صدی کے نصف سے نہ صرف پاکستان اور برصغیر میں بلکہ دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں ایک وسیع علمی اور تصنیفی سرگرمی کا آغاز ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بیسویں صدی کے بڑے بڑے مسلم مفکرین اور دانشوروں نے اسلامی علوم وفنون کے مطالعے کا ایک نیا انداز اپنایا۔ اس دور میں تفسیر وحدیث اور سیرت وفقہ جیسے خالص دینی علوم سے لے کر دوسرے تمام علوم وفنون تک دنیائے اسلام میں نئے نئے اور انتہائی مفید رجحانات سامنے آئے۔ مسلمان اہل علم نے اپنے تمام روایتی علوم وفنون کی تدوین نو کے عظیم الشان عمل کا آغاز کیا۔ فقہ اسلامی پر نئے انداز اور نئے اسلوب کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، جن کا مقصد فقہ اسلامی کی تشکیلِ نو اور تدوینِ جدید کے ساتھ ساتھ اس کو دورِ جدید کے ماہرین قانون کے لیے دستیاب اور سہل الحصول بنانا تھا۔ تشکیلِ جدید اور تدوینِ نو کی یہ مساعی علمِ فقہ، علمِ کلام، علمِ تفسیر، علمِ حدیث اور دوسرے متعدد علوم میں نمایاں ہیں۔

علم سیرت بھی بیسویں صدی کے اوائل سے نئے اسلوب میں سامنے آنا شروع ہوا

Marfat.com

ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ بیسویں صدی کا آغاز علم سیرت میں ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ مغربی مستشرقین اور ان سے متاثر لوگوں نے انیسویں صدی کے دوران سیرت پاک کے چشمۂ صافی کو گدلا کرنے کی جو سعی نا مشکور کی تھی، اس کا جواب مسلمان اہل علم نے انیسویں صدی کے اواخر سے دینا شروع کر دیا تھا۔ سرسید احمد خان کی خطبات احمدیہ، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین، اور شبلی نعمانیؒ وسید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ اپنے اپنے انداز میں علوم سیرت کی تشکیل جدید کی کامیاب کوششیں قرار دی جاسکتی ہیں۔ بیسویں صدی کا نصف آخر مجدد علوم سیرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا دور ہے۔ انہوں نے علوم سیرت کو جن نئی نئی جہتوں نے روشناس کرایا وہ تاریخ علم سیرت کا ایک نیا، منفرد اور نہایت درخشاں باب ہے۔

پاکستان میں مطالعہ سیرت کا نیا دور یوں تو قیام پاکستان کے بعد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ متعدد اہل علم نے سیرت پر اردو اور انگریزی میں نئے نئے انداز سے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مطالعۂ سیرت کی نئی نئی جہتیں سامنے آرہی ہیں۔ مطالعہ سیرت کو مہمیز دینے میں بہت سے عوامل نے حصہ لیا ہے۔ ان میں ایک اہم کردار نامور علمائے سیرت کے کوششوں کے ساتھ ساتھ بہت سے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی کاوشوں کا بھی ہے۔ یہ ادارے جو پاکستان میں سیرت کے کام کو آگے بڑھانے میں مؤثر کام کر رہے ہیں تاریخ علم سیرت میں ان شاء اللہ یاد رکھے جائیں گے۔ ان میں وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، پاکستانی جامعات کے شعبہ ہائے تدریس اور متعدد غیر سرکاری ادارے شامل ہیں۔

یہ شرف بھی خالق کائنات نے اہل پاکستان کے حصے میں رکھا تھا کہ یہاں صرف مطالعہ سیرت کے لیے ادارے بھی قائم ہوئے، اور صرف سیرت کے بارے میں تحقیقات کی نشر واشاعت کے لیے مستقل بالذات رسائل بھی شائع ہوئے۔ ان مستقل بالذات رسائل میں کراچی کا ششماہی رسالہ ''السیرۃ عالمی'' بھی شامل ہے۔ اس رسالے نے بہت جلد علمی دنیا میں ایک اہم مقام حاصل کرلیا ہے۔ رسالے کے روح رواں اس کتاب کے فاضل مصنف اور نوجوان محقق مولانا سید عزیز الرحمٰن ہیں، جنہوں نے نہ صرف اس رسالے کے نائب مدیر کی حیثیت سے بلکہ

Marfat.com

ایک محقق سیرت کے طور پر اہل علم سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ انہوں نے تعلیماتِ نبوی کو ایک نئے انداز میں پیش کر کے ادبیاتِ سیرت میں وقیع اضافہ کیا ہے۔ مصنف اپنی حمیت دینی، شرافتِ شخصی، نجابتِ خاندانی اور تعمق علمی کے ساتھ ساتھ ایک ادیبانہ طرز تحریر کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سلاستِ لسانی اور روانیِ قلم کی دولت سے نوازا ہے۔

زیر نظر کتاب ان کے سات عالمانہ اور محققانہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ مقالات ہیں جو وزارت مذہبی امور کے تحت منعقد ہونے والی سالانہ قومی سیرت کانفرنسوں میں پیش کیے گئے۔ یہ سب مقالات قبل ازیں ملک کے علمی رسائل و جرائد میں شائع ہو کر مقبول و معروف ہو چکے ہیں۔ یہ مقالات قومی سطح پر انعامات کے مستحق بھی قرار دیے گئے۔

طلبائے سیرت مولانا سید عزیز الرحمٰن کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ان سب مقالات کو کتابی شکل میں یکجا کر کے اہل علم کے لیے دستیاب کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کتاب نہ صرف علوم اسلامیہ کے طلبا اور اساتذہ کے لیے بلکہ عام تعلیم یافتہ قارئین کے لیے بھی مفید اور دلچسپ کتاب ثابت ہوگی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کتاب کو مقبول اور نافع بنائے۔

محمود احمد غازی

اسلام آباد

۲۶ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ

Marfat.com

اسوۂ حسنہ۔ انسانیت کا مستقبل
سیرت النبی ﷺ پر ایک رہنما کتاب

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

دنیائے اسلام کے رہبروں کے بیانات کو غور سے پڑھیے تو وہ سب صیغۂ مستقبل میں باتیں کرتے نظر آتے ہیں، ہمارا مستقبل شاندار ہے، ہم دشمنوں کو ناکام بنا دیں گے، ہماری صفوں میں اتحاد ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات نے زمانۂ حال، اس کے تقاضوں اور اس کی کامرانیوں کو غیروں کے سپرد کر دیا ہے، اس اندازِ فکر کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے۔

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

مستقبل کا درخت بھی ماضی کی زمین پر حال کے بیج سے اُگتا اور پروان چڑھتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب مسائلِ امروز سے متعلق ہے، اور وہ بھی ایک ابدی حوالے سے، یہ ابدی حوالہ ہادیٔ نوعِ بشر محمد مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت طیبہ، تعلیمات اور اسوۂ حسنہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وجود مبارک نے ان کے عہد کو خیر القرون بنایا۔ اور اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جیسے تمام آنے والے زمانے اس عہد میں اکٹھے ہو گئے۔ انسانی زندگی کے کسی امکان کے بارے میں غور کیجیے، کسی صورت حال کے بارے میں غور کیجیے تو وہ اسی زمانے میں نظر آ جائے گی، اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں کو اس ایک عہد میں سمیٹ دیا۔ یہی وہ نکتہ ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کس طرح آپ ﷺ کی سیرت مبارک تمام انسانی مسائل پر منطبق کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

اس مجموعے کا پہلا مضمون (میری ترتیب کے مطابق) جس سے میں اپنی گفتگو کا آغاز کرنا چاہتا ہوں، ''نئے عالمی نظام کی تشکیل'' ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (۱)

اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے کناروں سے سمیٹ رہا ہے۔ اس عمل میں دوسروں کی سازشیں عین مقصد خداوندی کے مطابق ہیں، زمین سمٹتی جارہی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ مکذبین کا انجام انہی کے ہاتھوں کرے، نئے عالمی نظام کی تشکیل اسی سمت ایک قدم ہے۔ عزیز الرحمٰن صاحب نے تاریخی تناظر میں یہ بات واضح کردی ہے کہ یہ ماضی قریب کی داستان نہیں ہے، بلکہ اس نئے عالمی نظام کی تشکیل کا ابتدائی نقش ۱۹۱۷ء میں قائم ہوا۔ اس عالمی صورت حال کو دوسرے لفظوں میں صہیونی اثر ونفوذ کی کاوش قرار دیا جاسکتا ہے، پچھلی صدی کے آغاز سے فرنگ کی رگ جان پنجۂ یہود میں ہے، یہ عالمی نظام اللہ اور اس کی منشا سے جنگ کے مترادف ہے، منشائے خداوندی یہی ہے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا، خواہ یہ بات مشرکین پر کیسی ہی گراں گزرے، اور اس ربانی پیش گوئی کے پورا ہونے کے لئے اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ کو دوست نہ رکھو، کیوں کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، (۲) اس عالمی نظام کے جو پہلو ہم پر واضح ہو رہے ہیں، ان میں سے پہلا گلوبلائزیشن کرۂ ارض پر تسلط ہے، یہ تسلط ابلاغ عامہ، مالیات اور ثقافت پر تسلط کے مجموعے کا نام ہے۔

عزیز الرحمٰن صاحب نے اعداد وشمار کے ذریعے ان مختلف پہلوؤں پر صہیونی تسلط کو پیش کیا ہے، اور اس پس منظر کو اجالنے کے بعد امت مسلمہ کو اس کی ذمے داریاں یاد دلائی ہیں، ان ذمے داریوں میں سے پہلی ذمے داری یہ ہے کہ

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

مصطفیٰ ﷺ تک پہنچنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہمارے اعمال وافعال وقت کے تقاضوں کے تابع نہ ہوں، بلکہ اسوۂ حسنہ کے تابع ہوں، یہی مسلمان کی بازآفرینی کا نسخہ ہے، یوں ہی

Marfat.com

مسلمان اس نام نہاد عالمی نظام کے تار و پود کو بکھیر سکتا ہے، اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔

اس مجموعے کا دوسرا مضمون ''عہد حاضر میں مذہبی انتہائی پسندی کا رجحان اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اس کا خاتمہ'' اسی تصویر کے ایک پہلو کی تفصیل ہے، یہ مذہبی انتہا پسندی نئے عالمی نظام کی انتہا پسندی سے پیدا ہوئی ہے، جس کے تحت امریکہ دنیا کی واحد طاقت بن کر سامنے آیا ہے، اور جس کے نتیجے میں مغربی لبرل ازم اور مغربی جمہوریت کے سائے دنیا پر پھیل گئے۔ امریکہ کی بالا دستی اس کے طرزِ فکر اور طرز حکومت کی بالا دستی ہے، اسی بالا دستی نے دوسرے نظاموں کے ماننے والوں کے درمیان مایوسی پیدا کر دی ہے، مایوس آدمی کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا، اسی لئے وہ امید سے محروم ہوتا ہے اور جہاں امید نہ ہو وہاں زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ جس کے نتیجے میں تشدد پیدا ہوتا ہے، یہ بنیاد پرستی درحقیقت عالمی نظام کی بنیاد ہے، جس نے ایک بنیاد پرستانہ یہودیت کو جنم دیا ہے، بنیاد پرستانہ یہودیت ہی عالمی امن کے لئے خطرہ ہے، اور یہ خطرہ اب مغربی پٹی اور غزہ کی حدود کو پھلاندتا ہوا ساری دنیا کے لئے مسئلہ بن چکا ہے، جس کی تباہ کاریاں عراق کے ریگستانوں اور افغانستان کے پہاڑوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس انتہا پسندی کی نفی ہی نہیں کرتیں بلکہ اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں، ان تعلیمات کے تحت انسان کو مذہبی اور فکری آزادی نصیب ہوتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ تعلیمات وحدت آدم اور احترام آدم کی بنیادیں ہیں، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (۳) کی آواز پندرہ صدیوں سے عظمت انسان کا اعلان ہے، صدیوں کے خسران کے بعد انسانیت اب وحدت اقوام کی منزل تک آئی ہے، جب کہ اسلام وحدت آدم کا نقیب ہے، اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو ہر قسم کی انتہا پسندی اور تفریق ختم ہو جاتی ہے، اقبال کے الفاظ میں:

مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟

خاک جنیوا کی جگہ جب نیویارک نے لے لی تو جمعیت آدم کی منزل اور دور ہو گئی، لیکن

(۳) بنی اسرائیل: ۷۰

Marfat.com

بہر حال طوعاً او کرہاً دنیا کو اپنے رب کی منشا کی طرف لوٹنا ہی پڑے گا۔ تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اسی منشا کی تکمیل کا راستہ ہے۔

عدم برداشت کے رجحان کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہوسکتا ہے کہ جمہوریت کو قبول کرنے کے لئے ایک لاکھ سے زیادہ عراقیوں کو زمین کا پیوند بنا دیا گیا، اور جمہوریت کی صبح انتخابات کے موقع پر شہروں میں کرفیو کے ساتھ طلوع ہوئی، ایک ہزار سے زیادہ امریکی سپاہیوں کا مارا جانا بظاہر ایک لاکھ عراقیوں کی موت کے سامنے معمولی نظر آتا ہے، لیکن یہ ارض فولاد میں زلزلے سے کم نہیں، اور یہ زلزلہ فکری ہے، جس سے عدم برداشت کے اس امریکی رجحان کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا، جسے انسانیت کی فلاح قرار دیا جا رہا ہے۔ عجیب بات ہے کہ فوج کشی کو انسانیت کی فلاح قرار دیا گیا ہے، جمہوریت بھی ایک دین ہے، اور محمد عربی ﷺ کا پیغام ہے کہ لَآ اِكْـرَاهَ فِـى الـدِّيْـنِ (۴) یہی پیغام عدم برداشت کا علاج ہے، عزیز الرحمٰن نے نہایت تفصیل اور منطق ترتیب اور تاریخی تناظر کے ساتھ عدم برداشت کا علاج تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

ان مقالوں کے بعد جو دوسرے مقالے ہیں وہ صرف موجودہ مسائل سے متعلق نہیں، بلکہ انسانی معاشرے کی بنیادی ضروریات، انسانی شخصیت کے عناصر ترکیبی اور انسان کی رہنمائی سے متعلق ہیں، یہ مسائل عصری بھی ہیں اور آفاقی بھی، اس مجموعے کے باقی مضامین عصری ہوتے ہوئے بھی آفاقی ہیں، یہ تعمیر شخصیت، انسان کے مجموعی رویے اور تعلیمی نظام کے بارے میں ہیں، شخصیت کی تعمیر کے لئے ایک مثال اور معیار کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے نمونے کی جس کے مطابق انسان اپنے آپ کو ڈھال سکے، آج کی زبان میں رول ماڈل کہہ لیجئے، جب انبیائے کرام علیہم السلام کو ہر دور میں مسلم اول قرار دیا گیا، تو اس طرف اشارہ تھا کہ مسلم اول تمام مسلموں کے لئے رول ماڈل ہوگا، نبی اکرم ﷺ کا دور ارنبوی سے لے کر قیام قیامت تک کا دور ہے، اور اس طویل عرصے میں انسانوں کے لئے اطاعت رسول ﷺ کی عملی ضرورت ہے، یہ بات محض عقیدے تک محدود نہیں، بلکہ انسان کی ضرورت ہے، جسے دین کی اصطلاح میں یوں کہہ لیجئے کہ

---

(۴) البقرہ:۲۵۶

Marfat.com

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۵)

یعنی رسول کی زندگی تمہارے لئے رول ماڈل ہے، اصطلاحات بدلتی جائیں گی، اصطلاحات کا غلبہ ہوتا جائے گا اور ان تمام اصطلاحات کے درمیان یہ دائمی اصطلاح قائم رہے گی، اسوۂ حسنہ۔

یہ کتاب ایک بڑی حقیقت کی امانت دار ہے، اور اسی سے انسانیت کی فلاح وابستہ ہے، جب انسانیت کا مستقبل سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ سے وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ استحکام پاکستان کا رشتہ بھی اسی سے قائم ہے۔ آج پاکستان کی اجتماعی زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارا مسئلہ نہ سیاست ہے، نہ معیشت ہے، بلکہ کردار ہے۔ آج پوری قوم بلکہ دنیا بحران کردار سے گزر رہی ہے، ایک اخلاقی بحران جو کردار اور سیرت کے بحران سے پیدا ہوا ہے، اس کا علاج اس نظام تعلیم کے اجرا پر منحصر ہے، جو تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ہو، وہ نظام تعلیم جو انسانوں میں خشیت الٰہی پیدا کرے، یہی خشیت الٰہی علم کی شناخت اور عالم کی پہچان ہے، اسی سے اشیا کا ادراک ہوتا ہے، ایک کلی ادراک، جس سے کائنات کی تفہیم بھی ہوتی ہے، مقصد تخلیق کائنات کی تفہیم بھی ہوتی ہے اور جس سے انسان کو کائنات میں اپنی حیثیت کا علم ہوتا ہے۔

اس کتاب میں یہی اہم مضامین سیرت کے حوالے سے آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں، آپ یقیناً اس کتاب کو ایک خیال افروز اور خیال افزا کتاب پائیں گے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اس صبح کی نوید اور اشارہ ہے، جس کی تقدیر میں غروب نہیں ہے۔

اللہم صلی علی محمد وال محمد

ابوالخیر کشفی

---

(۵) الاحزاب: ۲۱

Marfat.com

تعارف

پروفیسر عبدالجبار شاکر☆

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على اشرف المرسلين و خاتم النبيين والعاقبة للمتقين

اس روئے ارض پر انسانی ہدایت کے لئے حق تعالیٰ نے جن برگزیدہ بندوں کو منتخب فرمایا، ہم انہیں انبیاء و رسل علیہم السلام کی مقدس اصطلاح سے یاد کرتے ہیں، اس کائنات کے انسانِ اول اور پیغمبر اول ایک ہی شخصیت حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں فریضۂ ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے، اور پھر یہ کاروانِ رسالت مختلف صدیوں اور مختلف علاقوں میں انسانی ہدایت کے فریضے کو ادا کرتے ہوئے پاکیزہ سیرتوں کی ایک کہکشاں ہمارے سامنے منور کر دیتا ہے۔

درخشندگی اور تابندگی کے اس ماحول میں ایک شخصیت خورشید جہاں تاب کی صورت زمانے اور زمین کی ظلمتوں کو مٹانے اور انسان کے لئے ہدایت کا آخری پیغام لے کر مبعوث ہوئی، جسے محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں۔ آج انسانیت کے پاس آسمانی ہدایت کا یہی ایک نمونہ باقی ہے، جسے قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ قرار دیا اور اس اسوۂ حسنہ کے حامل کی سیرت سراج منیر بن کر ظلمت کدۂ عالم میں روشنی پھیلا رہی ہے۔ گذشتہ چودہ صدیوں میں اس ہادیٔ کامل ﷺ کی سیرت و صورت پر ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین لکھے جا چکے ہیں اور یہ سلسلۂ خیر ہنوز روز اول کی طرح جاری و ساری ہے۔

☆ ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا و انتہا تو خود قرآن مجید کے متن میں تمام و کمال جھلکتی ہے، مگر آپ کے تابع فرمانوں اور متبعین نے بھی اس سیرت کو علمی اور عملی اعتبار سے محفوظ رکھنے کے لئے عقیدت وارادت کا ایک عجیب جہاں آباد کیا ہے۔ سیرت نگاری کے فن کے ارتقاء پر ایک نگاہ ڈالیں تو اس کے ابتدائی سرمائے میں ائمہ محدثین کے علاوہ مغازی نگاروں کا ایک طویل سلسلہ دکھائی دیتا ہے، عروہ بن زبیر، ابن اسحٰق، ابن ہشام اور واقدی جیسے مغازی نگاروں نے تمام تر لوازمہ جمع کر دیا، جسے درایت سیرت کی روشنی میں بعد میں آنے والے سیرت نگاروں نے اپنے موضوعات کے لئے منتخب اور استعمال کیا، اور اب مغازی، دلائل، شمائل، کتب تاریخ، تفسیر، آثار و اخبار، انساب، جغرافیۂ عرب، تاریخ الحرمین الشریفین اور متنوع نثری و شعری اصناف میں یہ ذخیرۂ سیرت ارباب علم اور صاحبان تحقیق کے پاس موجود ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی کتابیں عربی زبان میں لکھی گئیں، پھر فارسی اور دیگر زبانوں میں یہ بابِ سعادت کھلا، مگر اس ضمن میں جو ذخیرۂ سیرت اردو زبان میں لکھا اور پیش کیا گیا اس کی مثال اور نظیر عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں دکھائی نہیں دیتی، اردو زبان میں سیرت کی بعض امہات الکتب ایسی ہیں کہ جن کی نظیر خود عربی زبان کے ذخیرے میں مفقود ہے، راقم الحروف کے شخصی ذخیرے بیت الحکمت میں سیرت کا جو گنجینہ موجود ہے وہ دنیا کی اٹھارہ زبانوں میں چار ہزار سے متجاوز کتب و جرائد پر مشتمل ہے۔ گذشتہ تین صدیوں میں اردو زبان میں تقریباً دو ہزار کے قریب کتب سیرت نظم و نثر کی صورت میں لکھی گئی ہیں، جن کا تذکرہ متعدد کتابیات کے اوراق میں کیا گیا ہے، بیسویں صدی کے آغاز میں اردو سیرت نگاری اپنے کمال کو چھو رہی تھی۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے سیرت نگاری کے جس منہج کو قائم کیا، اس کے تتبع میں سیکڑوں کتابیں سامنے آئیں، اسی بیسویں صدی کے نصف آخر میں پہلی مرتبہ سیرت کو موضوعاتی ترتیب سے لکھا جانے لگا۔

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر اس کے استقبال کے لئے جو متعدد اور متنوع ادارے وجود میں آئے انہوں نے جہاں معارف پروری کے بہت سے کام شروع کئے، وہاں نجی

Marfat.com

اور حکومتی سطح پر بھی بہت سے مفید اور مؤثر اقدامات کئے گئے، ایسے ہی اقدامات میں سے ایک مثبت کوشش وفاقی سطح پر وزارت مذہبی امور کی جانب سے سامنے آئی کہ انہوں نے ہر سال سیرت کا ایک ندوہ منعقد کرنے کا ڈول ڈالا، اور اس میں کسی ایک خاص موضوع پر اہل علم کو مقالات سیرت لکھنے کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں بیسیوں موضوعات پر سکیڑوں مقالات لکھے گئے، اس عملی کوشش سے بہت سی علمی اور تحقیقی کاوشیں منظر عام پر آئیں، جن میں سے ایک وقیع اور لائق قدر مساعی محترم سید عزیز الرحمٰن کے ہاتھوں انجام پائی۔

سید عزیز الرحمٰن ایک علمی اور دینی خاندان کے چشم و چراغ ہیں، ان کے خاندان میں علم و معرفت اور تزکیہ و سلوک کی ایک محکم روایت موجود رہی ہے، ان کے والد گرامی سید فضل الرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ خود ایک نامور عالم دین اور محقق شہیر ہیں، ان کے قلم سے جہاں بہت سی مفید اور نافع تحریریں نکلی ہیں، ان میں فن سیرت پر دو کتابیں ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور فرہنگ سیرت کے عنوان سے شائع ہوچکی ہیں، ان میں سے ثانی الذکر تو اپنے فن پر اردو زبان میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے اور سیرت میں ایک مستند حوالے کا اعزاز رکھتی ہے۔ سید فضل الرحمٰن صاحب اور ان کے ہونہار اور صاحب علم فرزند سید عزیز الرحمٰن گذشتہ چھ سال سے السیرہ عالمی کے عنوان سے ایک ششماہی جریدہ سیرت کے حوالے سے نکال رہے ہیں، جو برصغیر میں اردو زبان کے حوالے سے اپنی نظیر اور اپنی مثال آپ ہے۔

سید عزیز الرحمٰن نے ابھی حال میں خطبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے درجے کا تحقیقی کام مکمل کیا ہے۔ سید موصوف نے گذشتہ کئی سال سے وفاقی حکومت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی سیرت کانفرنسوں میں بہت بلند پایہ علمی مقالات پڑھے ہیں، اور اس اعتبار سے اہل علم سے داد تحقیق وصول کی ہے۔ اللھم زد فزد

آپ نے جن اہم موضوعات پر ابھی تک سیرت کے محاضرات یا خطبات پیش کئے ہیں، ان کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ تعمیر شخصیت و فلاحِ انسانیت، اطاعتِ رسول اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں۔

Marfat.com

۲۔استحکام پاکستان کے لئے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔
۳۔عدم برداشت کا قومی اور بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی ﷺ۔
۴۔بے لاگ احتساب، سیرت طیبہ کی روشنی میں۔
۵۔پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں۔
۶۔نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امتِ مسلمہ کی ذمے داریاں، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں
۷۔عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

مختلف موضوعات سیرت پر یہ سات مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں سیرت کے سوانحی پہلوؤں کی بجائے یا دلائل وشمائل جیسے ذکر کے بغیر تعلیماتِ سیرت کو پیش کیا گیا ہے، یہ وہ موضوعات ہیں جو عصر حاضر کے ابھرتے ہوئے مسائل ومشکلات سے تعلق رکھتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے تیئس سالہ دورِ رسالت کے آخری دس سالوں میں اسلامی ریاست کی تشکیل کے ارتقائی مراحل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ریاست اگر میثاق مدینہ کے دستور کی ۵۴ دفعات کے زیر اثر تشکیل پا رہی تھی تو اس کے دس سال بعد خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں انسانی حقوق کا عالمی منشور عطا کیا گیا، جس میں ۴۷ دفعات کے ساتھ اس کی ۷۱ توضیحات اس کی تکمیلی شان کو واضح کرتی ہیں، یوں آج کے تشویش ناک حالات میں یہ امن عالم کی نوید کی واحد آواز ہے۔ ان مقالات میں بھی سیرت کی ان آفاقی تعلیمات کی بازگشت سنائی دیتی ہے، ان فکر انگیز اور عملی تشویق پیدا کرنے والے مضامین کا لب ولہجہ دعوتی اور تربیتی ہے، پہلے مقالے میں انسانیت کی فلاح اور تعمیر سیرت کے حوالے سے اتباع رسالت کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے مقالے میں پاکستان جیسی نظریاتی ریاست کے لئے جسے اسلام کے عملی ماڈل کو بروئے کار لانے کے لئے تشکیل دیا گیا، اس میں مختلف اداروں کی اسلامائزیشن اور اس کے نظریاتی اور تہذیبی استحکام کے لئے سیرت طیبہ سے عملی نظائر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے مقالے میں موجودہ عالمی صورت حال میں عدم برداشت نے جو نتائج پیدا کر رکھے ہیں، اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہمیں جس خلفشار اور بے سکونی کا سامنا ہے، سیرت طیبہ کی روشنی میں اس سے نکلنے کا راستہ تجویز کیا گیا

Marfat.com

ہے۔اس سے اگلے مقالے میں معاشرے اور ریاست کے لئے بے لاگ احتساب کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس ضمن میں تعلیمات نبوی ﷺ کو اساس کے بطور پیش کیا گیا ہے۔اسلام تو پری آڈٹ (Pre Audit) اور پوسٹ آڈٹ (Post Audit) دونوں تصورات کا حامل ہے۔
پانچواں مقالہ کسی بھی نظریاتی مملکت کے تحفظ کے لئے ایک مثالی اسلامی نظام تعلیم کی جانب توجہ منعطف کراتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تعلیمی انقلاب کے ذریعے تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، جس کے باعث مثالی اسلامی ریاست کے باکردار شہری پیدا ہوئے۔ چھٹے مقالے میں عصر حاضر کی گلوبلائزیشن کی بحث کے حوالے سے ایک قوی استدلال کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ صرف اور صرف تعلیمات نبوی ﷺ میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ عالمی نظام کی تشکیل کو اخوت، مساوات اور عدل اجتماعی کی بنیادوں پر استوار کر سکے۔آخری مقالے میں اسلامی ملکوں کی ملت اسلامیہ کی مذہبی گروہ بندی اور مسالک و فرق میں شدت کے رجحان کے نقصانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں اس نوعیت کی شدت پسندی یا انتہا پسندی کو اختیار کرنے یا اس کے فروغ کا کوئی شرعی یا اخلاقی جواز نہیں ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اس انتہا پسندی سے بچنے اور اس دلدل سے نکلنے کا نبوی منہج واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

بظاہر یہ سات مقالات سیرت مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں، مگر ان سب میں ایک مرکزی وحدت موجود ہے کہ کس طرح ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست تعلیمات نبوی اور اسوۂ رسول ﷺ کی بنیاد پر اپنی انفرادی اور اجتماعی تربیت کا سامان فراہم کر سکتے ہیں۔

سید عزیز الرحمٰن صاحب ایک نوجوان محقق ہیں مگر ان کے قلم میں پختگی، استدلال میں قوت اور اظہار میں وضاحت بیان کے عناصر ملتے ہیں، ان کا اسلوب نگارش مقصدیت کے رنگ و آہنگ میں ڈھلا ہوا ہے، جس کے باعث ان کی تحریر میں سلاست اور سادگی کا عنصر واضح ہے۔ان کی تحریریں علمی اور تحقیقی ہونے کے وصف سے مستنیر ہیں، وہ اپنی بات کو علمی انداز اور تحقیقی اسلوب میں پیش کرتے ہوئے مستند حوالوں سے بات کرتے ہیں، اور ان حوالوں کی تخریج کو جدید معیار

Marfat.com

کے مطابق درج کرتے ہیں، یہی باعث ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں کو ایک سائنٹیفک انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ اس دور میں تشکیک کا شکار حضرات ایمان و یقین اور اخلاق و کردار کی دولت سے فیض یاب ہوسکیں۔ مجھے یقین ہے کہ اپنی انہی خوبیوں کے باعث اس مجموعۂ مضامینِ سیرت کا شایان شان استقبال ہوگا، اور وہ حضرات جو سیرت کو ایک عملی پیرائے میں ڈھلتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، انہیں اس مطالعے میں تشفی کا سامان میسر آئے گا۔

حق تعالیٰ اس مجموعے کو قبولیت عطا فرمائیں اور توشۂ آخرت بنائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت، لاہور

۲۹ دسمبر ۲۰۰۴ء

Marfat.com

پیش گفتار

آج امت مسلمہ جس دور سے گزر رہی ہے وہ ہر اعتبار سے آزمائش کا دور ہے، ان گنت مشکلات اور بے شمار مصائب اس وقت امت مسلمہ کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حوادث قطار باندھ کر امت مسلمہ پر وارد ہو رہے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے دور عروج کے بعد سب سے سخت زمانہ ہے، لیکن ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔ اسلام کی تاریخ میں ایسا کئی بار ہو چکا ہے کہ حوادث و مشکلات نے اس پر چہار جانب سے یلغار کر دی اور مسلمان یکا یک ادبار و پستیوں میں گرتے چلے گئے، حتی کہ ابھرنے کی کوئی صورت اور پھر سے اٹھ کھڑے ہونے کی امید تک لوگوں کے ذہنوں سے محو ہونے لگی۔ کیا امت مسلمہ آج کے حالات میں سقوط بغداد کا سانحہ بھول سکتی ہے؟ کیا وہ سانحہ اپنی شدت اور اپنے مابعد اثرات کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کا ہولناک ترین حادثہ نہ تھا؟ اس حادثے کے نتیجے میں بھی مسلمانوں پر مایوسی طاری ہوئی، لیکن مسلمان کچھ عرصے بعد ابھرا اٹھے، اور پھر سے شاہراہ ترقی پر آب و تاب کے ساتھ گامزن ہو گئے۔ آج کے حالات میں ہمیں اس واقعے سے کافی روشنی مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنا نظام ہے، انسانی سوچ کی حدود سے ماوراء اور اس کی فہم کی رسائی سے بلند تر۔ جس طرح وہ مردہ سے زندہ نکالنے پر قدرت رکھتا ہے اور اپنی اس قدرت کے مظاہر وہ ہر وقت پیش بھی کرتا رہتا ہے، اسی طرح وہ شر سے خیر کے پہلو بھی پیدا فرما دیتا ہے اور برائی سے بھلائی کی کونپلیں بھی اگا دیتا ہے۔ گیارہ ستمبر تاریخ عالم میں خوف و دہشت کے استعارے کی حیثیت رکھتا ہے، مگر پوری مسلم امت کو اس کے نتیجے میں جس طرح معاشی، معاشرتی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی ہر اعتبار سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، تفصیلات ہر ایک کے پاس کم یا

Marfat.com

زیادہ ہوسکتی ہیں، لیکن ان مشکلات کی سنگینی سے کسی ذی شعور کو نہ انکار ہوسکتا ہے، نہ کوئی لاعلم رہ سکتا ہے۔ لیکن اور باتوں کے علاوہ اس سے ایک خیر یہ پھوٹا کہ غیر مسلموں میں اسلام کے بارے میں جاننے کا اشتیاق پیدا ہوا اور قرآن حکیم سمیت اسلامی کتب کی طلب بڑھی۔ اور اس آزادانہ مطالعے کے نتیجے میں جو یقیناً منفی سوچ سے شروع ہوا تھا اسلام قبول کرنے کے رجحان میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق گذشتہ سال امریکا، برطانیہ، روس، فرانس، جرمنی، کینیڈا، آسٹریلیا اور سوئزرلینڈ سمیت مختلف ممالک میں ساڑھے ۶ لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا ہے، جن میں سے ۴ لاکھ افراد کے بطور مسلمان رجسٹرڈ ہونے کی تصدیق کی جاچکی ہے، جب کہ دنیا بھر میں ہزاروں کی تعداد میں مساجد و مکاتب کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، گزشتہ سال امریکا میں ۲ لاکھ ۹ ہزار افراد نے اسلام قبول کیا، جن میں ایک لاکھ ۳۶ ہزار وہ افراد شامل ہیں جنھوں نے امریکی جیلوں میں اسلام قبول کیا ہے۔(۱)

اسلام خدائے واحد کا انتخاب ہے(۲) اور اس کی حفاظت کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ خود پیدا فرماتا ہے۔ کسی بندۂ خدا کو اگر اسلام کی کسی بھی حوالے سے ترویج، اشاعت، تبلیغ یا دعوت میں کسی درجے میں بھی شرکت کا موقع ملتا ہے تو یہ محض اس کی توفیق اور عنایت سے ہی ممکن ہوتا ہے، جس پر اس کا شکر لازم ہے، لیکن اسلام کسی کا محتاج نہیں۔ اور خصوصاً آج اسلام سے تعلق کا تقاضا ہے کہ اس کی دعوت کو ہر ہر پہلو سے عام کیا جائے۔ اور ہر انسان کو پروردگار نے جس قدر بھی صلاحیت بخشی ہے اس کا بھرپور اور نہایت ایماندارانہ استعمال کیا جائے۔ زیرنظر کتاب کی ترتیب میں یہ احساس بھی کارفرما ہے۔

اس کتاب کے محرک اول محترم و مکرم جناب مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی ہیں، جن کا پیہم اصرار اس مجموعے کی ترتیب کا سبب بنا، یا پھر مکرمی حافظ عبدالرحیم سعیدی جن کی عنایت سے فیضی صاحب سے ملاقات ہوئی۔

یہ مجموعہ راقم کے ان مقالات پر مشتمل ہے جو ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۴ء کے عرصے میں

---

(۱) ماہنامہ تعمیر افکار، کراچی/ مارچ ۲۰۰۵ (۲) مائدہ:۳

Marfat.com

وزارت مذہبی امور اور حکومت پاکستان اسلام آباد کے زیر اہتمام سالانہ قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنسوں میں پیش کئے گئے، اور انہیں سیرت ایوارڈ سے نوازا گیا۔ چونکہ ان مقالات کا زمانہ تحریر مختلف ہے، اس لئے حوالہ جات میں شاید بعض مقامات پر یکسانیت نہ مل سکے۔ راقم نے ان مضامین میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، صرف بعض مقامات پر جہاں اضافہ ناگزیر تھا، چند سطروں کا اضافہ کیا ہے۔ ان مضامین کے عنوانات بھی وزارت مذہبی امور کے منتخب کردہ ہیں، چونکہ انہی عنوانات کے تحت یہ مضامین پیش کئے گئے، اس لئے ان میں بھی ترمیم وتبدیلی نہیں کی گئی۔

ان مضامین سے پہلے دو مضامین علیحدہ علیحدہ کتابچوں کی شکل میں ۱۹۹۷ء میں شائع ہو چکے ہیں، باقی مضامین اور ان کے بعض حصے وزارت مذہبی امور کی جانب سے شائع ہونے والے مجموعہ مقالات کے علاوہ دیگر رسائل و جرائد میں وقتاً فوقتاً شامل اشاعت ہو چکے ہیں۔

راقم خدائے واحد عزوجل کے حضور سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے یہ حقیر و ناقص کاوش اہل علم اور باذوق قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہے، راقم خصوصیت کے ساتھ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہم کا شکر گزار ہے جنہوں نے حد درجہ علالت طبع اور ضعف کے باوجود اس کتاب کا پیش لفظ املا کرایا۔ راقم اپنے دیگر بزرگوں جناب ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی، اور جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے اس کتاب کو اپنا قیمتی وقت دیا اور پھر اس پر اپنی قیمتی آرا سے بھی نوازا۔ راقم ان کے علاوہ تمام بزرگ و احباب خصوصاً برادر مکرم حافظ حقانی میاں قادری کی نیک تمناؤں اور رہنمائی کا شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کو جزائے خیر سے نوازے اور اس کاوش کو قبول فرما کر مقبول بنائے۔ آمین

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

سید عزیز الرحمٰن

ہفتہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ

۳۰ جولائی ۲۰۰۵ء

Marfat.com

تعمیرِ شخصیّت و فلاحِ انسانیّت
اطاعتِ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم
اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس ۱۹۹۶ء
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

ہر معاشرہ اگرچہ مختلف عناصر سے مرکب ہوا کرتا ہے لیکن ان عناصر میں افراد کی اہمیت وحیثیت امتیازی ہوتی ہے۔ یہ وہ اکائی ہے جو معاشرے کی سمت متعین کرتی ہے اور اسی پر معاشرے کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ اکائی ہی فساد کا شکار ہو جائے تو پھر پورا انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست وریخت کے مہلک عمل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ انسانی معاشرے میں افراد کی اسی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اپنی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا اور اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے اتنا کچھ مواد راہنمائی دنیا کے سامنے پیش فرما دیا کہ فرد کی تمام حیثیتوں اور صورتوں کے لئے کافی ووافی ہے، اور رہتی دنیا تک وہ ہر ہر فرد کیلئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔

Marfat.com

تمہید

مقالے کا موضوع دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک ہے تعمیر شخصیت اور دوسرا ہے فلاح انسانیت۔ پہلے جز کا تعلق فرد کی انفرادی حیثیت سے ہے، اور دوسرا جز پوری انسانیت کے اجتماعی مسائل ان کے حل، ان کی اصلاح و بہتری کے بارے میں اسلامی تعلیمات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ہدایات وارشادات اور آپ کے جاری کردہ اصول وقوانین کا احاطہ کرتا ہے۔ درحقیقت کسی بھی فلاحی اور مثالی معاشرے کیلئے یہ دونوں پہلو اپنی اپنی جگہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں، اسی بنا پر یہ دونوں ہی مکمل توجہ اور کامل غور وفکر کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس مقالے میں محدود گنجائش کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں پہلوؤں کا ان کی اہمیت کے مطابق جائزہ لیا جائے گا، اور آغاز میں پہلے اتباع رسول کی ضرورت واہمیت کو اجمالاً ذکر کیا جائے گا۔

اطاعت رسول ﷺ کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے (۱)

اسلام کی تعلیم کے مطابق عبادت محض نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کا نام نہیں، بلکہ عبادت کا مفہوم نہایت وسعت کا حامل ہے، اور معاملات ومعاشرت اور حقوق باہمی کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کی منشا کو مدنظر رکھنا بھی عبادت کے مفہوم میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو بجالانا اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے رک جانے کا نام عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر ونواہی کی تعلیم دینے اور ان کی طرف راہنمائی کے لئے اپنا ایک نظام قائم فرمایا ہے۔ وہ نظام رسالت ووحی کے نام سے

---

(۱) الذریٰت: ۵۶

Marfat.com

موسوم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے پر وحی کے ذریعے ہدایات کا نزول فرماتے ہیں۔ اور وہ برگزیدہ شخصیت ان ہدایات کی روشنی میں اس نظام کا نظم و نسق چلانے کی ذمے دار ہوتی ہے۔ اس کو رسول و پیغمبر کہا جاتا ہے۔

دنیا میں ایسے بے شمار لوگ گزرے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے ممتاز یا انفرادی حیثیت رکھتے تھے، جنہوں نے نظامِ عالم کو چلانے کے لئے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ایک طرف شاہانِ عالم اور سپہ سالارانِ افواج ہیں جو قوموں کی تقدیر بدل ڈالنے کے دعوے دار ہیں۔ دوسری جانب شعرا، حکما اور فلاسفہ کا طبقہ ہے جو اپنے اشعار و الفاظ کی آرائشوں اور حکمتوں کی موشگافیوں سے نظامِ عالم کو درست رکھنے کا عزم رکھتے ہیں۔ ایک اور طبقہ تاجروں، صنعت کاروں اور دولت مند حضرات کا ہے، جس کا خیال یہ ہے کہ تمام دنیا کا سماجی اور معاشرتی نظام انہی کے سہارے ارتقا پذیر ہے۔ فی الحقیقت اس میں کوئی کلام بھی نہیں کہ ان تمام طبقوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق تعمیرِ ملت اور فلاحِ قوم میں اپنا حصہ شامل کیا ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر ممکن نہیں کہ انھوں نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے حُسنِ عمل کا کوئی خوش نما نمونہ نہیں چھوڑا۔

بنی نوع انسان کی بھلائی، ان کے اخلاق کی اصلاح، ان کے دلوں کی صفائی اور ان کا رشتہ اللہ سے جوڑنے کے لئے کوئی کامیاب کوشش اگر کسی نے کی ہے تو وہ صرف انبیائے کرام اور رسولانِ عظام علیہم السلام ہی کا طبقہ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اسی مقصدِ عظیم کیلئے دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن میں صحیح احکام اور درست عقائد کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا تھا۔ گزشتہ زمانوں میں جو انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے ان کا دائرۂ کار اپنے اپنے علاقے کے لوگوں اور اپنے اپنے زمانے تک محدود تھا، اسی بنا پر ان کی تعلیمات کو دوام حاصل نہیں تھا۔ اس لئے ایک کے بعد ایک انبیاء تشریف لاتے رہے اور اولادِ آدم کو نورِ نبوت سے فیض یاب فرماتے رہے، ان سب انبیائے کرام کی شریعتوں کے اصول ایک ہی تھے، البتہ فروع میں ان کے زمانے کے حالات اور لوگوں کی طبیعتوں کے لحاظ سے فرق تھا۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ پر سلسلۂ نبوت

Marfat.com

ورسالت ختم کر دیا گیا۔ اسی لئے آپ خاتم الانبیاء ٹھہرے، چنانچہ اب قیامت تک نہ کوئی اور نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت۔ آپ کو جو کتاب عطا ہوئی وہ بھی تمام سابقہ کتب کیلئے ناسخ اور احکاماتِ الٰہیہ کی جامع ومکمل ہے۔ آپ کو جو دین اسلام دیا گیا وہ تمام سابقہ ادیان کے لئے ناسخ اور ہر لحاظ سے جامع مکمل دین ہے۔ اب قیام قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت باقی و برقرار رہے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے۔ (۲)

دوسری جگہ فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ (۳)

جب یہ فیصلہ ہو چکا کہ اب قیامت تک اگر کوئی دین قابلِ عمل ہے، اگر کوئی مذہب اللہ تعالیٰ کی جانب سے پسندیدگی کی سند رکھتا ہے اور جس پر عمل پیرا ہو کر کامیابی کی راہ تلاش کی جاسکتی ہے تو وہ فقط اسلام ہے، لہٰذا اسلام اور صاحب اسلام ﷺ کی اطاعت کا ضروری ہونا بدیہی ہوا۔ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ

اور اگر تم آپ (ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ (۴)

نیز فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

(۲) سباء: ۲۸ (۳) المائدہ: ۳ (۴) النور: ۵۴

Marfat.com

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی لئے بھیجا تا کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔(۵)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کیلئے آنحضرت ﷺ کو ظاہری و باطنی تمام کمالات سے کامل و اکمل طور پر آراستہ فرما کر دنیا میں بھیجا، تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ہر دور کیلئے زندگی کے ہر شعبے کا عملی نمونہ پیش کر سکیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

البتہ تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں ایک بہترین نمونہ موجود ہے۔(۶)

لہٰذا آپ کے تمام اقوال و افعال پوری امت کیلئے حجت اور مشعلِ راہ ہیں، اور اتباعِ رسالت یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام فرمانوں پر ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھ کر دل و جان سے عمل کیا جائے، اگر کوئی شخص پیغمبر کے احکام نہ مانے اور آپ ﷺ کے فیصلے کو پس پشت ڈالے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، کیونکہ اللہ کے رسول کے احکام کو نہ ماننے کا مطلب خود اللہ تعالیٰ کے احکام سے انکار ہے۔

اسوۂ رسول ﷺ کا تاریخی پہلو

کسی بھی انسان کی سیرت کو عملی نمونہ بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ اس معیار پر اگر دوسرے مذاہب کے بانیوں کی زندگی کو پرکھا جائے تو کوئی بھی اس پر پورا نہیں اترتا۔ مثلاً ہندو مذہب کے رہنماؤں میں سے کسی کو بھی کوئی تاریخی حیثیت حاصل نہیں۔ ان میں سے بعض سے تو دنیا کی واقفیت فقط نام ہی کی حد تک ہے۔ ان کے حالات زندگی کا کسی کو کچھ بھی علم نہیں۔ اسی طرح مجوسی مذہب کے بانی زرتشت کے حالات زندگی بھی کسی کو معلوم نہیں، بودھ اور کنفیوشس جیسے بانیاں مذہب کے حالات بھی غیر یقینی ہیں۔ بیشتر انبیاء کے بارے میں بھی کوئی کچھ نہیں جانتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی کا توریت

---

(۵) النساء: ۶۴ (۶) الاحزاب: ۲۱

Marfat.com

سے کچھ پتہ چلتا ہے، مگر خود موجودہ توریت کی صحت میں کلام ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات انجیل میں ملتے ہیں، مگر عیسائی بے شمار انجیلوں میں سے صرف چار کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان چار انجیلوں میں بھی باہم شدید اختلاف ہے اور ان کے لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان انجیلوں کی تالیف کے زمانے کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن ہے، لہٰذا یہ چاروں انجیلیں بھی قابل اعتبار نہیں۔

اس کے برعکس آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا معمولی سے معمولی گوشہ بھی محفوظ ہے۔ اہل اسلام نے اپنے پیغمبر ﷺ اور ان سے ادنی سا تعلق رکھنے والے شخص کے حالات زندگی بھی جس توجہ اور محنت کے ساتھ محفوظ کئے ہیں، تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ نے جہاں اپنے اقوال وافعال کی تبلیغ واشاعت کی تاکید فرمائی، وہیں یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ جو شخص میرے متعلق قصداً کوئی غلط بات یا جھوٹ بیان کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اس تنبیہ کے بعد بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی روایت بیان کرتے وقت کانپنے لگتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ ﷺ کے حالات نہ صرف محفوظ ہیں بلکہ تغیر وتبدل سے بھی پاک ہیں

آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا سب سے مستند اور صحیح ماخذ تو خود قرآن کریم ہے، جس کی صحت سے مخالفین کو بھی انکار نہ ہو سکا، قرآن مجید میں آپ کی سیرت طیبہ کے تمام ضروری اجزا موجود ہیں، مثلاً آپ کی نبوت سے پہلے کی زندگی، غربت ویتیمی، نبوت ووحی، معراج وتبلیغ دین، ہجرت وغزوات اور آپ کے اخلاق واوصاف وغیرہ۔ اس سے زیادہ تاریخی اور معتبر سیرت کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں جن میں آپ کے غزوات کا ذکر ہے۔ چوتھا ماخذ تاریخ کی کتابیں ہیں۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں۔ جن میں آپ کے اخلاق وعادات اور فضائل ومعمولات زندگی کا بیان ہے۔ مذکورہ سطور سے یہ بات واضح اور بالکل صاف ہوگئی کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو جو تاریخی امتیاز حاصل ہے وہ کسی اور پیغمبر یا مذہب کے بانی کو حاصل نہ ہو سکا۔

Marfat.com

تمام کمالات کی جامع شخصیت

کسی شخص کی زندگی خواہ کتنی ہی تاریخی کیوں نہ ہو وہ اس وقت تک قابل تقلید نمونہ نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ ہر پہلو سے جامع اور کامل نہ ہو۔ تقلید کے لئے جامعیت اور کمال دونوں شرط ہیں، اور کسی کی زندگی کا کمال اسی وقت ثابت ہوگا جب اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس زمانے کے لوگوں کے سامنے ہو اور اس کی وفات کے بعد تاریخ عالم میں محفوظ ہو۔ اس جہاں میں بڑے بڑے تاریخی انسان گزرے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ آپ کے سامنے کسی کی شخصیت بھی ہر پہلو سے ہمہ گیر اور تمام کمالات کی جامع نہیں۔ یہ شرف صرف آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کی تعلیمات و ہدایات، زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے پہلو اور ادنیٰ سے ادنیٰ معاملے کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ ہی ذات گرامی ایسی جامعِ کمالات ہے جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایسا صحیح توازن قائم کیا کہ افراط وتفریط کا کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا۔ کوئی دوسرا انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور دنیا کے کسی گوشے میں رہتا ہو ان خوبیوں کا جامع تو کیا پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔ آپ کی سیرت طیبہ کا ہر گوشہ نہ صرف آپ کے زمانے کے لوگوں کے سامنے رہا، بلکہ وہ تمام حالات و واقعات آج بھی تاریخ کے اوراق میں اسی طرح محفوظ ہیں، جیسے آپ کی حیات طیبہ میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔

ہر بڑے سے بڑا آدمی اپنے گھر میں ایک معمولی آدمی ہوتا ہے اور اس کی اندرونی کمزوریوں کا علم اس کی بیوی سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کیا، جو پندرہ برس سے آپ کی رفیقہ حیات تھیں اور آپ کی ہر کیفیت وحالت سے واقف تھیں اور انہوں نے آپ کا اعلان سنتے ہی نہ صرف آپ کی تائید کی اور آپ پر ایمان لائیں، بلکہ فوراً ہی آپ کی حمایت پر کمربستہ ہوگئیں۔ یہ آپ ﷺ کے کمال کی ایک بڑی مثال ہے۔

اعلان نبوت سے قبل آپ نے حیات طیبہ کے چالیس قیمتی سال قریش کے ساتھ گزارے۔ ان کے ساتھ لین دین، تجارت اور کاروباری معاملے کے لئے آپ کے صدق، حسنِ

Marfat.com

معاملگی، ایفائے عہد اور امانت و دیانت کی بنا پر اہل قریش نے آپ کو صادق و امین کا لقب دیا۔ وہ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے اور تصفیہ طلب معاملات میں آپ ہی کو حکم بناتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو یہی اہل قریش آپ کے جانی دشمن ہو گئے آپ کو تکالیف دینا اپنا مشن بنالیا۔ انہوں نے آپ پر نجاستیں ڈالیں، آپ کا پورے خاندان سمیت مقاطعہ کیا، آپ کو ساحر و مجنون مشہور کیا، حتیٰ کہ آپ کے قتل کی سازش کی، لیکن اس وقت بھی یہ لوگ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو یہی لوگ ایمان لاکر ساری عظمتوں اور رفعتوں کے مالک بن گئے، یہی لوگ آپ ﷺ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا سعادت سمجھنے لگے، انہی لوگوں نے آپ ﷺ کے ایک ایک قول اور فعل کو نقل کیا ہے۔ یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

حیاتِ طیبہ کی جامعیت

کسی انسان کی زندگی کو نمونۂ عمل بنانے اور قابل تقلید ٹھہرانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے میں بسنے والے تمام افراد کے مختلف طبقات کو ہدایت و رہنمائی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہو وہ سب باہتمام و کمال اس کی سیرت میں موجود ہوں۔ اس اعتبار سے اگر دوسرے بانیان مذاہب اور انبیاء کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو اس معیار پر بھی آپ ﷺ کے سوا کوئی پورا نہیں اترتا۔

مذہب دراصل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا نام ہے۔ اس لئے کسی بھی مذہب کی پیروی کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ دوسرے مذاہب کے بانیوں کے حالات حیات کے بارے میں جو کچھ مواد دستیاب ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بودھ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ ایسے میں کیا کوئی انسان، حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و غلام، باپ اور بیٹا، بھائی اور بہن اور دوست احباب وغیرہ کے تعلقات میں بودھ کی سیرت سے کسی قسم کی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے؟ اسی طرح توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

Marfat.com

زندگی کا ایک ہی پہلو یعنی جنگ و سپہ سالاری کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ حقوق و فرائض اور ذمے داریوں کا کوئی نمونہ نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت بھی تقلید کے لئے کافی نہیں کہ ان کو گھر بار، اہل و عیال، مال و دولت اور جنگ و صلح جیسے امور سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ سو جب ان بانیان مذاہب کے حالات ہی کمال نہیں رکھتے تو ان کی سیرت جامعیت کی صفت کے ساتھ کیوں کر متصف ہو سکتی ہے؟

مگر آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہر انسانی طبقے کیلئے مشعلِ راہ ہے، خواہ وہ طبقہ حاکموں کا ہو یا محکوموں کا، غربا کا ہو یا امرا کا، قاضیوں اور ججوں کا ہو یا مجاہدین کا، عابدوں اور زاہدوں کا ہو یا عالموں اور جاہلوں کا، اہل و عیال کا ہو یا دوست احباب کا، تاجروں کا ہو یا عوام کا، غرض ہر طبقے کے لئے آپ کی حیات طیبہ میں کامل نمونۂ عمل اور جامع ہدایت و رہنمائی موجود ہے، اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جامع ہونے کی دلیل ہے۔

اسوۂ رسول ﷺ کی عملیّت

کسی انسان کی زندگی کو نمونۂ عمل بنانے کے لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ جس چیز کی تعلیم وہ لوگوں کو دے رہا ہو وہ ذاتی طور پر خود بھی اس پر عمل پیرا ہو کر دکھائے، تاکہ اس بات کا علم ہو سکے کہ اس کی تعلیم محض خیالی نظریہ نہیں بلکہ وہ پوری طرح قابلِ عمل ہے ورنہ اچھے سے اچھا اور عمدہ سے عمدہ نظریہ تو کوئی بھی شخص پیش کر سکتا ہے، البتہ جو چیز ہر وقت پیش نہیں کی جا سکتی اور جس کی کسوٹی پر کسی بھی نظریے کو پرکھا اور جانچا جا سکتا ہے وہ عمل ہے۔ اس لئے انسانی سیرت کے بہترین اور کامل ترین ہونے کی دلیل اس کے عمدہ اقوال اور خوبصورت خیالات نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ گویا جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو قابلِ تقلید نمونہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس معیار پر بھی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے سوا کسی دوسرے راہنما اور بانی مذہب کے حالات پورے نہیں اترتے۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے پیغمبرانہ حیثیت میں اپنے پیروکاروں کو جو نصیحت فرمائی، سب سے پہلے آپ نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، آپ نے لوگوں

Marfat.com

کو ذکرِ الٰہی کی نصیحت کی، اور خود آپ کا یہ حال تھا کہ دن رات میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب آپ کا دل اور زبان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ لوگوں کو تو چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی نماز کا حکم تھا مگر خود آپ آٹھ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ یعنی فرض نمازیں (فجر، ظہر، عصر، مغرب عشاء) اور پھر رات کو تہجد اور سورج نکلنے کے بعد اشراق اور مغرب کے بعد نوافل اوابین۔ دیگر نوافل اس کے علاوہ ہیں۔ نیز آپ کی نماز اس قدر طویل ہوتی تھی کہ کھڑے کھڑے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ دوسروں کے لئے رمضان کے روزے فرض تھے، مگر خود آپ کا کوئی ہفتہ اور مہینہ روزوں سے خالی نہ جاتا تھا۔ غرض آپ جس کام کا بھی حکم دیتے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھاتے۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک کمال یہ ہے کہ دنیا کا ہر فرد اپنی حیثیت وضرورت کے مطابق آپ کی حیات طیبہ سے روشنی ورہنمائی حاصل کر کے اپنی زندگی کو بہتر اور کامیاب بنا سکتا ہے، کیونکہ زندگی کا کوئی شعبہ اور اخلاق وادب کا کوئی سبق ایسا نہیں جو ہمیں آپ کی حیات طیبہ میں نہ ملتا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۷)

بلاشبہ رسول اللہ (ﷺ) کی ذات گرامی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ (۸)

(۷) الاحزاب: ۲۱

(۸) یہ حصہ بنیادی طور پر مولانا سید سلیمان ندوی/ خطبات مدراس/ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۴ء اور سید فضل الرحمٰن/ ہادیٔ اعظم/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی ۲۰۰۰ء/ ج ا ص ۵۰۵ تا ۵۱۴ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

تعمیرِ شخصیّت

ہر معاشرہ اگرچہ مختلف عناصر سے مرکب ہوا کرتا ہے لیکن ان عناصر میں افراد کی اہمیت وحیثیت امتیازی ہوتی ہے۔ یہ وہ اکائی ہے جو معاشرے کی سمت متعین کرتی ہے اور اسی پر معاشرے کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ اکائی ہی فساد کے شکار ہو جائے تو پھر پورا انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست وریخت کے مہلک عمل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ انسانی معاشرے میں افراد کی اسی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اپنی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا اور اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے اتنا کچھ موادِ راہنمائی دنیا کے سامنے پیش فرمادیا کہ فرد کی تمام حیثیتوں اور صورتوں کے لئے کافی ووافی ہے، اور رہتی دنیا تک وہ ہر ہر فرد کیلئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا کمال یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے تعمیر شخصیت کا ایسا پہلو سامنے آتا ہے جس میں نہ کسی قسم کا ابہام ہے، نہ کہیں کی کوتاہی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ کامل ترین شخصیت کی جانب سے ایک مثالی معاشرے کیلئے بہترین تحفہ اور اکمل ترین نمونہ عمل ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ کی تعلیمات کا یہ گراں قدر حصہ خود آپ ﷺ کے کمال کے ساتھ ساتھ اتمام نعمت اور اکمال دین کی ایک اہم ترین دلیل بھی ہے۔

آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا صفت کمال کے ساتھ متصف ہونا اس لئے بھی ضروری تھا کہ آپ کو جو دین دے کر مبعوث فرمایا گیا وہ اسلام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

بلاشبہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے۔(۹)

نیز اسلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے ہی مکمل فرمادیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی

---

(۹) آل عمران: ۱۹

Marfat.com

نعمت تمام کردی اور میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا۔ (۱۰)

چنانچہ اگر اسلام کی ان تعلیمات کا جائزہ لیا جائے جو آپ ﷺ کے توسط سے انسانیت تک پہنچیں تو ظاہر ہوگا کہ اسلام میں کمال بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

انسان کی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک بعد از ولادت تا وفات، دوسرا بعد از وفات تا ابدالآباد۔ پہلا دور فانی کہلاتا ہے، اور دوسرا دور بقا سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسلام کا کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کے ان دونوں ادوار کے بارے میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے اور اس کے فلسفۂ حیات کے مطابق زندگی ان دونوں ادوار کے مجموعے کا نام ہے۔ اسلام کے مطابق دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء، اور عمل و جزا کے مابین ربط واتصال بدیہی امر ہے، لہذا دارالعمل اور دارالجزا کے مابین بھی اتصال و ربط ضروری ہوا۔ اسی لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اپنے رب سے مانگنے کا جو طریقہ سکھایا اس میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو زندگی کے ان دونوں حصوں اور ادوار کو مدِ نظر رکھ کر مانگا جائے اور دونوں ہی کے لئے دستِ سوال دراز کیا جائے۔ قرآن کریم میں یہ دعا اس طرح مذکور ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (۱۱)

آج کل دنیا میں جتنے بھی نظام رائج ہیں، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نظریے سے ہو اور وہ کسی بھی جغرافیائی حیثیت کے حامل ہوں، اگر ان کی دوسری ان گنت خرابیوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی ان کی یہ خرابی مسلّم ہے کہ ان کا تعلق زندگی کے صرف ایک ہی پہلو سے ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے صرف ایک دور سے بحث ہوتی ہے، جس کا تعلق دنیا کی بے ثبات و چند ساعتوں کی محدود زندگی سے ہے۔ جبکہ حقیقی اور اصل زندگی ان کی نظروں سے یکسر اوجھل ہے۔ ان نظاموں کی دیگر خرابیوں اور مفاسد سے اگر کچھ دیر کے لئے صرفِ نظر کر بھی لیا جائے تب بھی یہی

(۱۰) المائدہ: ۳ (۱۱) البقرہ: ۲۰۱

Marfat.com

ایک خرابی ان نظاموں کے ناممکن العمل ہونے کی کافی شہادت و دلیل ہے۔اسی طرح دنیا کے تمام مروّجہ مذاہب بھی جامعیت کی کسی تعریف پر پورے نہیں اترتے، اور ان کے باطل و ناقابل عمل ہونے کے دیگر دلائل و براہین سے قطع نظر ان کے بطلان کیلئے صرف یہی بات کافی ہے کہ ان کے ہاں بھی انسانی زندگی کے دونوں ادوار کے مابین اتصال و ربط کا کوئی تصور نہیں، وہ دنیاوی دور کو اخروی زندگی سے عملی طور پر بالکل الگ تھلگ خیال کرتے ہیں۔ بہر صورت ان کے ہاں دارالعمل اور دارالجزا کے مابین کوئی وجہِ مناسبت یا شکلِ ربط و اتصال موجود نہیں، اور یہ اس کے باوجود ہے کہ تقریباً تمام مکاتبِ فکر (ملحدین و منکرین قیامت کو چھوڑ کر) خواہ وہ یہود و عیسائی ہوں یا ہندو اور بدھ مت وغیرہ، سب اس جہان کے فانی اور دارالعمل ہونے کے قائل ہیں۔اور جب دارالعمل اور دارالجزا کے درمیان ربط و اتصال ہی مفقود ہو جائے تو دارالجزا کی کامیابی و فلاح کی توقع کیوں کر ممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان مذاہب اور دنیاوی نظاموں کی عملی دنیا میں اسلام کے سامنے کوئی حیثیت و وقعت نہیں۔

آپ ﷺ نے افراد کی تربیت کے لئے جن باتوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور جن کو کردار کی پختگی کے لئے لازم قرار دیا، انہیں چند ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے

۱۔علم	۲۔تزکیۂ نفوس	۳۔اخلاق
۴۔اخوت واتحاد	۵۔صدق وامانت	۶۔عفوو درگزر

۱۔علم

علم کا حصول تخلیق انسانی کا ایک اہم جز ہے۔یہی وہ جوہر ہے جس کی بنا پر انسان کو نوری مخلوق فرشتوں پر بھی فضیلت عطا ہوئی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ

Marfat.com

اَنۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝

اور (اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ۔ انھوں نے (فرشتوں نے) کہا، کیا آپ اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائیں گے جو اس میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں (کہ تو نے ہمیں اپنی تسبیح کی توفیق عطا فرمائی) اللہ نے فرمایا، بیشک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے ،اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو تمام (چیزوں کے) نام سکھا دیئے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ۔ (۱۲)

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم انسان کے خمیر ہی میں ڈال دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اسے وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں جن کے بل پر اس کو دائمی فضیلت اور دوسری تمام مخلوقات پر اس کی حاکمیت قائم ہو سکتی ہے۔علم کی اہمیت کی مزید واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ‌ۚ وَمَا يَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ۝

اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ (۱۳)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی طرف وہی شخص لپکتا اور اس کو قبول کرتا ہے جو علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور جس کا ضمیر اپنے پروردگار کی عطا کردہ معرفت کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

---

(۱۲) البقرہ: ۳۰، ۳۱ (۱۳) العنکبوت، ۴۳

Marfat.com

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

یہ ایک پیغام ہے جو تمام لوگوں کے لئے ہے اور تا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ تو بس ایک ہی ہے اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔ (۱۴)

اس آیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نصیحت عقل والوں کے لئے ہی فائدہ مند ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اولین مخاطب یہی لوگ ہیں۔ اسی لئے اسلام امت مسلمہ پر یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہو، بلکہ ان میں خواندگی کا تناسب سب سے زیادہ ہو اور ناخواندہ افراد کی تعداد کم سے کم ہو۔ یوں بھی کسی تہذیب یافتہ، ترقی پسند اور مثالی ریاست کے لئے تعلیم ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اس لئے اسلامی معاشرے میں اس کی اہمیت دوچند ہونا نہایت ضروری و لازمی ہے، کیونکہ اسلام ہی وہ واحد نظام ہے جو ہر طرح کی فلاحی و مثالی ریاست کا عملی تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہالت بجائے خود ایک اخلاقی کمزوری ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے حصول علم کی بہت تاکید فرمائی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے۔ (۱۵)

اور دوسری روایت میں فرمایا

مجھے علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ محبوب ہے۔ (۱۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب علم ہوگا تو اس کو وہ بصیرت حاصل ہوگی جس سے وہ عبادت کی روح اور اس کے فوائد و حقیقت کو سمجھ سکے گا اور پھر اس کو عبادت کا حقیقی لطف بھی حاصل ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قلیل علم کثیر عبادت سے بہتر ہے۔ (۱۷)

---

(۱۴) ابراہیم: ۵۲ (۱۵) طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد (م ۳۶۰ھ) / المعجم الکبیر / مکتبہ العلوم و الحکم، موصل، ۱۹۸۳ء / ج ۱۱، ص ۳۸ (۱۶) حاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ (م ۴۰۵ھ) / المستدرک / دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۰ء / ج ۱، ص ۱۷۰، رقم ۳۱۴

(۱۷) ہیثمی، علی بن ابوبکر (م ۸۰۷ھ) مجمع الزوائد / دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۰۷ھ / ج ۱، ص ۱۲۰

Marfat.com

اس میں عبادت پر علم کی فضیلت اور سبب کی جانب اشارہ فرما دیا کہ جو عبادت جہالت کے ساتھ ہوگی وہ اگرچہ کثیر ہی کیوں نہ ہو اس میں گمراہی کا امکان ضرور ہے۔ جبکہ علم کے بعد گمراہی کا خطرہ باقی نہیں رہتا اور اس کو شیطان دھوکہ دینے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جبکہ ایک ایسا شخص جو محض عابد ہے، شیطان کے لئے تر نوالہ ثابت ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ایک فقیہ ہزاروں عابدوں کے مقابلے میں شیطان پر بھاری ہے۔(۱۸)

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے عبادت کے مقابلے میں تحصیل علم کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی۔ آپ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اے ابوذر! صبح ہوتے ہی تم اللہ کی کتاب (قرآن کریم) سے ایک آیت سیکھ لو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم سو رکعتیں پڑھ لو، اور یہ کہ روزانہ تم علم کا ایک باب حاصل کرلو چاہے عمل کرو یا نہ کرو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ایک ایک ہزار رکعتیں ادا کرو۔(۱۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ عالم کو عابد پر ستر درجے فضیلت حاصل ہے اور ہر دو درجوں کے مابین تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی ستر سال کی مسافت ہے۔ اس لئے کہ شیطان لوگوں کے اندر بدعات کو رائج کرتا ہے تو عالم اسے دیکھ لیتا ہے اور لوگوں کو اس سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ عبادت گزار اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور اس بدعت کی جانب توجہ نہیں کرتا اور نہ اس کو اس امر کی واقفیت ہوتی ہے۔(۲۰)

علماء کو (صرف علم کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مقام حاصل ہے اس کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء سے کہے گا جب وہ کرسی پر بندوں کے

---

(۱۸) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹) / السنن / دار احیاء التراث العربی، بیروت / ج ۴، ص ۳۱۰، رقم ۲۶۸۷ (۱۹) ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۵ھ) / السنن / دار المعرفہ بیروت ۱۹۹۸ء / ج ۱ ص ۹۵ رقم ۲۱۹ (۲۰) المنذری، ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی (م ۶۵۶ھ) / الترغیب و الترہیب / دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ / ج ۱، ص ۵۷، رقم ۱۳۵

Marfat.com

درمیان فیصلہ کرنے بیٹھے گا کہ میں نے تمہارے اندر اپنا علم وحلم اس لئے رکھا تھا کہ میں تمہاری خطاؤں کو معاف کرنا چاہتا تھا، اور اس کے علاوہ مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔ (۲۱)

اگر غور کیا جائے تو علم کی اور صاحبان علم کی فضیلت کے لئے یہی ایک حدیث بھی کافی ہے

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم کے حصول اور اس کی تلاش میں چلتا ہے اس کے لئے اللہ جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ (۲۲)

اور علم کو ہدایت کا سبب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

کوئی کمانے والا شخص اس علم کی فضیلت سے بہتر کوئی چیز نہیں کما سکتا جو علم ایک عالم دین کی ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، یا اسے گمراہی سے پھیر دیتا ہے اور کسی انسان کی دینداری اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی عقل صحیح نہ ہو۔ (۲۳)

اور علم دوسروں تک پہنچانے اور اس کی تعلیم دینے والوں کا مقام یوں واضح فرمایا:

دو آدمیوں کے سوا کسی اور سے حسد (رشک) کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا وہ اسے راہ حق میں خوب لٹاتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت (علم) سے نوازا اور وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲۴)

حصولِ علم کے لئے زمان ومکان کی کوئی قید اسلام نے روا نہیں رکھی، اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تعلیم کو کوئی ایسی مقررہ حد نہیں جسے منزل یا آخری حد قرار دیا جا سکے۔ آپ ﷺ نے

(۲۱) المعجم الکبیر/ ج ۲ ص ۸۴، رقم ۱۳۸۳ (۲۲) مسلم بن الحجاج ابوالحسین القشیری النیسابوری (م ۲۶۱)/ الصحیح / دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء/ ج ۴ ص ۲۳۳، رقم ۲۶۹۹، ☆ ترمذی/ ج ۵ ص ۱۹۵، ☆ ابن حبان، ابوحاتم محمد التمیمی (م ۳۵۴)/ الصحیح / مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۹۹۳ء/ ج ۱، ص ۲۸۴، رقم ۸۴ (۲۳) طبرانی (۲۴) بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (م ۲۵۶ھ)/ الصحیح / دار ابن کثیر بیروت، ۱۹۸۷ء/ ج ۱، ص ۳۹، رقم ۷۳ ☆ مسلم/ ج ۱، ص ۴۵۱، رقم ۸۱۵

Marfat.com

حصولِ علم کی خاطر دور دراز کے اسفار اختیار کرنے کو علمی جہاد سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

> جو شخص علم کی طلب میں نکلا تو وہ اللہ کے راستے میں ہے جب تک لوٹ نہ آئے۔(۲۵)

اس روایت سے یہ بھی واضح ہوا کہ طلب علم کی خاطر اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے شہروں اور ملکوں کا سفر اختیار کرنا پسندیدہ اور باعثِ اجر وثواب ہے اور علم کے حصول کے لئے صرف اپنے شہر و قصبے کی قید نہیں، یہ جہاں سے ملے اور جب بھی ملے اس کو حاصل کر لینا چاہئے۔

علم وحکمت کی آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں اہمیت وضرورت آپ کے اس قول سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔فرمایا:

> حکمت کی بات مومن کی متاع گمشدہ ہے جہاں وہ پائے اس کا وہ سب سے زیادہ حقدار ہے۔(۲۶)

عالم ومتعلم کی بابت فرمایا:

> آدمی تو دو ہی ہیں عالم اور متعلم، یہ دونوں خیر میں شریک ہیں اور باقی لوگوں میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔(۲۷)

ایک اور مفصل روایت میں علم سیکھنے اور سکھانے والوں کا ذکر اس طرح ہے۔حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دو افراد کا تذکرہ کیا گیا ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم۔آپ نے فرمایا:

> عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ ترین آدمی پر۔(۲۸)

پھر فرمایا:

---

(۲۵) ترمذی/ج ۴،ص ۲۹۵،رقم ۲۶۵۶ (۲۶) ایضا/ص ۳۱۴،رقم ۲۶۹۶ (۲۷) طبرانی المعجم الاوسط/ دارالحرمین قاہرہ ۱۴۱۵ھ/ ج ۷ص ۳۰۷ رقم ۷۵۷۵ ☆ ابن ماجہ/ ج ۱،ص ۹۸، رقم ۲۲۹
(۲۸) ترمذی/ رقم ۲۶۸۵ ☆ دارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (م ۲۵۵)/ السنن/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ ج ۱ص ۱۰۰، رقم ۲۸۹

Marfat.com

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام زمین و آسمان والے حتی کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں (پانی میں) ایسے شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے۔(۲۹)

۲۔ تزکیۂ نفوس

کسی بھی مثالی اور صحیح اسلامی تعلیمات کی حامل شخصیت کی تعمیر کے لئے تزکیۂ نفوس نہایت ضروری امر ہے، اس کے بغیر صحیح معنی میں مثالی شخصیت کی تعمیر ممکن نہیں۔ اسی لئے اسلام میں تزکیۂ نفوس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک تزکیۂ نفوس بھی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

بیشک اللہ نے مومنوں پر بڑا ہی احسان فرمایا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسا رسول بھیجا جو ان لوگوں کو اس (اللہ تعالیٰ) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔(۳۰)

تزکیے کے معنیٰ طہارت کے ہیں، یعنی آپ ﷺ لوگوں کو ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک کرتے ہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ جس طرح شریعت ظاہر کے لئے ہے بالکل اسی طرح باطن کیلئے بھی ہے۔ جس طرح انسان کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اسی طرح اس کے قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں ہیں، مثلاً کفر و شرک، بغض و حسد، کینہ و تکبر، حب مال و جاہ وغیرہ، انسان کا دل اس کے جسم کا بادشاہ ہے اور تمام اعضا کا سردار ہے، دل کی اصلاح اور پاکیزگی پر تمام جسم انسانی کی اصلاح کا مدار ہے۔ حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ

(۲۹) ترمذی/ج ۴، ص ۳۱۴، رقم ۲۶۹۴ (۳۰) آل عمران: ۱۶۴

Marfat.com

نے فرمایا:

اے لوگو! آگاہ رہو کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوجاتا ہے تو تمام بدن درست ہوجاتا ہے اور جب وہ خراب وفاسد ہوجاتا ہے تو تمام بدن خراب وفاسد ہوجاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ (۳۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم کے اعضا کی درستی اور ان کا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنا دل کی درستی وپاکیزگی پر موقوف ہے۔ اس لئے دل (قلب) کی اصلاح کی کوشش کرنا واجب ہوا۔ اسی کوشش کرنے اور قلب کو ان بیماریوں سے پاک کردینے کا نام تزکیۂ قلب ہے، جس کی بنا پر قربِ حق نصیب ہوتا ہے۔ درحقیقت اسی خلاص عمل کا نام تصوف ہے اور اسی اخلاص کے ساتھ کی جانے والی عبادت حقیقت میں عبادت کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔

مشہور حدیث، حدیث جبرائیل میں بھی تزکیۂ نفوس کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ اخلاق

افراد کی تربیت کا انحصار ان کی اخلاقی حالت کی بہتری پر ہوتا ہے۔ اگر یہ پہلو کمزور رہ جائے تو آئندہ ترقی تو کجا، تنزلی کا امکان غالب رہتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس پہلو پر بھی بھرپور توجہ مرکوز فرمائی۔ نیز کسی بھی معاشرے میں جرائم پیشہ افراد نہایت ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کردیتی ہے، اس لئے جرائم کا انسداد نہایت ضروری امر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے افراد اخلاقی طور پر مکمل تربیت یافتہ ہوں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا اولین مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (۳۲)

بلاشبہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

---

(۳۱) مسلم/ ج ۳ ص ۵۷ رقم ۱۵۹۹ ☆ بخاری/ ج ا ص ۲۸ رقم ۵۲ (۳۲) بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین (م ۴۵۸) / السنن الکبریٰ/ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ ۱۹۹۴ء/ ج ۱۰ ص ۱۹۱ رقم ۱۶۰۹

Marfat.com

اور ایک روایت میں تفصیل سے فرمایا:

ان اللہ بعثنی بتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال (۳۳)

بلا شبہ اللہ نے مجھے تمام مکارم اخلاق اور محاسن افعال کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

اور اس کی وضاحت مؤطا امام مالک کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس میں آپ کا فرمان یوں ذکر ہے:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۳۴)

میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

چنانچہ وہ عظیم پیغام جس نے تاریخ حیات میں ان مٹ نقوش ثبت کئے، اس کی کرنوں سے سارے عالم کو منور کرنے میں آپ ﷺ کی انتھک جدو جہد اور بے مثال و بے لوث محنت کے ساتھ ساتھ آپ کے بلند و اعلیٰ اخلاق کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ ﷺ ایسے بلند پایہ اخلاق کے حامل تھے کہ آپ کے جانی دشمن بھی آپ کی متفقہ حیثیت الصادق والامین پر حرف گیری کی جرأت نہ کر سکے، اور آپ کو صابی (نعوذ باللہ) تک کہنے والے بھی اپنی امانتوں کے لئے سب سے زیادہ قابل اعتبار شخص آپ ہی کو تصور کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر میں ہی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے، اور مسلسل دس سال آپ کے خادم رہے۔ آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں ان کا بیان سنئے، وہ فرماتے ہیں:

میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال تک خدمت کی۔ بخدا آپ نے مجھے کبھی اُف نہ کہا اور نہ کسی چیز کے بارے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا؟ (۳۵)

---

(۳۳) المعجم الاوسط/ ج ۷ ص ۷۴ رقم ۶۸۹۵

(۳۴) مؤطا، مالک بن انس (م ۱۷۹)/ المؤطا/ دار احیاء التراث العربی، بیروت/ ج ۲ ص ۹۰۴ رقم ۱۶۰۹

(۳۵) بخاری/ ج ۵ ص ۲۲۴۵ رقم ۵۶۹۱ ☆ مسلم/ ج ۴ ص ۳۴ رقم ۲۳۰۹

Marfat.com

انہی سے یہ بھی روایت ہے:

میری والدہ رسول کریم ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی تھیں اور انہیں جہاں چاہتیں لے جاتی تھیں۔ جب کوئی شخص آپ ﷺ کے سامنے آتا اور آپ سے مصافحہ کرتا تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ نہ کرتے، جب تک وہ خود ہی اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا، اور نہ اپنے چہرے کا رخ اس کے چہرے سے ہٹاتے، تا آنکہ وہ خود ہٹا لیتا اور مجلسوں میں کبھی آپ کو اپنے ہم نشین سے آگے بڑھ کر بیٹھے ہوئے نہ دیکھا گیا۔(۳۶)

اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول ﷺ نہ بد خلق تھے، نہ زبان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہوں (۳۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نرم دل ہے وہ نرم دلی کو پسند کرتا ہے اور نرم دلی پر جو صلہ عطا کرتا ہے وہ سختی کے بدلے نہیں دیتا، بلکہ اتنا صلہ کسی بھی چیز کے بدلے نہیں دیتا۔(۳۸)

نرم دلی کی ہی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

جس چیز میں نرمی ہوگی وہ اسے خوبصورت بنا دے گی، اور جس چیز سے نرمی نکال دی جائے گی وہ بدصورت ہو جائے گی۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نرم دلی کے ساتھ جو ثواب دیتا ہے وہ حماقت کے بدلے نہیں دیتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بنا لیتے ہیں تو اس کو نرمی عطا کرتے ہیں

---

(۳۶) شبلی نعمانی، سیرت النبی/ دارالاشاعت کراچی/ ج ۲ ص ۱۷۹

(۳۷) بخاری/ ج ۳ ص ۱۳۷۲ رقم ۳۵۴۹ ☆ بزار، ابوبکر احمد بن عمرو (م ۲۹۲ھ) / مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت ۱۴۰۹ھ/ ج ۵ ص ۱۳۵ رقم ۱۷۲۳ (۳۸) مسلم/ ج ۴ ص ۱۸۳ رقم ۲۵۹۳

Marfat.com

اور جو لوگ نرمی سے محروم رہتے ہیں وہ ہر خیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔(۳۹)

آپ ﷺ نے خود روایتی حکمرانوں والا طرز ختم کر کے بلند ترین اخلاق اور بہترین طرز عمل کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ ایک موٹے کنارے والی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک اعرابی (دیہاتی) نے آ کر وہ چادر زور سے کھینچی یہاں تک کہ وہ چادر شدت سے کھینچنے کی وجہ سے آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا، اے محمد (ﷺ) جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے میرا حصہ دلاؤ، آپ ﷺ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور ہنس پڑے اور اس کو عطیہ دینے کا حکم دیا۔(۴۰)

اگر غور کیا جائے تو یہ ایک واقعہ ہی آپ ا کے اخلاقِ عالیہ کے تعارف کے لئے کافی ہے۔ یہی وہ نمونۂ عمل ہے جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تربیت کا بھی ایسا بلند معیار پیش فرمایا کہ فہم وشعور رکھنے والوں کے لئے اس کی طرف لپکنے اس کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ پھر خود آپ نے اپنی تربیت کے اس اعلیٰ معیار سے مطمئن ہو کر اعلان فرمادیا:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (۴۱)

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

اسلام میں ایمان کے بعد عبادات کو ارکان کا درجہ حاصل ہے، لیکن ان کی مشروعیت بھی انسانی تربیت کا حصہ ہے۔ اسی لئے نماز کو برائیوں سے روکنے والی فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ

---

(۳۹) مجمع الزوائد/ ج ۸ ص ۱۸ رقم ۱۲۶۴۳ (۴۰) بخاری/ ج ۵ ص ۲۱۸۸ رقم ۵۴۷۲

☆ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵)/ دار الفکر بیروت/ ج ۴ ص ۲۶۳ رقم ۴۷۷۵

(۴۱) مشکوۃ المصابیح، خطیب عمری، ولی الدین محمد بن عبداللہ (م ۷۴۳ھ)/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ باب مناقب الصحابہ، فصل ثالث

Marfat.com

بلاشبہ نماز فواحش اور منکرات سے روکتی ہے۔ (۴۲)

ایک حدیث قدسی میں آپ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما تقبل الصلوة ممن تواضع بها لعظمتی ولم یستطل علیٰ خلقی ولم یبت مصرا علیٰ معصیتی وقطع نهاره فی ذکری ورحم المسکین وابن السبیل والارملة ورحم المصاب (۴۳)

میں صرف اسی کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کی وجہ سے انکساری کرے، میری مخلوق پر احسان نہ جتائے اور میری نافرمانی پر اڑا نہ رہے اور میری یاد میں دن گزارے۔ مسکینوں، مسافروں، گرے پڑے لوگوں اور مصیبت زدہ افراد پر رحم کرے۔

گویا نماز کی قبولیت کے لئے مخلوق پر رحم، مصیبت زدہ افراد کی مدد اور انکساری وغیرہ صفات بھی ضروری ہیں۔ تربیت کا اس سے بہتر انداز اور کیا ہوگا۔

اسی طرح قرآن کریم نے زکوۃ کو پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ نکالنے کی غرض وافادیت یوں بیان کی:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے نبی (ﷺ) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیں تاکہ آپ اس کے ذریعے ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک وصاف فرمائیں اور ان کے لئے دعائے خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین (قلب) ہے اور اللہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے۔ (۴۴)

پھر آپ نے اسی صدقے (زکوۃ) کو مزید وسیع مفہوم عطا کرتے ہوئے فرمایا:

اپنے بھائی کے سامنے مسکرا دینا صدقہ ہے، اپنے ڈول سے (پانی) اپنے بھائی کے ڈول میں انڈیل دینا صدقہ ہے، اچھے کاموں کا حکم دینا

(۴۲) عنکبوت: ۴۵ (۴۳) مجمع الزوائد/ ج ۲ ص ۱۴۷ (۴۴) التوبہ: ۱۰۳

Marfat.com

اور برے کاموں سے روکنا صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیزیں،
کانٹے اور ہڈیاں دور کرنا صدقہ ہے، بھٹکنے کے مقام پر کسی شخص کی
راہنمائی کرنا صدقہ ہے۔(۴۵)

اسی طرح قرآن کریم نے روزہ کو حصول تقویٰ کا ذریعہ بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾

تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ ان امتوں پر فرض کئے گئے تھے جو
تم سے پہلے گزری ہیں، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔(۴۶)

اگرچہ روزہ اکل و شرب اور وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی سے ایک معین وقت تک رکے رہنے کا نام ہے، لیکن آپ نے یہاں بھی اخلاقی پہلو کو نمایاں کرنے کی خاطر اس کے معنی کو وسعت دیتے ہوئے فرمایا:

اگر کوئی شخص (روزہ رکھ کر) جھوٹ بولتا ہے اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا
تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے(۴۷)

دراصل زیادہ کھانے پینے اور نفسانی خواہشات میں مبتلا رہنے سے نفسانی اور شہوانی قوتوں کی ترقی ہوتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ گناہ، برائی، بے حیائی اور بداخلاقی ہے۔ اس کی تہذیب کی خاطر روزہ فرض ہوا۔ اسی بنا پر اس کی فرضیت کی علت **لعلکم تتقون** سے بیان فرمائی۔

اسی طرح حج ایک اہم فریضہ اور اسلام کا رکن ہے۔ اس کی مشروعیت میں بھی اخلاقی پہلو نمایاں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا
فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ
اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾

---

(۴۵) بزار/ ج۹ص ۴۵۸ رقم ۴۰۷۰ مسلم/ ج۲ص۹۲ رقم ۱۰۰۹۔ ☆ مسلم کے الفاظ میں قدرے فرق ہے
(۴۶) البقرہ: ۱۸۳ (۴۷) بخاری/ ج۱ص ۲۳۰

Marfat.com

حج کے چند معلوم مہینے ہیں، تو جو شخص ان معلوم مہینوں میں حج کا ارادہ کرے تو پھر کوئی بے ہودہ (فحش) بات نہ ہونے پائے اور نہ حد شرع سے گزرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے، اور جو تم نیکی کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور زادِ راہ ساتھ لے کر چلو، اور بہترین توشہ تقوی ہے، اور اے عقل والو مجھ ہی سے ڈرو۔ (۴۸)

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ حج کے مبارک فریضے سے بھی ایک غرض اخلاقی تربیت ہے، الغرض آپ ﷺ نے تربیت افراد کے سلسلے میں سب سے زیادہ توجہ اخلاقی تربیت پر مرکوز فرمائی اور اسی پر اس عظیم معاشرے کی مضبوط بنیادیں استوار کیں جو ہر طرح سے مثالی اور فلاحی تھا، اور جس کی آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

۴۔ اخوت واتحاد

افراد کی تربیت کے ذیل میں اخوت واتحاد کی ضرورت واہمیت بھی مسلّم ہے۔ اس عالمِ آب وگل میں تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب مل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل وترتیب دیں، جہاں تمام معالات کی بنیاد اخوت ومحبت پر ہو، جہاں تمام فیصلے اسی بنیاد پر ہوں۔ جہالت، اور اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت عصبیت کو فروغ دیتی ہے، جو اخوت واتحاد کی ضد ہے۔ عصبیت کی بنیاد علاقائیت، قبائل اور زبان وثقافت پر ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی واضح طور پر تردید کر کے اخوت کا درس دیا۔ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے

(۴۸) البقرہ: ۱۹۷

Marfat.com

شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے
زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔ (۴۹)

یعنی قبائل اور برادریاں صرف باہم متعارف ہونے کے لئے قائم کی گئیں۔ ان کو نفرت وحقارت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ نیز قبائلی اونچ نیچ اور ذات پات کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عند اللہ کوئی قابل وقعت اور مقبول چیز ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

درحقیقت اخوت واتحاد ہی وہ بنیادی عنصر ہیں جن سے کام لے کر کسی بھی قوم کی شیرازہ بندی کی جا سکتی ہے۔ اسلام نے تمام عبادات کو اتحاد واخوت کی ترویج کے لئے استعمال کیا، اس لئے جگہ جگہ اس کی تلقین کی گئی۔ آپ ﷺ نے ایک مسلمان کو دوسرے کے ساتھ اخوت کا درس دیتے ہوئے فرمایا:

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: ۱۔ سلام کا جواب دینا،
۲۔ بیمار کی عیادت کرنا، ۳۔ جنازے کے ساتھ جانا، ۴۔ دعوت قبول کرنا،
۵۔ چھینک آنے پر یرحمک اللہ کہہ کر اس کے لئے دعائے رحمت کرنا۔ (۵۰)

دوسری حدیث میں اس سے بھی واضح الفاظ میں باہمی محبت والفت کی ترغیب یہ کہہ کر فرمائی کہ ایمان کی بنیاد باہمی محبت پر ہے۔ نیز فرمایا:

تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ صاحبِ ایمان نہ ہو جاؤ
اور تم پورے مومن اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک تم میں باہمی محبت نہ ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہم محبت پیدا ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ اور اسے عام کرو۔ (۵۱)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کی

---

(۴۹) الحجرات: ۱۳ (۵۰) مسلم/ ج ۳ ص ۱۱۴۱ رقم ۲۱۶۲، ☆ ابو داؤد/ ج ۴ ص ۳۳۸ رقم ۵۰۳۰
(۵۱) مسلم/ ج ۱ ص ۷۴، رقم ۵۴

Marfat.com

تعظیم کی غرض سے عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہوا کرو۔(۵۲)

اسی لئے ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ جب وہ اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو السلام علیکم کہے۔ سلام میں پہل کرنے والے کو تیس نیکیوں کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> لوگوں میں سے اللہ کے قریب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔(۵۳)

انسان جب تک اپنے دوسرے بھائی کے حقوق کا پاس نہ کرے اور اسے اپنی طرح تمام سہولتوں اور ضروریات کا حق دار نہ سمجھے اس وقت تک کسی بھی معاشرے میں اخوت واتحاد کی روح پیدا نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی جانب بھی مختلف انداز سے لوگوں کو متوجہ کیا۔ ایک بار آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم جانتے ہو مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس (عرف عام میں) اسے کہتے ہیں جس کے پاس درہم ودینار نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا، اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی، زکوٰۃ دی ہوگی اور روزے بھی رکھے ہوں گے لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ تو اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی۔ اگر اس کے مظالم ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کی غلطیاں اور ان کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔(۵۴)

اب ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو لاکھوں کروڑوں روپے مالیت کا بینک بیلنس اور جائیداد رکھتا

---

(۵۲) ابوداؤد/ ج ۴ ص ۴۰۰، رقم ۵۲۲۹، ☆ ترمذی/ ج ۴ ص ۳۴۷، رقم ۲۷۶۴

(۵۳) ابوداؤد/ ج ۴ ص ۳۹۰ رقم ۵۱۹۷ (۵۴) ابن حبان/ ج ۱۰ ص ۲۵۹ رقم ۴۴۱۱ رقم ۸۰۱۶

☆ احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ الشیبانی (م ۲۴۱ھ)/ مؤسسۃ قرطبۃ، مصر/ ج ۲ ص ۳۰۳

Marfat.com

ہو مگر اس سے کئی گنا زیادہ رقم کا قرض دار ہو آخر کیسے مالدار کہلا سکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مختلف انداز سے اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی ہے اور آپس میں محبت والفت قائم کرنے کا درس دیا ہے۔

۵۔ صدق وامانت

راست گوئی اور حق پرستی کے فی نفسہ محمود و مطلوب ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اور ایک فلاحی ریاست کی تشکیل کیلئے مطلوب افراد کی تربیت میں بھی صدق وامانت کی اہمیت تسلیم شدہ امر ہے۔ ایک مسلمان کے لئے ہر معاملے میں سچائی سے وابستہ رہنا اور تمام مسائل کو اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھنا ازبس ضروری ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ یہ ایسی برائی ہے جو جھوٹے شخص کے اندرونی فساد کی غماز ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے صاف صاف فرمادیا کہ مومن کا جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے فرمایا:

> مومن کے اندر تمام خرابیاں پائی جاسکتی ہیں سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (۵۵)

ایک اور روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

> تین آدمی جنت میں نہیں جاسکتے۔ ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا سربراہ، تیسرا تنگ دست متکبر۔ (۵۶)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جھوٹ سے زیادہ کسی بری عادت سے نفرت نہ تھی۔ اگر آپ کو اس طرح کی کوئی اطلاع ملتی کہ فلاں شخص نے دروغ گوئی سے کام لیا ہے تو آپ اس کا احترام اور وقار دل سے نکال دیتے جب تک کہ آپ کو یہ علم نہ ہو جاتا کہ اس نے توبہ کرلی ہے۔ (۵۷)

یہ حقیقت ہے کہ اگر آدمی اپنی باتوں میں سچا اور اپنے اقوال میں راست باز ہے تو اس

---

(۵۵) احمد/ ج ۵ ص ۲۵۲، ☆ بیہقی/ شعب الایمان/ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۰ھ/ ج ۴ ص ۲۳۴ رقم ۵۲۶۷ (۵۶) بزار/ ج ۶ ص ۴۹۳ رقم ۲۵۲۹ (۵۷) احمد/ ج ۶ ص ۱۵۲

Marfat.com

کے اعمال میں بھی سچائی اور خلوص اور احوال میں فلاح وصلاح لازماً پیدا ہوگی۔ حق گوئی و راست بازی کو اختیار کرنے کا اثر براہِ راست دل و دماغ پر بھی ہوتا ہے اور اس کی روشنی سے دل و دماغ کی ظلمتیں بھی کافور ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَقُولُوا۟ قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور درست بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کردے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔ (۵۸)

سچا اور کھرا عمل ہی مطلوب ہے، کیونکہ اس میں کھوٹ کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور وہ اخلاص سے پُر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے سچائی ہی کی تلقین کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

سچائی کو اختیار کرو، اس لئے کہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ ایک شخص مسلسل سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کو اختیار کئے رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اس کو صدیق (راست باز) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، اس لئے کہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف پہنچاتا ہے اور فسق و فجور (آخرکار) جہنم میں جاگراتا ہے، بندہ برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ سے چمٹا رہتا ہے حتی کہ اسے اللہ کے ہاں کذاب (نہایت جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (۵۹)

چنانچہ آپ ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد کافی عرصے تک مسلمانوں کا یہی طرزِ عمل تھا ان کے آپس کے تعلقات فضائل و کردار کی بنیاد پر تھے۔ انسان کے اندر خیانت کے پید

(۵۸) الاحزاب: ۷۰۔۷۱ (۵۹) بخاری/ ج ۵ ص ۲۲۶۱ رقم ۵۷۴۳

☆ بخاری/ الادب المفرد/ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت/ ج ۱ ص ۱۴۰ رقم ۳۸۶

Marfat.com

اہونے میں بھی کذب کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اگر انسان فطرتاً راست باز اور حق گو طبیعت کا مالک ہو تو وہ قطعاً اس فعل مذموم کی جانب راغب نہیں ہوگا۔ اس لئے امانت کا صدق کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کی پیش نظر امانت پر کافی زور دیا ہے۔ آپ ﷺ اپنے خطبات میں عام طور پر یہ جملہ ارشاد فرماتے تھے:

لا ایمان لمن لا امانة له (۶۰)

اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں۔

صدق وامانت کا ایک بڑا گہرا تعلق تجارت سے بھی ہے، تاجر حضرات (الا ماشاء اللہ) اپنے مال کو جلد نکالنے اور زیادہ منافع حاصل کرنے کی غرض سے عموماً جھوٹ سے کام لیتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں تو تجارت کی بنیاد ہی حد سے تجاوز کرتے ہوئے طمع ولالچ پر قائم ہے۔ ایک جانب اگر دکاندار زیادہ منافع کا خواہش مند ہوتا ہے تو دوسری جانب خریدار اشیا مفت ہی حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ اس کشمکش کے دوران کئی مراحل پر صورت حال صدق وامانت کے تقاضوں کو پورا کرتی نظر نہیں آتی۔ آپ ﷺ نے اس کے سدباب کے لئے بھی عملی کوشش فرمائی ایک روایت میں فرمایا کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو جدا ہونے سے پہلے پہلے اختیار ہے (۶۱) اگر ان دونوں نے سچائی سے کام لیا اور ایک دوسرے کی خرابیوں کی وضاحت کردی تو ان کے معاملے میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے گا، اور اگر ان دونوں نے جھوٹ سے کام لینا چاہا اور عیوب کو چھپایا تو ہوسکتا ہے کہ انہیں کچھ فائدہ حاصل ہو جائے، لیکن ان کی تجارت سے برکت اٹھ جائے گی۔ (۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (سامان بیچتے وقت دکاندار کی) قسم سے سامان تو جلد بک جاتا ہے مگر اس میں برکت نہیں رہتی۔ (۶۳)

اسی تجارتی جھوٹ اور تجارت کی شناعت آپ ﷺ نے ایک روایت میں اس طرح

(۶۰) ابن حبان/ ج ۱ ص ۴۲۲ رقم ۱۹۴، ☆ ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد (م ۲۳۵ھ)/ المصنف/ مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۰۹/ ج ۶ ص ۱۵۹ رقم ۳۰۳۲۰ (۶۱) بخاری/ ج ۲ ص ۷۴۳ رقم ۲۰۲
(۶۲) بخاری/ ج ۲ ص ۷۴۳ رقم ۲۰۲ (۶۳) بخاری/ ج ۲ ص ۷۳۵ رقم ۱۹۸۱

Marfat.com

ظاہر فرمائی، حضرت واثلہ بن اسقعؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو وہ عیب نہیں بتایا تو اس پر ہمیشہ خدا کا غضب رہے گا، اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (۶۴)

اسلام نے امانت کو وسیع مفہوم میں لیا ہے۔ اس کے فلسفے کے مطابق صرف امانت رکھ کر مکر جانا ہی خیانت نہیں بلکہ عہدوں اور مناصب کی تقرری فرائض کی ادائیگی، خدا کی ودیعت کردہ صلاحیت و دولت اور دوسروں کے راز یہ تمام امانت میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا خیانت ہوگا۔

۶۔ عفو و درگزر

کسی بھی معاملے میں جذبات سے مغلوب ہونا ہوش وخرد سے بے گانہ کر دیتا ہے، اور غصے کی حالت میں کئے جانے والے اکثر بلکہ تقریباً تمام افعال بعد میں پچھتاوے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ نقصان عام طور پر تو فرد واحد کے ساتھ خاص ہوتا ہے، لیکن ایک فلاحی اور مثالی ریاست میں ایسے مغلوب الغضب افراد سے پورے معاشرے کا متاثر ہونا بدیہی امر ہے۔ غصے کی ان تباہ کاریوں اور مسلم سوسائٹی پر پڑنے والے اس کے منفی و مہلک اثرات کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے اس کی بیخ کنی پر بھرپور انداز میں توجہ دیتے ہوئے حلم وعفو اور درگزر کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سن لو! ان میں سب سے بہتر وہ ہیں جو دیر میں غصہ ہوتے ہیں اور فوراً اس سے توبہ کر لیتے ہیں، اور ان میں سب سے برے وہ ہیں جو جلد غصہ ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی واپسی بہت دیر میں ہوتی ہے۔ (۶۵)

غصہ اس لئے بھی ناپسندیدہ ہے کہ اس کی لپٹیں بھڑک کر اپنی دسترس میں آنے والے تمام

---

(۶۴) ابن ماجہ/ ج ۲ ص ۳۸، رقم ۲۲۴۷ (۶۵) ترمذی/ ج ۴ ص ۸۱، رقم ۲۱۹۸

Marfat.com

امور کو بھسم کر دیتی ہیں، ایسے شخص سے عقل و شعور معدوم ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صاحب حلم کو پہلوان سے تشبیہ دی، جیسے پہلوان اپنے مدمقابل کو پچھاڑ دیتا ہے، اسی طرح غصے پر قابو پانے والا شخص اپنے سب سے سرکش حریف (نفس) کو پچھاڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، بلکہ نفس کے پچھاڑنے والے شخص کو آپ ﷺ نے اصلی پہلوان قرار دیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ پہلوان کسے کہتے ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جس کو کوئی شخص زیر نہ کر سکے وہ پہلوان ہے۔ آپ نے فرمایا:

نہیں پہلوانی پچھاڑنے کا نام نہیں بلکہ اصل پہلوان تو وہ شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (۶۶)

اسی طرح ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی ایسا مختصر حکم فرمایئے کہ میرے دماغ میں آ جائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو، اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا مگر آپ ﷺ نے ہر بار یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ (۶۷) اس سوال کا اس سے مختصر اور اس سے بہتر جواب اور کیا ہو سکتا تھا؟

اہل عرب کی جاہلیت کی بنیاد سرکشی و عداوت پر تھی اور طیش و غضب ان کا خاص شعار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابل عفو و درگزر کی ترغیب دے کر زمانۂ جاہلیت کی تیزی و شدت اور عداوت و جذباتیت کا خاتمہ کر دیا۔ معاشرے میں بھائی چارے اور رواداری کے فروغ کے لئے آپ ﷺ نے کئی انداز سے نصیحتیں فرمائیں۔ ظلم و زیادتی اور طیش و غضب کو اسلام کے دائرے سے خارج قرار دیا، اور گالی گلوچ کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (۶۸)

حلم و بردباری اور عفو و درگزر کی تعلیم و ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

باہم گالی گلوچ کرنے والوں میں سارا گناہ اس کے اوپر جائے گا جو اس کی ابتدا کرنے والا ہے۔ سوائے اس کے کہ مظلوم حد سے تجاوز کر جائے (۶۹)

---

(۶۶) بخاری/ ج ۵ ص ۲۲۶۷ رقم ۵۷۶۳ ☆ مسلم/ ج ۴ ص ۱۹۰، رقم ۲۶۰۹ (۶۷) بخاری/ ایضا، رقم ۵۷۶۵ (۶۸) بخاری/ ج ۱ ص ۲۷، رقم ۴۸ ☆ مسلم/ رقم ۶۴ (۶۹) مسلم/ ج ۴ ص ۱۸۱، رقم ۲۵۸۷

Marfat.com

تیز و تند جذبات کے موقع پر بھی حلم و بردباری سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ اس طرح جہاں جھگڑا طول نہیں پکڑتا وہیں مخالف فریق کو بھی نصیحت ہوتی ہے، اور جلد یا بدیر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔

آپ کی ان ہدایات اور تربیت کا اثر یہ ہوا کہ دور جہالت کی سب سے خطرناک اور ضرر رساں بیماری انتقام کی جڑ کٹ گئی اور صدیوں سے جاری وہ تیزی اور جذباتیت ختم ہوگئی جو جاہلیت کی پہچان اور ان کی معاشرت کا حصہ تھی۔ پورے معاشرے میں عفو درگزر کا چلن عام ہوا اور لوگ باہمی حقوق ادا کرنے پر ہمہ وقت کمربستہ رہنے لگے۔ آپ ﷺ نے ایسا نظام قائم فرمایا کہ اگر کوئی شخص معاف کرنے پر تیار نہ ہو تو وہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اپنا حق حاصل کر لے۔

فلاحِ انسانیت

اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ اگر افراد کی اصلاح ہو جائے تو معاشرے کے تمام منفی پہلو تبدیلی کے عمل کو قبول کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح کا عمل کسی رکاوٹ کے بغیر جاری ہو سکتا ہے۔ لیکن بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا تعلق انسانیت کے مجموعے سے ہے، اور افراد کی تعمیر کے باوجود ان میں اصلاح کی گنجائش موجود رہتی ہے، بلکہ اگر اس پہلو کو نظر انداز کر دیا جائے تو افراد کی تربیت کے سلسلے میں کی جانے والی کاوشوں کے ضیاع کا امکان بھی خاصی حد تک موجود رہتا ہے۔ کیوں کہ یہ مسلمہ امر ہے کہ افراد ہی کے ذریعے تربیت پانے والا معاشرہ افراد کی صلاحیتوں اور ان کی نظریات پر براہِ راست اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرد کے ساتھ ساتھ پورے انسانی معاشرے کی اصلاح و رہنمائی کے لے ایسے قوانین مرتب فرمائے جن کی بنیاد پر وہ خالص انسانی معاشرہ وجود میں آیا جہاں حیوانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل تھا، جہاں اگر بشری کمزوریاں تھیں تو ان کا انسداد بھی تھا، اگر خطا تھی تو اس کی تلافی کا نظام بھی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے یہ سب کچھ پیش فرما کر ثابت کر دیا کہ اگر انسان چاہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ودیعت کردہ

Marfat.com

صلاحیتوں کے بل پر ایسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے جو ہر لحاظ سے قابلِ رشک اور قابلِ تقلید ہو۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کسی معاشرے میں استحکام وارتقا کے بعد انہدام وافساد کی صورت پیدا ہوئی تو اس کا واحد سبب یہی تھا کہ انہوں نے تعلیمات محمدی ﷺ کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور اپنے بنائے ہوئے نظام پر چلنے لگے تھے۔ جبکہ اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ خدا کے منتخب کردہ نظام کے مقابل، خواہ نظامِ حکومت وسیاست ہو یا نظامِ معیشت وتجارت، انسان ساختہ نظام کی کیا حقیقت ووقعت ہوسکتی ہے، کیوں کہ کسی بھی ''انسان ساختہ نظام'' کی دوسری خرابیوں سے قطع نظر اس کی سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ وہ انسان کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ جب خود انسان ہی میں جامعِ کمالات علیہ الصلاۃ والتسلیمات کے بعد صفت کمال معدوم ومفقود ہے تو اس کا تراشا ہوا کوئی بھی نظام صفتِ کمال کے ساتھ کیوں کر متصف ہوسکتا ہے؟

دنیا میں حکومت وسلطنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کا حقیقی سبب تو اللہ کی دَین ہے۔ یہ اس پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص پہلے سے اپنے اعلیٰ نسب وحسب کی بنا پر اس کی قابلیت واہلیت اور استحقاق رکھتا ہو۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کے پاس علم اور قوت بدنیہ کے ساتھ ساتھ اس کے مطابق عمل کرنے کی قدرت بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کے عطا کرنے کا جو وعدہ کیا ہے اس کے حصول کا ذریعہ صرف اس کی بندگی ہے، اور بندگی یہ ہے کہ اس کے احکام کو دل وجان سے قبول کر کے ان پر عمل کرے، اسی کا نام ایمان اور عمل صالح ہے۔ اسی سے اللہ کی رضا حاصل ہوگی جس کا ثمرہ آخرت میں جنت کی شکل میں اور دنیا میں اس کی رحمتوں اور برکتوں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

بہرحال اس بارے میں کوئی ابہام نہیں کہ انسانی فلاح وبہبود پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے صرف اور صرف سیرتِ طیبہ، تعلیماتِ نبوی اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی مشعل راہ ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کو اس باب میں چند ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اجتماعیت	۲۔ نظام زکوٰۃ
۳۔ مساوات واعتدال	۴۔ عدل وانصاف

Marfat.com

۵۔نظام جزا و سزا ۶۔صبر و استقامت

۷۔فلاح عالم

ذیل میں ان عنوانات پر قدرے وضاحت سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۔اجتماعیت

ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اجتماعیت ہر معاشرے کی ضرورت ہے۔ ہر فرد کسی نہ کسی درجے میں دوسرے فرد کا محتاج نظر آتا ہے، جبکہ خود پسندی اور خود غرضی اجتماعیت کی دشمن ہیں۔ ایسے اشخاص فلاحی معاشرے کی تشکیل میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ یہ مرض اگرچہ انفرادی ہے مگر اس کے اثرات دوررس اور اجتماعی زندگی کے لئے نہایت نقصان دہ ہیں۔ خود غرضی جب کسی انسان پر چھاتی ہے تو اس کو محدود کر دیتی ہے اور وہ اپنے خول میں بند ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بیماری اس کی اچھائیوں کو ختم کر کے برائیوں کی نشوونما میں تیزی سے اضافہ کرتی ہے۔ ایسے شخص کے خوشی و غم اس کی ذات سے متعلق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کو اپنے آس پاس کے ماحول سے سروکار صرف اسی وقت ہوتا ہے جب اس کی اپنی کوئی غرض اس سے وابستہ ہو۔ اس بیماری کا خاتمہ بھی اجتماعیت ہی سے ممکن ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیت پر خاص طور پر زور دیا اور اس کے ساتھ ہی افتراق کی بھی بھرپور مذمت فرمائی، کیونکہ افتراق کی نفی اجتماع کا احیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور وہ بہت سے فرقے ہو گئے تو آپ کو ان کی کسی بات سے بھی کچھ سروکار نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔(۷۰)

---

(۷۰) الانعام: ۱۵۹

Marfat.com

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تفرقہ ڈالنے والوں کی مذمت کی ہے۔ اسلام نے اپنی اجتماعیت کی شان کو مختلف مواقع پر نمایاں فرمایا ہے۔ ایمان کے بعد ارکان اسلام میں پہلا درجہ نماز کا ہے۔ اسلام کے فلسفۂ اجتماعیت کو سمجھنے کے لئے نماز ایک مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی نہایت تاکید فرمائی اور جماعت کے ساتھ ادا کی گئی نماز کو تنہا پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں اجر و ثواب کے اعتبار سے ستائیس گنا زیادہ فرمایا، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صلاة الرجلين يؤم احدهما صاحبه ازكى عندالله من صلاة اربعة تترى، وصلاة اربعة يؤم احدهم ازكى عندالله من صلاة ثمانية تترى، وصلاة ثمانية يؤم احدهم ازكى عندالله من مأة تترى (۷۱)

دو افراد کا باہم جماعت سے نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک چار افراد کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور چار افراد کا باہم جماعت سے نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک آٹھ افراد کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور آٹھ افراد کا باہم جماعت سے نماز پڑھنا سو افراد کے تنہا تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

نماز اگرچہ جماعت کے بغیر بھی ادا کی جا سکتی ہے لیکن اس میں اجتماعیت کی شان پیدا نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک طرح سے افتراق کی علامت ہے۔ اس لئے نماز پنج گانہ کی جماعت کے ساتھ ادائیگی مسلمانوں میں اجتماعیت کو تقویت پہنچاتی ہے۔ پھر اس میں وسعت پیدا کرنے کے لئے پورے علاقے کے لوگوں کے لئے ہفتے میں ایک بار جمعہ کی ادائیگی فرض قرار دی گئی اور اس کو مسجد کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ جبکہ اس کے دانستہ ترک پر سخت ترین وعید سنائی گئی اور فرمایا:

جو شخص متواتر تین جمعے ترک کرتا ہے تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے (۷۲)

یہ سب تاکید اس لئے ہے کہ عام ایام میں سستی کرنے والے افراد کو بھی باہم مل بیٹھنے کا موقع

---

(۷۱) مجمع الزوائد/ ج ۲ ص ۱۶۳ رقم ۲۱۴۲ (۷۲) ابوداؤد/ ج ۱ ص ۳۹۶ رقم ۱۰۵۲

Marfat.com

فراہم ہو سکے۔ پھر سال میں دو بار عید کے نام سے جمع ہونے کی تاکید فرمائی گئی تا کہ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے والوں کے ساتھ جمع ہو کر اسلام کی اجتماعی شان کو دوبالا کر سکیں۔ اسی لئے عیدین کے لئے میدان اور کھلی جگہ کو پسند کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف ایک بار مسجد نبوی میں نماز عید ادا فرمائی اور وہ بھی بارش کی بنا پر، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن بارش ہوئی تو آپ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز مسجد نبوی میں پڑھائی۔ (۷۳)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> تین صفات ایسی ہیں جن کے خلاف کسی مسلمان کے دل میں کینہ نہیں ہونا چاہئے۔ (وہ تین صفات یہ ہیں) ۱۔ اخلاص ۲۔ مسلمانوں کی خیر خواہی ۳۔ اجتماعیت پسندی۔ جس میں یہ صفات ہوں گی اس کی دعا تمام افراد کی خیر خواہی پر مشتمل ہوگی۔ (۷۴)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کی اجتماعیت پسندی نماز تک محدود نہیں بلکہ اس نے امت کو اکٹھا رکھنے اور انتشار وافتراق سے بچانے کے لئے مختلف انداز سے ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں اتحاد واتفاق کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> علیکم بالجماعة فان ید الله علی الجماعة وان الشیطان مع الواحد وهو من الاثنین ابعد (۷۵)
>
> تم پر جماعت کی پیروی لازم ہے، اور شیطان ہر تنہا شخص کے ساتھ ہوتا ہے، اور دو افراد سے دور بھاگتا ہے۔

مشاورت

اجتماعیت کیلئے مشاورت کی اہمیت بھی مسلمہ ہے کیونکہ اس کے بغیر امور سلطنت سے عوام کا کوئی رابطہ نہیں رہتا، جبکہ مشاورت کے نتیجے میں ایک تو تمام اراکین مملکت اور باشندگان سلطنت اپنے آپ کو براہ راست حکومت میں شریک تصور کرتے ہیں، جس سے نظام حکومت میں کسی قسم

(۷۳) ابو داؤد/ ج ا ص ۴۳۱ رقم ۱۱۶۰، ☆ ابن ماجہ/ ج ۲ ص ۴۲۲، رقم ۱۳۱۳

(۷۴) رواہ بزار (۷۵) شعب الایمان/ ج ۷ ص ۴۸۸، رقم ۱۱۰۸۵

Marfat.com

کے فساد کا خطرہ باقی نہیں رہتا، دوسرے اس کی وجہ سے ذہین اور باصلاحیت افراد کی صلاحیتوں سے سلطنت براہ راست مستفید ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو بھی مشاورت کا حکم دیا، ورنہ پوری امت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ وحی سے قطع نظر آپ ﷺ عقل و دانش اور علم و فہم میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

اور آپ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا کیجئے۔ (۷۶)

چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی باہم مشاورت قائم کرنے کی تاکید فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

ان مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں (۷۷)

چنانچہ غزوہ بدر کے قیدیوں کا معاملہ ہو یا غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کی تجویز، یا غزوہ حنین میں قیدیوں کی واپسی کا معاملہ، آپ نے ہر موقع پر اور ہر معاملے میں صحابہ کرام سے مشورے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھایا۔ یہ صرف امت کی تعلیم کے لئے تھا ورنہ اگر آپ فیصلہ فرما دیتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے وہ یقیناً بشاشت طبع کے ساتھ واجب التعمیل ہوتا۔

تعیش پسندی کی ممانعت

امرا اور سرمایہ داروں کی بقا کے لئے تعیش پسندی ضروری ہے۔ اسی کا سہارا لے کر وہ معاشرے میں مصنوعی طبقاتی تقسیم پیدا کر دیتے ہیں، اور پھر معاشرہ دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، ایک امیر ترین افراد کا طبقہ اور دوسرا غریب افراد کا۔ یہ چیز اجتماعیت کی ضد اور فلاحی معاشرے کے لئے نہایت ضرر رساں ہے۔ اسی بنا پر آپ نے مصنوعی تقسیم کو ختم فرما کر اجتماعیت کی روح کو زندہ کیا۔ اس زمانے میں عام رواج تھا کہ بادشاہ اور سلاطین اونچے اونچے محلوں اور ایوانوں میں قیمتی لباس اور سونے چاندی اور جواہرات سے آراستہ ہو کر بیش بہا تختوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے امرا بھی سونے چاندی کی مرصع کرسیوں اور ریشمی گدوں پر متمکن ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان

(۷۶) آل عمران، ۱۵۹ (۷۷) الشوریٰ: ۳۸

Marfat.com

مصنوعی امتیازات کو یکسر ختم کر کے رکھ دیا۔ آپ نے مردوں کیلئے سونا چاندی کے سامان اور ریشمی لباس وفراش کو حرام ٹھہرایا۔ حاکم وقت کے لئے مسجد اور اس کا صحن ہی ایوان تھا۔ دربان و چوب دار ممنوع قرار دیئے، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر اور دیگر حکام عوام کے کندھے سے کندھے ملا کر چلنے لگے اور تفریق وانتشار کا باب بند ہو کر اجتماعیت کی راہ ہموار ہوگئی۔

انسدادِ رشوت

معاشرے کی اجتماعیت کیلئے جو چیز سب سے بڑا خطرہ ثابت ہوتی ہے وہ رشوت کی لعنت ہے، جس نے اچھے اچھے معاشروں کا قلیل ترین مدت میں شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ رشوت معاشرے میں ظلم واستبداد کو جنم دیتی ہے، برائیوں اور بدعنوانیوں کو پروان چڑھاتی اور عدل و انصاف کا قلع قمع کرتی ہے۔ اس کے باعث لوگوں کے جائز حقوق غصب کئے جاتے ہیں اور ان کے جان و مال پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ اس سے بدعنوانی اور بددیانتی کو فروغ ملتا ہے، حق تلفی، فریب کاری، حرص وطمع اور عہد شکنی و باہمی نزاع کا دروازہ کھل جاتا ہے، ظلم وستم کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اہل حق کے لئے اپنا حق حاصل کرنا ممکن ہو جاتا ہے، شرفا کی عزت باقی نہیں رہتی، غنڈہ گردی اور قتل وغارت گری عام ہو جاتی ہے، اور امن وامان تباہ ہو جاتا ہے، اسی لئے نہ تو رشوت زدہ معاشرہ فلاح پا سکتا ہے اور نہ ترقی کا سفر طے کر سکتا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (۷۸)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ جو شخص فیصلے کے بارے میں رشوت لے یا دے ان دونوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے (۷۹)

۲۔ نظامِ زکوٰۃ

نظامِ زکوٰۃ اسلام کی ان گنت خصوصیات میں سے ایک ہے، اس کی افادیت کئی جہت سے ہے۔ اس کا ایک پہلو جو سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس سے دولت پرستی اور حب مال کے

(۷۸) ترمذی/ رقم ۱۳۳۷ ☆ ابوداؤد/ ج ۳ ص ۲۹۱، رقم ۳۵۹۰ (۷۹) ترمذی/ ج ۳ ص ۶۵، رقم ۱۳۴۱

Marfat.com

موذی مرض کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، جو معاشرے میں اتحاد و اتفاق کے لئے سدِ راہ ہے۔ اس سے ضرورت منداور پریشان حال افراد کی ضروریات کا ایک بڑا حصہ پورا ہوتا ہے۔ اس سے غربا کے دلوں میں بھی معاشرے کی اہمیت اور اجتماعی فوائد کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ فلاحِ انسانیت کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے، کیونکہ اس کے سب سے پہلے داعی آپ ہی تھے۔ آپ سے پہلے اس کو کوئی تصور نہ تھا۔ اس نظام پر عمل درآمد کے نتیجے میں خلفائے راشدین کے زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ زکوٰۃ دینے والے ہاتھوں میں زکوٰۃ لئے مستحق لوگوں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے تھے، اور کوئی زکوٰۃ کا مستحق تو کجا کوئی ایسا شخص بھی نہ ملتا تھا جو زکوٰۃ لینے کے استحقاق کا صرف دعوے دار ہی ہوتا۔

مالی امور ہمیشہ نازک اور حساس ہوتے ہیں، ان سے جہاں ایک جانب معاشرے کے اتحاد واتفاق کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، وہیں ان سے افتراق و انتشار کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ اسی لئے محسنِ انسانیت ﷺ نے مال و دولت کو صحیح مصرف پر کامل دیانت داری اور مکمل ذوق و شوق کے ساتھ خرچ کرنے کی نہ صرف مسلمانوں کو ہدایت فرمائی بلکہ اس کے لئے مختلف ترغیبات بھی دیں۔

حضرت مرثد بن عبد اللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے روز مومن پر اس کے صدقے کا سایہ ہوگا۔ (۸۰)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔ (۸۱)

آپ ﷺ نے بلا ضرورت زکوٰۃ لینے کی ممانعت فرمائی، نیز حصول زکوٰۃ کو صرف بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت جائز قرار دیا اور اس کے حصول کے عموم کی بھی نفی فرمادی:

عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ صدقات (زکوٰۃ وغیرہ) لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں اور

---

(۸۰) مسند احمد/ ج ۴ ص ۲۳۳ رقم ۱۸۰۷۲ ☆ مجمع الزوائد/ ج ۳ ص ۲۸۵ رقم ۴۶۱۳

(۸۱) ترمذی/ ج ۲ ص ۱۴۶، رقم ۶۶۴

Marfat.com

محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ (۸۲)

صدقات کو میل کچیل اس لئے فرمایا کہ جس طرح کپڑا میل کچیل دور ہونے کے بعد صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد وہ مال بھی پاک وصاف ہو جاتا ہے

آنحضرت ﷺ نے گداگری کے قبیح فعل کی بھی مذمت فرمائی ہے۔ ایک طویل روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک انصاری صحابی کا واقعہ مروی ہے جس میں حضور ﷺ نے زبانی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر اسے محنت مزدوری پر لگا دیا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے کچھ سوال کیا (مانگا) آپ نے پوچھا کہ تیرے گھر میں کچھ ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں ایک کمبل ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھتے ہیں اور کچھ حصہ بچھاتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں چیزیں لے آؤ، راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں چیزیں لے آیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں کون خریدے گا، ایک شخص نے کہا کہ میں ایک درہم میں یہ دونوں چیزیں لیتا ہوں، حضور ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں دو درہم میں لیتا ہوں، آپ ﷺ نے دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور دو درہم لے لئے، اور اس انصاری کو دے کر فرمایا کہ ایک درہم سے تو کھانے کی چیزیں لے لو اور اپنے گھر والوں کو دے دو اور ایک درہم کی کلہاڑی لے کر آؤ، وہ انصاری کلہاڑی لے کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا اور پھر اس سے کہا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور پندرہ روز تک میں تمہیں یہاں نہیں دیکھوں، چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کر لاتا تھا اور بیچتا تھا، پھر (ایک روز) وہ آیا اس کے پاس دس درہم تھے، اس نے کچھ کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرے مانگنے کی وجہ سے روز قیامت تیرے چہرے پر ایک داغ ہو، (یاد رکھو) دستِ سوال دراز کرنا صرف تین طرح کے افراد کے لئے جائز ہے ا۔ وہ انتہائی تنگدست شخص جو خاک میں لوٹتا ہو، ۲۔ وہ شخص جو انتہائی گھبرا دینے والا قرض سر پر رکھتا ہو، ۳۔ وہ شخص جس سے قتل

(۸۲) مسلم/ ج ۲، ص ۱۲۹، رقم ۱۰۷۲

Marfat.com

ہو گیا ہو اور وہ دیت ادا نہ کر سکتا ہو۔ (۸۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔ (۸۴)

نظام زکوٰۃ کا ایک اور پہلو جو قابل ذکر اور اپنی اہمیت کی بنا پر لائق توجہ ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال پر جب اپنے رب کے نام کا حصہ بطور زکوٰۃ نکالتا ہے تو وہ نماز، روزے کی طرح اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ جیسے نماز میں سجدہ غایت تذلل کی علامت ہے، اسی طرح محنت ومشقت سے اکٹھے کئے ہوئے مال میں سے سال کے سال عامل زکوٰۃ کے کہنے پر فقط اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ایک حصہ نکال دینا اس غایت درجے کے تذلل سے کم نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ان تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ فرد کی خود غرضانہ سوچ اور اپنی ذات سے وابستہ فوائد مٹتے چلے جاتے ہیں، اور ان کے اندر اجتماعی سوچ بیدار ہو جاتی ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی چاہنے لگتا ہے۔ اور اس کی تمام تر سرگرمیاں فلاح انسانیت کیلئے وقف ہو جاتی ہیں۔

۳۔ مساوات واعتدال

آپ ﷺ نے معاشرے میں اونچ نیچ ختم کرنے پر بھی زور دیا ہے، اور مساوات واعتدال کا درس دیا ہے۔

جاہ ومال کی غیر ضروری نمائش کا واحد مقصد اپنی برتری کا اظہار ہوتا ہے، اور اس قسم کی منفی سوچ اجتماعیت کے مقصد کو فوت کر کے اتحاد واتفاق پر مبنی معاشرے کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرائش پر تو پابندی عائد نہیں کی لیکن نمائش کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے، اور ہر معاملے میں مساوات کا درس دیا ہے تاکہ معاشرتی وقار نمائش پسندوں کا شکار نہ ہو سکے۔ چنانچہ عبادت وریاضت، کھانے پینے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، ملنے جلنے اور رہنے سہنے سے لے کر لباس

(۸۳) ابوداؤد/ ج ۲ ص ۱۴۱ رقم ۱۶۴۱ (۸۴) مسلم/ ج ۲ ص ۱۰۴، رقم ۱۰۳۳

Marfat.com

ومکان تک ہر مقام پر آپ ﷺ کی ارشادات اعتدال کا درس دیتے نظر آتے ہیں، اور اگر ہر معاملے میں اعتدال ومیانہ روی کو اختیار کر لیا جائے تو مساوات خود بخود قائم ہو سکتی ہے۔

انسان نمائش کی ابتدا عموماً اپنے لباس سے کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں اعتدال پر مبنی ہدایات فرمائیں۔ آپ ﷺ نے جہاں ایک طرف غربا وفقرا کو ان کے لباس سے قطعِ نظر ان کے باطنی حالات کے پیش نظر قبولیت کی سند عطا فرمائی، وہیں مالدار افراد کو بھی حیثیت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حکم دیا، تاکہ افراط وتفریط کے مابین توازن قائم ہو سکے اور اعتدال کا قیام عمل میں آسکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> کتنے ہی پراگندہ حال چیتھڑوں میں ملبوس انسان ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرتے ہیں۔ (۸۵)

اور خود آپ ﷺ نے کس حالت میں زندگی بسر کی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی ملاحظہ ہو۔ ابو بردہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک یمن کی بنی ہوئی لنگی پیش کی اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اللہ کے رسول نے انہی دو کپڑوں میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ (۸۶)

دوسری جانب آپ ﷺ نے مالدار افراد کو تلقین کی:

> اگر کوئی شخص خوشحال ہے تو کیا حرج ہے کہ اگر وہ کام کاج کے دو کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے بھی دو کپڑے رکھے۔ (۸۷)

اسی طرح ایک شخص کو میلے کچیلے لباس میں دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔ (۸۸)

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بدن پر پھٹا پرانا لباس تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا جی ہاں. آپ ﷺ نے فرمایا

---

(۸۵) ترمذی/ ج ۵ ص ۴۵۹، رقم ۳۸۸۰ (۸۶) بخاری/ ج ۴، ص ۲۱ ☆ ابن ماجہ/ ج ۴ ص ۴۸۷، رقم ۳۵۵۰ (۸۷) ابوداؤد/ ج ۴ ص ۲۰۵، رقم ۱۰۷۸ (۸۸) ابوداؤد/ ج

کس قسم کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے ہر قسم کے مال سے نواز رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ نے تجھے مال دے رکھا ہے تو اللہ کی نعمت اور سخاوت کا اثر بھی ظاہر کر۔ (۸۹)

لیکن اسلام نے خوش پوشا کی کی حد سے گزر کر اسراف کی حدود میں داخل ہو جانے والی آرائش کی سختی سے ممانعت کی ہے جو دراصل نمائش اور دکھلاوے کی خاطر کی جاتی ہے، کیونکہ یہ راہ اعتدال سے ہٹ کر ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، فرمایا:

جس نے دنیا میں شہرت کا لباس زیب تن کیا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا اور اس میں آگ بھڑکائے گا۔ (۹۰)

زیورات خواتین کی فطری خواہش ہیں۔ آپ ﷺ نے اس فطری تقاضے پر پابندی عائد نہیں کی، البتہ افراط سے وہاں بھی منع فرمایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بہن سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے عورتو! کیا زیور بنانے کے لئے تمہارے لئے چاندی کافی نہیں ہے؟ خبردار! جو عورت بھی سونے کا زیور بنائے گی اور اس کے ذریعے زینت کا اظہار کرے گی اسے اسی زیور سے عذاب دیا جائے گا۔ (۹۱)

یہ وعید ان عورتوں کے لئے ہے جو زیورات کی دیوانی ہوتی ہیں اور جو رنگ ونور کے سیلاب میں کھو کر فرائض اور حقوق سے غافل ہو جاتی ہیں۔

انسان کھانے پینے کے معاملے میں بہت زیادہ آزاد خیال ہے اور اس موقع پر احتیاط کا دامن عموماً چھوٹتا نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس پہلو پر بھی تنبیہ فرمائی۔ فرمایا:

جو لوگ دنیا میں سب سے زیادہ شکم سیر ہیں، روزِ قیامت وہی سب سے زیادہ بھوکے ہوں گے۔ (۹۲)

---

(۸۹) ابوداؤد/ ج ۴، ص ۱۶، رقم ۴۰۶۳ (۹۰) ابن ماجہ/ ج ۵۰۳، رقم ۳۶۰۷

(۹۱) ابوداؤد/ ج ۴ ص ۷۰، رقم ۴۲۳۷ (۹۲) رواہ بزار

Marfat.com

زیادہ کھانے سے خود انسان کی صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے اور وہ طرح طرح کی مہلک بیماریوں کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس امر کی جانب آپ ﷺ نے یوں اشارہ کیا:

اولادِ آدم پیٹ سے زیادہ بُرا برتن اور کوئی نہیں بھرتی۔ (۹۳)

مالدار حضرات کا سب سے زیادہ زور تعمیرات میں صرف ہوتا ہے، اور اس موقع پر عموماً حد اعتدال کو برقرار نہیں رکھا جاتا، اس کا ایک مقصد نمائش کے علاوہ عیش کوشی اور آرام طلبی ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو یہ نصیحت بھی کی:

عیش کوشی سے دور رہنا، کیونکہ اللہ کے بندے آرام طلب نہیں ہوتے (۹۴)

یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام فرما دیا اور مردوں کے لئے حریر وریشم کے استعمال کو ممنوع قرار دیا۔

اس پوری بحث کو ایک حدیث میں یوں مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

میری امت میں ایسے لوگ آئیں گے جو رنگ برنگ کے کھانے کھائیں گے، انواع واقسام کے مشروبات استعمال کریں گے اور طرح طرح کے لباس زیب تن کریں گے اور منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بنائیں گے، یہی لوگ میری امت کے بدترین افراد ہوں گے۔ (۹۵)

خود آپ ﷺ نے عملی طور پر اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مساوات کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے آج بھی قاصر ہے۔ آپ ﷺ کے اور صحابہ کرام کے مابین لباس کے اعتبار سے بھی کوئی فرق موجود نہ تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی نشست بھی ایسی عام اور کسی امتیاز کے بغیر ہوتی تھی کہ باہر سے آنے والے شخص کو آپ کے بارے میں پوچھنا پڑتا تھا۔ صحابہ کرام نے آپ کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترا بنانا چاہا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا۔

---

(۹۳) ترمذی/ ج ۴، ص ۱۶۸، رقم ۲۳۸۷ (۹۴) احمد/ ج ۵، ص ۲۴۴ (۹۵) المعجم الکبیر/ ج ۱، ص ۱۰۷

Marfat.com

۴۔عدل و انصاف

دنیا کا یہ سارا نظام جو آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کی بنا پر قائم ہے، اور قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنی تمام مخلوقات پر اپنی حکمرانی مکمل انصاف، اور کامل عدل کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے، ارشاد خداوندی ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ انصاف قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف صرف نظام حکومت و سلطنت کے برقرار رکھنے کے لئے ضروری نہیں۔ یہ وہ صفات ہیں جن کا ہونا ہر شعبے میں ضروری ہے۔ ان کی اس اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں جہاں چند اچھے کاموں کے کرنے کا حکم مذکور ہے، وہاں سب سے پہلے عدل کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (۹۷)

معلوم ہوا کہ فلاحِ انسانیت کے لئے معاشرے میں قانون کی بالادستی، اس کا احترام اور عدل وانصاف کا قیام بھی نہایت ضروری ہے، عام طور پر شاہی حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون سے بالاتر ہوتے تھے، جبکہ رعایا کی ذراسی بے ادبی و گستاخی بھی ناقابل معافی اور سخت ترین سزا کی موجب ہوتی تھی۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے اسلامی قانون کی بالادستی قائم کی، امیر و مامور، حاکم و محکوم اور راعی و رعایا کو قانون کی نظر میں یکساں اور مساوی

(۹۶) آل عمران: ۱۸ (۹۷) النحل: ۹۰

Marfat.com

حیثیت کا حامل قرار دیا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دیگر معاملات کی طرح یہاں بھی قانون الٰہی کی تعمیل کا اصل نمونہ بطور مثال اپنی ذات اور اپنے اہل بیت کے ذریعے پیش فرمایا۔ زکوٰۃ صدقات اور عشر وغیرہ خاندان نبوت پر بھی عام مسلمانوں کی طرح واجب تھے۔ ایک بار ایک مخزومی عورت فاطمہ بنت قیس نے چوری کی۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، چونکہ اس کا تعلق معزز خاندان سے تھا اس لئے صحابہ کرام نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں بھیج کر سفارش کرانی چاہی۔ آپ ﷺ حضرت اسامہ سے بہت زیادہ انس رکھنے کے باوجود ان پر غصے ہوئے، اور فرمایا کہ پہلی امتیں اسی بنا پر تباہ و برباد ہوئیں کہ ان کے ہاں جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے اور جب وہی جرم کسی بڑے رتبے والے آدمی سے سرزد ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ پھر فرمایا:

اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا (۹۸)

یہ تھا آپ ﷺ کا عدل وانصاف جس نے فلاحِ انسانیت پر مبنی مثالی اور کامیاب معاشرے کی بنیاد رکھی۔

آپ ﷺ نے جس عالمگیر عدل وانصاف کی ترغیب دی اور اس کو عملی طور پر رائج کر کے دکھایا، اس کی رو سے سب انسان برابر تھے اور آپ ﷺ اسلام کے اور اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی اسی انصاف سے کام لیتے تھے جس کے ذریعے اپنے صحابہ کے مابین فیصلے فرماتے، اور کسی سے اس بنا پر تعصب کا مظاہرہ نہ ہوتا کہ وہ شخص مسلمان نہیں۔ یہود کی دشمنی کوئی پوشیدہ امر نہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے کسی معاملے میں بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں فرمایا۔ خیبر کی زمین جب تقسیم کی گئی تو ایک مرتبہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کھجوروں کی بٹائی کے لئے گئے۔ ان کے چچازاد بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے۔ عبداللہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کسی نے ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا اور ان کی لاش ایک گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہ نے آپ ﷺ کے پاس استغاثہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہودیوں سے حلف

---

(۹۸) بخاری/ ج ۳، ص ۱۲۸۲، رقم ۳۲۸۸، ☆ مسلم/ ج ۳ ص ۱۲۹، رقم ۱۶۸۸

Marfat.com

لیا جائے۔ محیصہ نے عرض کی یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار؟ یہ تو سو مرتبہ بھی جھوٹی قسمیں کھالیں گے۔ خیبر میں یہود کے علاوہ اور کوئی قوم آباد نہیں تھی، اس لئے یہ امر یقینی تھا کہ عبداللہ کے قاتل یہودی ہی ہیں۔ مگر چونکہ عینی شہادت موجود نہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی اور عبداللہ کی دیت کے سو اونٹ بیت المال سے دلوا دیئے۔(۹۹)

یہ آپ ﷺ کے عدل ہی کا نتیجہ تھا کہ یہودی اسلام اور آپ کے شدید ترین دشمن ہوتے ہوئے بھی اپنے مقدمات آپ ہی کے پاس لاتے تھے اور آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرواتے تھے۔

۵۔ جزا و سزا

جزا و سزا کا تصور نیا نہیں ہے۔ جب سے انسان کا وجود ہے اسی وقت سے یہ قانون بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اس جہان آب و گل میں وارد ہوئے اور آپ کی اولاد اس دنیا میں پھیلی، تو نیکی و بدی نے بھی اس کے ساتھ جنم لیا۔ اس کے بعد جرائم کو کنٹرول کرنے اور ان کے انسداد کیلئے جزا و سزا کا عالمگیر ضابطہ بھی وجود میں آیا۔ اچھے کاموں کا بدلہ جزا کہلاتا ہے اور بدی کے بدلے کو سزا کہتے ہیں۔ اسلام نے اس فطری نظام کی تہذیب و ترتیب کی ہے اور اس کو فطری تقاضوں، بشری کمزوریوں اور حالات سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے؟(۱۰۰)

اس بنا پر جن لوگوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب حکومت و سلطنت عطا ہو جائے ان کے لئے اسلام کا درس یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔ جو لوگ مملکت میں بغاوت کریں، ڈاکہ ڈالیں، لوٹ مار کریں تو قرآن کی رو سے اس کی سزا قتل، پھانسی، ہاتھ کاٹنا اور جلا وطنی ہے۔ اسلام ان حدود کے جاری کرنے میں کسی رو رعایت اور نرمی کی اجازت نہیں دیتا۔

---

(۹۹) نسائی، احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن (م ۲۱۵ھ) / کتاب القسامۃ، باب تبرءۃ اہل الدم فی القسامۃ
(۱۰۰) الرحمٰن: ۶۰

Marfat.com

چنانچہ ان کی مشروعیت فلاح انسانیت کے لئے ہوئی ہے، اور ان پر صحیح طرح عمل کرنے ہی میں انسانیت کی فلاح واصلاح ہے۔

انسانی زندگی کے لحاظ سے جزاوسزا کے دو پہلو ہیں۔ایک دنیاوی دوسرا اخروی۔اسلام نے دونوں پہلوؤں کا نہایت کامل ومکمل تصور پیش کیا ہے، اسلام سب سے پہلے وہ اسباب تلاش کرتا ہے جو جرائم کا سبب بنتے ہیں، پھر ان اسباب کا خاتمہ کرتا ہے۔مثلاً انسان کو چوری پر عموماً فاقہ کشی یا ضروریات زندگی کی فراہمی ابھارتی ہے، اس لئے اسلام ایسا نظام پیش کرتا ہے جس کے بعد اسباب زیست اتنی وافر مقدار میں موجود ہوں جو اس کو اس ناپاک اقدام سے بے نیاز کردیں۔تقریباً یہی معاملہ دوسرے جرائم کے بارے میں ہے۔

لیکن جب کوئی اس کے باوجود جرم کا ارتکاب کرتا ہے، تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو پامال کرتا ہے اور وہ انسانی معاشرے کو فساد کی نظر کردینا چاہتا ہے۔اس لحاظ سے وہ پورے معاشرے کا قاتل ہے۔ایسے شخص کو آخر کون قابلِ رحم قرار دے گا؟

اسلام نے جو سزائیں نافذ کی ہیں وہ فی الحقیقت ایک اصلاحی وفلاحی معاشرے کو برقرار رکھنے اور انسانی سوسائٹی کو مجرموں اور ان کی منفی ومضر سرگرمیوں سے بچانے کے لئے ہیں، اور ظاہر ہے ایسا شخص جو معاشرے کی اقدار اور اس کے انصاف کو ختم کر کے اس کی اصلاح کو فساد میں بدل دیتا ہے کس کے نزدیک معافی ودرگزر کا مستحق ہوگا؟

یہی وجہ ہے کہ اسلام پوری انسانی سوسائٹی کو بچانے کے لئے ایسے اشخاص کو تحفظ دینا پسند نہیں کرتا جن کے جرائم کھلے اور واضح ہوں اور جن کے ضرررساں ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہ ہو۔

دنیاوی لحاظ سے اسلام اگرچہ جرائم کی سزا کو نافذ کرنے پر زور دیتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔آپ نے فرمایا:

> امام کسی کو غلطی سے معاف کردے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے کسی کو سزا دے۔(۱۰۱)

لیکن دنیا کا نظام قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اچھے اعمال والوں کو ان کے اعمال کا اچھا

---

(۱۰۱) ترمذی/رقم ۱۴۲۴

Marfat.com

بدلہ دنیا میں بھی ملے، اور اسی طرح برے اعمال والوں کو ان کی برائی کی سزا بھی دنیا میں ملنا ضروری ہے۔اسی صورت میں یہ نظام قائم و برقرار رہ سکتا ہے۔

جزاوسزا کا دوسرا پہلو آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔اس بات کا کوئی منکر نہیں کہ ہر شخص کی دنیاوی زندگی ایک نہ ایک دن ختم ہوگی اور ہر شخص پر موت آنی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے۔(۱۰۲)

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے۔(۱۰۳)

انسان کے سامنے جب تک موت کا تصور قائم رہے گا اس وقت تک شر کی قوتیں اس کو جرائم کی جانب مائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔انسان جرم کرتا ہی اس وقت ہے جب اس کی نگاہوں سے خوف خدا اور موت کا تصور محو ہو جاتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے موت کو یاد کرتے رہنے کی تاکید کی ہے، تاکہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کی تفسیر کسی بھی وقت آنکھوں سے اوجھل نہ ہو سکے، اور پھر چونکہ اسلام کا مقصد اصلاح ہی ہے اس لئے مجرم کو اخروی لحاظ سے یہ موقع بھی فراہم کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فعل سے تائب ہو کر آخرت میں ملنے والی سزا سے بچ سکے۔

قرآن کریم میں چور کے متعلق فرمایا:

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٩﴾

پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرلے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا، رحم کرنے والا ہے۔(۱۰۴)

ہر مذہب وملت میں آخرت اور پھر اس کی جزوسزا کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے،

---

(۱۰۲) العنکبوت: ۱۵۷ (۱۰۳) الرحمٰن: ۲۶ (۱۰۴) المائدہ: ۳۹

Marfat.com

البتہ آپ ﷺ نے اس کا تصور نہایت کامل انداز میں پیش کیا ہے اور آخرت کی زندگی کے لئے بہترین لائحہ عمل تجویز کیا ہے۔ اگر انسان آپ ﷺ کے پیش کردہ اخروی حیات کے تصور کو سامنے رکھے تو اس کیلئے جرائم کی جانب مائل ہونا ممکن ہی نہ رہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کا جزا وسزا کا تصور انسدادِ جرائم کے لئے بہترین نظامِ عمل ہے اور اس پر عمل ہو جانے کی صورت میں فلاحِ انسانیت کے لئے بہت سی راہیں آسان ہو سکتی ہیں۔

۶۔ صبر واستقامت

صبر کا لفظ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے لیکن موقع محل اور حالات کے لحاظ سے، تھوڑے بہت فرق سے قطع نظر اس کا مفہوم ہر جگہ تقریباً ایک ہی ہے اور وہ ہے ثابت قدمی اور استقامت۔

صبر واستقامت جس طرح انفرادی زندگی میں ضروری ہے اسی طرح اجتماعی زندگی ملکی سیاست اور فلاحِ انسانیت کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیت مسلّم ہے، یہی وہ صفت ہے جس کو مضبوطی سے تھام کر ملکی سیاست کو مستحکم بنایا جا سکتا ہے اور دشمن کے حیلوں، مکروفریب اور اس کی تباہ کن تدابیر سے انفرادی اور اجتماعی طور پر محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ

اگر تم صبر اور پرہیز گاری اختیار کرو تو ان کا مکروفریب تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ (۱۰۵)

اس آیت میں مسلمانوں کو فتح وکامرانی اور ہر قسم کی مصیبت و پریشانی اور آزمائش و امتحان میں صبر وتقویٰ اختیار کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعے مخالفین ومنافقین کی سازشوں اور ان کے مکروفریب سے بچا جا سکتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ان مومنوں کو جو دنیا میں پیش آنے والی تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

(۱۰۵) آل عمران: ۱۲۰

Marfat.com

البتہ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۱۰۶)

یہی مفہوم ایک حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مومن مرد و عورت زندگی کے اندر مصائب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی ان کو جان کی تکلیف پہنچتی ہے تو کبھی اولاد کی اور کبھی مال میں نقصان آ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوتے ہیں کہ ان مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے ان کے تمام گناہ مٹ چکے ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں صبر کرنے والوں کا اجر اس طرح بیان ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

بلاشبہ صبر کرنے والوں کی ان کا اجر بلا حساب ملے گا۔ (۱۰۷)

آنحضرت ﷺ نے صبر کرنے پر ملنے والے اجر کو یوں بیان فرمایا ہے:

مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے لئے اس کا سارا معاملہ خیر ہی خیر ہے اور یہ (سعادت) مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے دکھ پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے، اور اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ بات (بھی) اس کے لئے بہتر ہوتی ہے۔ (۱۰۸)

اور قرآن کریم میں ایک مقام پر تو صرف دو لفظوں میں صبر کی اہمیت کو واضح فرما دیا۔ ارشاد ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ (۱۰۹)

یعنی جب بھی کوئی مشکل پیش آئے، کسی مصیبت کا سامنا ہو تو صبر کرو اور نماز کے ذریعے

(۱۰۶) یوسف: ۹۰ (۱۰۷) الزمر: ۱۰ (۱۰۸) مسلم/ ج ۴، ص ۳۹۸، رقم ۲۹۹۹ (۱۰۹) البقرہ: ۴۵

Marfat.com

اپنی مشکلات کا تدارک کرو، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو جب کوئی کام مشکل اور رنج و غم میں ڈال دیتا تو آپ فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (۱۱۰)

اسی طرح غزوۂ بدر کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے مگر آپ ﷺ صبح تک نماز و دعا میں مشغول رہے۔ (۱۱۱)

صبر کا اجر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے بھی واضح ہے، فرمایا:

جس شخص کو کوئی مالی یا جانی نقصان پہنچے اور وہ اسے پوشیدہ رکھے (یعنی لوگوں سے اس کی شکایت نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرمائے۔ (۱۱۲)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایمان کے دو حصے ہیں آدھا صبر اور آدھا شکر۔ (۱۱۳)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صبر نصف ایمان ہے (۱۱۴)

خلاصہ یہ کہ صبر و استقامت اختیار کرنے سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نظم و نسق پیدا ہوتا ہے۔

۷۔ فلاحِ عالم

اسلام کے پیش نظر پورے عالم کی فلاح ہے، اس لئے آپ ﷺ نے جو ہدایات جاری فرمائی ہیں، ان کا تعلق اس زمین پر بسنے والے ہر طبقے، ہر مخلوق اور ہر قوم سے ہے، اور آپ ﷺ نے نہ صرف زندہ انسانوں کی مختلف حیثیتوں کے مطابق ان کے حقوق کا تعین فرمایا، بلکہ مردوں اور جانوروں تک کے حقوق کو صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور ان کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہاں ان کا علیحدہ عنوانات کے تحت مختصر اذکر کیا جائے گا۔

(۱۱۰) ابوداؤد/ رقم ۱۳۱۹ (۱۱۱) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ) / التفسیر/ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ
(۱۱۲) بخاری/ ج ۴، ص ۸۳ (۱۱۳) بیہقی (۱۱۴) شعب الایمان/ ج ۱ ص ۴۷، رقم ۴۸۴

Marfat.com

مسلمان کے حقوق

ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر آپ ﷺ نے پانچ حقوق بیان فرمائے ہیں:

ا۔ سلام کا جواب دینا، ۲۔ بیمار کی عیادت کرنا، ۳۔ جنازے کے ساتھ چلنا، ۴۔ دعوت قبول کرنا، ۵۔ چھینک آنے پر یرحمک اللہ کہہ کر اس لئے دعائے رحمت کرنا۔ (۱۱۵)

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ایک مومن کو دوسرے کے لئے آئینہ قرار دیا اور فرمایا:

> مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور مومن، مومن کا بھائی ہے وہ اسے نقصان دہ چیز سے بچاتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (۱۱۶)

ایک اور روایت میں یوں فرمایا:

> جب تم میں کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشورہ لینا چاہے تو اس کو مشورہ دے دینا چاہئے۔ (۱۱۷)

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے حفاظت اور مضبوطی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا

> ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے فرمایا کہ یوں۔ (۱۱۸)

ایک روایت میں مسلمان کے حقوق تفصیل سے بیان فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

> ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس وہ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے، اور جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کو دور فرمائے

---

(۱۱۵) بخاری/ فی الجنائز باب ۲۔ ☆ مسلم/ ج ۳، ص ۴۱۱، رقم ۲۱۶۲ (۱۱۶) ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۰۴، ☆ ترمذی/ ج ۳، ص ۳۷۳، رقم ۱۹۳۶ (۱۱۷) ابن ماجہ (۱۱۸) مسلم/ ج ۴، ص ۱۸۰، رقم ۲۵۸۵

Marfat.com

گا اور جو شخص کسی مسلمان (کے عیب) کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (۱۱۹)

والدین کے حقوق

والدین کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی سوائے اس کے کہ وہ باپ کو کسی شخص کا غلام دیکھے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔ (۱۲۰)

والدین کی خدمت کو جہاد فرما کر بھی ان خدمت کی ترغیب دی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا، کیا میں جہاد میں شریک ہو جاؤں۔ آپ نے دریافت کیا کہ تمہارے والدین (زندہ) ہیں؟ اس نے جواب دیا، جی، آپ ﷺ نے فرمایا پھر انہی میں جہاد کرو یعنی ان کی خدمت کرو۔ (۱۲۱)

آپ ﷺ نے والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ ایک بار صحابہ کرام سے آپ ﷺ نے سوال کیا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں صحابہ نے عرض کیا جی ہاں، یارسول اللہ (ﷺ)۔ آپ نے فرمایا:

اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۱۲۲)

ماں کی خدمت کو جنت کو حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (۱۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس ہجرت پر بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا وہ والدین کو روتا چھوڑ کر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا ان کے پاس واپس جاؤ ان کو اسی طرح ہنساؤ جیسے تم ان کو رلا کر آئے ہو (۱۲۴)

---

(۱۱۹) بخاری/ ج ۶، ص ۲۵۵۰، رقم ۶۵۵۱ (۱۲۰) ترمذی/ ج ۳، ص ۳۶۳، رقم ۱۹۱۳، ☆ مسلم/ ج ۲، ص ۴۲۳، رقم ۱۵۱۰ (۱۲۱) مسلم/ ج ۴، ص ۱۶۳، رقم ۲۵۴۹، ☆ ترمذی/ ج ۳، ص ۲۵۵، رقم ۱۶۷۷ (۱۲۲) بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۲۹، رقم ۵۶۳۱ (۱۲۳) عجلونی، اسماعیل بن محمد (م ۱۱۶۲ھ) کشف الخفا / مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۰۵ھ/ ج ۱، ص ۴۰۱، رقم ۱۰۷۸ (۱۲۴) الادب المفرد

Marfat.com

یہاں آپ ﷺ نے والدین کی خدمت کو جب وہ ضعف اور حاجت کی بنا پر خدمت کے محتاج ہوں ہجرت جیسی افضل اور واجب عبادت سے بھی بڑھ کر فضیلت والا عمل قرار دیا ہے۔

اولاد کے حقوق

آپ ﷺ نے والدین کے ساتھ اولاد کے حقوق بھی بیان فرمائے، چنانچہ اولاد کے اچھے نام رکھنے کی تاکید کی اور فرمایا:

> تم لوگوں کو قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے آبا کے نام سے بلایا جائے گا۔ اس لئے اپنے نام اچھے رکھو۔ (۱۲۵)

اسی طرح برے ناموں کو بدلنے کی تلقین کی۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ برے ناموں کو تبدیل فرما دیتے تھے۔ (۱۲۶)

والدین کو اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

> کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کو کوئی عطیہ اچھے ادب سکھانے سے بہتر نہیں دے سکتا۔ (۱۲۷)

اولاد میں فرق کرنے اور لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینے سے بھی منع فرمایا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

> جس شخص کی سرپرستی میں لڑکی (بیٹی بہن) ہو اور وہ اسے نہ تو زندہ درگور کرے، نہ اس کی توہین کرے اور نہ ہی اولاد نرینہ کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کریں گے۔ (۱۲۸)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

> جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں، تو قیامت کے روز وہ شخص اور میں اس طرح ہوں گے۔

---

(۱۲۵) ابو داؤد/ ج ۴، ص ۳۱۳، رقم ۴۹۴۸ (۱۲۶) ترمذی/ ج ۴، ص ۳۸۲، رقم ۲۸۴۸

(۱۲۷) ترمذی/ ج ۳ ص ۳۸۳، ☆ شعب الایمان/ ج ۲ ص ۲۵۶

(۱۲۸) ابو داؤد/ ج ۴ ص ۳۷۵، رقم ۵۱۴۶

Marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔ (۱۲۹)

عورتوں کے حقوق

اسلام نے عورتوں کے حقوق پر بھی دوسرے تمام نظاموں اور مذاہب سے بڑھ کر زور دیا ہے اور اس کی ہر حیثیت کو عزت عطا کی، اہل وعیال پر مہربانی کی ہدایت یوں کی:

جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں اور جو اپنے اہل وعیال پر سب سے زیادہ مہربان ہو، وہی ایمان میں بھی سب سے زیادہ کامل ہے۔ (۱۳۰)

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت ان الفاظ میں بھی فرمائی:

کوئی ایمان والا اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (۱۳۱)

اگر کسی کو دو بیویاں ہوں تو آپ ﷺ نے ان میں عدل وانصاف فرمانے کی سختی کے ساتھ تاکید کی اور اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی، فرمایا:

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا اوپر کا دھڑ جھڑا ہوا ہوگا۔ (۱۳۲)

دوسری طرف عورتوں کو بھی خاوندوں کی اطاعت کا حکم دیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

وہ جس کو اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہوجائے اور جب وہ حکم دے تو بجالائے، اور خود اس کی اپنی ذات اور اپنے مال کے بارے میں بھی شوہر جس بات کو ناپسند کرے اس کی مخالفت نہ کرے۔ (۱۳۳)

---

(۱۲۹) مسلم/ ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۲۶۳۱ (۱۳۰) ترمذی/ ج ۲، ص ۳۸۷، رقم ۱۱۶۵،
☆ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۲۲۸، رقم ۴۶۸۲ (۱۳۱) مسلم/ ج ۲، ص ۳۸۳، رقم ۱۴۶۹
(۱۳۲) ترمذی/ ج ۲، ص ۳۷۵، رقم ۱۱۴۴ ☆ ابن ماجہ/ رقم ۱۹۶۹ (۱۳۳) نسائی

Marfat.com

ہمسائے کے حقوق

ہمسائے کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ کے نزدیک اچھا دوست وہ ہے جو اپنے دوستوں کے ساتھ اچھا ہو، اور اچھا ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا ہو۔ (۱۳۴)

پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت ایک بار آپ ﷺ نے یوں بھی بیان فرمائی، فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ سلوک کرنے کی ہمیشہ یوں تاکید کرتے رہے کہ گمان ہوتا تھا پڑوسی کو وارث بنا دیں گے (۱۳۵)

آپ ﷺ نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان کا جز وقرار دیا۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ واللہ وہ مومن نہیں، واللہ وہ مومن نہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ (ﷺ) کون کون مومن نہیں آپ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔ (۱۳۶)

مہمان کے حقوق

میزبان و مہمان کے حقوق بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ زبان سے اچھی بات نکالے ورنہ خاموش رہے۔ (۱۳۷)

اور دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

ایک شب کی میزبانی تو واجب ہے، پھر اگر مہمان یہاں رہ جائے تو یہ اس پر قرض ہے، چاہے وہ لے لے چاہے وہ چھوڑ دے۔ (۱۳۸)

---

(۱۳۴) ترمذی، ج ۳، ص ۳۷۹، رقم ۱۹۵۱ (۱۳۵) مسلم/ ج ۴، ص ۱۹۷، رقم ۳۲۴ (۱۳۶) بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۴۰، رقم ۵۶۷۰ (۱۳۷) بخاری، ایضاً، رقم ۵۶۷۲ (۱۳۸) ابن ماجہ، ج ۴ ص ۵۲۱ رقم ۳۶۷۷

Marfat.com

مزدوروں کے حقوق

آپ ﷺ نے مزدورں کے حقوق کا بھی خیال رکھا اور اس بارے میں لوگوں کو احتیاط کی تاکید کی۔ ان کی مزدوری ادا کرنے کی تلقین یوں کی فرمایا:

مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دیا کرو (۱۳۹)

دوسری روایت میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تین اشخاص سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا:
۱۔ جس نے میرا نام لے کر وعدہ کیا پھر اس کے خلاف کیا، ۲۔ جس نے آزاد آدمی کو ناجائز طور پر پکڑا اور غلام ظاہر کر کے بیچ دیا اور قیمت کھا گیا، ۳۔ جس نے کسی کو مزدوری پر لگایا اور کام پورا لیا مگر مزدوری ادا نہ کی۔ (۱۴۰)

یتیموں کے حقوق

اسی طرح یتیموں کے حقوق کو بھی آپ ﷺ نے نہایت زور دے کر بیان فرمایا۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

اے اللہ میں دو کمزوروں کے حق کو واجب لاحترام قرار دیتا ہوں، ایک یتیم بچے دوسرے عورت کے حق کو۔ (۱۴۱)

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ملا کر (قرب کو) بتایا۔ (۱۴۲)

ایک روایت میں یتیم کی پرورش کرنے والوں کو جنت خوش خبری کی دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱۳۹) بیہقی / کبری / ج ۹، ص ۴۲ (۱۴۰) بخاری / ج ۲ ص ۷۷۶، رقم ۲۱۱۴ ☆ بیہقی ج ۹، ص ۳۹
(۱۴۱) ابن ماجہ / ج ۴ ص ۵۲۱، رقم ۳۶۷۸
(۱۴۲) بخاری / ج ۵ ص ۲۲۳۷، رقم ۵۶۵۹ ☆ ترمذی / ج ۳، ص ۳۶۸، رقم ۱۹۲۵

Marfat.com

جو شخص کسی یتیم بچے کو اپنے گھر بلا کر لائے گا اور اس کو کھلائے پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی نعمت عطا فرمائے گا، بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو جو بخشش کے قابل نہ ہو۔ (۱۴۳)

ایک روایت میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے اس سے بدسلوکی کی مذمت بھی فرمائی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مسلمانوں کے گھروں میں وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بدتر وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو (۱۴۴)

خادموں کے حقوق

آنحضرت ﷺ نے خادموں کے حقوق کی جانب بھی توجہ دلائی ہے، ایک روایت میں خادموں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ اسے اپنے ساتھ (کھلانے کے لئے) نہ بٹھا سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے ضرور کھلا دینے چاہیں۔ (۱۴۵)

اور ایک روایت میں قدرے تفصیل سے خادموں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تمہارے کچھ بھائی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے، اگر کسی کے ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے جو خود پہنے وہی اسے پہنائے، اس کے ذمے اتنا کام نہ ڈالے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو، اور اگر کام زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے۔ (۱۴۶)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا،

(۱۴۳) ترمذی/ ج ۳، ص ۳۶۸، رقم ۱۹۲۴ (۱۴۴) ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۵۲۲، رقم ۳۶۷۹

(۱۴۵) بخاری/ ج ۲، ص ۹۰۲، رقم ۲۴۱۸ (۱۴۶) ترمذی/ ج ۳، ص ۳۸۰، رقم ۱۹۵۲

Marfat.com

یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنے خادم کی غلطیوں سے کس حد تک درگزر کریں؟ آپ خاموش رہے۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ آپ ﷺ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر گردن میں ستر مرتبہ بھی غلطی کرے تو درگزر سے کام لو اور معاف کرتے رہو۔ (۱۴۷)

حاجت مندوں کے حقوق

حاجت مند طبقہ بھی معاشرے کا جز اور حصہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے معاشرے کے صاحب حیثیت واستطاعت لوگوں پر ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ بے کسوں اور حاجت مندوں کی ضروریات پورے کرنے کی تاکید کرتے ہوئے آپ ﷺ فرمایا:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے (دشمن کے) سپرد کرتا ہے۔ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے اس کی مصیبت دور کرے گا اللہ اس سے قیامت کے مصائب دور فرمائے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (۱۴۸)

ایک بار فرمایا:

اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کر دیا کرو (۱۴۹)

اور فرمایا:

بھولے بھٹکے ہوئے اور نابینا کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔ (۱۵۰)

مردوں کے حقوق

آپ ﷺ نے زندہ لوگوں کے ساتھ ساتھ مردوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مردوں کا نیکیوں کے ساتھ ذکر کرو۔

---

(۱۴۷) ترمذی / ج ۳ ص ۳۸۰ رقم ۱۹۵۲ (۱۴۸) مسلم / ج ۴، ص ۱۷۸، رقم ۲۵۸۰ ☆ ابوداؤد / ج ۴، ص ۲۹۶، رقم ۴۸۹۳ (۱۴۹) بخاری (۱۵۰) بزار / ج ۹، ص ۴۵۸، رقم ۴۰۷۰

Marfat.com

اوران کی برائیوں کے ذکر سے پرہیز کرو۔(۱۵۱)

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

جو شخص کسی کے جنازے کے ساتھ جائے اور تین بار کندھا دے دے تو اس نے جنازے کا حق ادا کر دیا۔(۱۵۲)

ایک اور روایت میں مُردوں کو برا کہنے کی ممانعت اس طرح فرمائی:

مُردوں کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اس کے پاس وہ خود پہنچ چکے ہیں۔(۱۵۳)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے جنازے کے ساتھ چلنے کا ثواب تفصیل سے یوں بیان فرمایا:

جو شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان (کی تازگی) اور محض ثواب کے خاطر جائے اور اس وقت تک اس کے ساتھ رہے جب تک (اس کی) نماز پڑھی جائے اور (لوگ) اس کے دفن سے فارغ ہوں تو دو قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے، جبکہ ایک قیراط احد پہاڑ کی مانند ہے۔ اور جو شخص صرف نماز پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے واپس آجائے تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر آتا ہے۔(۱۵۴)

حیوانوں کے حقوق

آپ ﷺ نے حیوانات پر بھی رحم کرنے اور ان کے حقوق کی رعایت رکھنے کا حکم دیا ہے

ایک روایت میں فرمایا:

ایک عورت اس لئے جہنم میں ڈال دی گئی کیونکہ اس نے ایک بلی باندھ رکھی تھی جسے نہ کھلاتی تھی نہ آزاد چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے

(۱۵۱) ترمذی/ج ۲،ص ۳۱۲، رقم ۱۰۲۱۔ ☆ ابوداؤد/ج ۴،ص ۲۹۸، رقم ۴۹۰۰

(۱۵۲) ترمذی (۱۵۳) بخاری/ج ۵ص ۲۳۸۸، رقم ۶۱۵۱ (۱۵۴) بخاری/ج ۱ص ۲۶، رقم ۴۷

Marfat.com

مکوڑے ہی کھا لے۔(۱۵۵)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا وہ چند نوجوانوں یا آدمیوں کے پاس سے گزرے جنہوں نے ایک مرغی باندھ رکھی تھی اور اس پر تیر سے نشانہ بازی کر رہے تھے، انہوں نے ابن عمر کو دیکھا تو بھاگ گئے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ کون کر رہا تھا؟ بلاشبہ نبی ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔(۱۵۶)

ایک مقام پر جانوروں کے آرام کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ۔ اور جب قحط کے زمانے میں سفر کرو تو اس کو تیزی کے ساتھ چلاؤ۔(۱۵۷)

آپ ﷺ نے ایک بار ایسا اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، تو فرمایا:

ان بے زبان جانوروں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ ان پر سوار ہو تو ان کی اچھی حالت میں رکھ کر سوار ہو اور ان کو کھاؤ تو اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔(۱۵۸)

آپ ﷺ نے جانوروں کے منہ پر مارنے اور ان کو داغ دینے کی بھی ممانعت فرمائی اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔

حضرت شداد رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے، سو جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو کہ چھری کو تیز کر دو اور ذبح کیے جانے والے جانور کو آرام دو۔(۱۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱۵۵) مسلم/ ج ۴، ص ۱۹۶، رقم ۲۶۱۹ (۱۵۶) بخاری/ ج ۵ ص ۲۱۰۰، رقم ۵۱۹۶

(۱۵۷) مسلم (۱۵۸) ابوداؤد (۱۵۹) مسلم/ ج ۳ ص ۲۹۱، رقم ۱۹۵۵

Marfat.com

جو شخص کسی چڑیا یا جانور کو ناحق مار ڈالے تو اللہ اس کے مارنے کے بارے میں سوال کرے گا۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ اگر اس کو ذبح کرے تو اس کو کھائے، یہ نہ کرے کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے (اور اسے استعمال میں نہ لائے) (۱۶۰)

خلاصۂ کلام

اوپر ذکر ہونے والی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں جامع ترین ہدایات موجود ہیں، اور آپ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے قیام کیلئے نہ صرف مکمل تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں بلکہ عملی طور پر انہیں رائج کر کے اور ان تعلیمات کی بنیاد پر ایک خالص فلاحی ومثالی معاشرے کی تشکیل کر کے ان کو قابل عمل بھی ثابت کر دیا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تعمیر شخصیت کا مرحلہ ہو یا فلاح انسانیت کا، ہر معاملے میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ میں مکمل راہنمائی موجود ہے۔ اور اگر اطاعت رسول کو اپنا لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا وآخرت دونوں کی کامیابی نصیب نہ ہو۔

اس بارے میں اس لئے بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ان تعلیمات کو بنیاد بنا کر کتنے ہی لوگ ان کے نتیجے میں ملنے والی کامیابیوں وکامرانیوں کو حاصل کر چکے ہیں، اور کتنے ہی معاشرے ان تعلیمات کی بنیاد پر ایسی مثالی سوسائٹی تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں، جہاں انسانیت کی فلاح کا ہر عنوان موجود تھا، اور جن کے فلاحی ہونے کی بنا پر آج بھی وہ مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق ارزانی فرمائیں اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنی زندگیاں ڈھالنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ ومن تبعھم اجمعین باحسان الی یوم الدین

(۱۶۰) مشکوۃ/کتاب الصید والذبائح فصل ثانی

Marfat.com

استحکامِ پاکستان کے لیے بہترین راہنمائی سیرتِ طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے

قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس ۱۹۹۷ء

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

آج جبکہ سائنسی ترقی اور تیز رفتار نظام ہائے مواصلات کی بنا پر پوری دنیا سمٹ چکی ہے اور مسابقت کی دوڑ میں ہر ایک آگے نکلنے اور اکیسویں صدی کو نہایت جوش وخروش سے خوش آمدید کہنے کا خواہش مند ہے، یہ امر نہایت ضروری ہے کہ دنیائے عالم کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورتِ حال کا فوری ادراک کرتے ہوئے ملکی ضروریات اور حالات کو مدِ نظر رکھ کر اپنے مقام کا خود تعین کیا جائے اور اپنی تمام داخلی وخارجی پالیسیوں کا از سرِ نو جائزہ لے کر انہیں اپنے لئے مفید اور بہتر بنایا جائے۔ اس کے لئے ہم سب پر لازم ہے کہ اپنی اپنی استطاعت اور توفیقِ ربانی کے مطابق سیرتِ طیبہ سے راہنمائی حاصل کریں اور آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیں۔ کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے مامون ہے اور جہاں کامیابی کی ضمانت خود خداوندِ کریم دے چکا ہے۔

Marfat.com

تمہید

آنحضرت سرورِ کونین محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر تعلیمات کسی خاص شعبے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور تعلیماتِ مقدسہ کا اعجاز اور کمال یہ ہے کہ وہ ہماری طبعی، اخلاقی، روحانی، معاشی، معاشرتی، غرض ہر قسم کی حالتوں اور ضرورتوں کیلئے کامل، غیر مبہم اور نہایت جامع راہنمائی فراہم کرتی ہیں، نظامِ حکومت ومملکت ہو یا نظامِ معیشت وتجارت، سیاستِ مدن کا ذکر ہو یا معاشرت واخلاق کا، ہر معاملے میں محسن انسانیت ﷺ نے پوری انسانیت کے لئے راہِ عمل کو واضح اور روشن فرمادیا ہے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ اپنی عملی کاوشوں سے اپنے بیان فرمودہ اصول وقوانین کو انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی صورت میں بھی جاری ونافذ فرما کر ان کے عملی طور پر ممکن العمل اور ہر طرح سے مفید ہونے کا ثبوت بھی پیش فرمادیا ہے اور یہ بتادیا کہ آپ ﷺ کی تعلیم محض خیالی نظریہ یا تصوراتی خاکہ نہیں، ورنہ اچھے سے اچھا اور عمدہ سے عمدہ نظریہ تو کوئی بھی شخص پیش کرسکتا ہے، اسی لئے انسانی سیرت کے بہترین اور کامل ہونے کی دلیل اس کے خوبصورت اقوال اور دل فریب وخوش کن نظریات وخیالات نہیں، اس کی جانب سے دنیا کے سامنے پیش کئے جانے والے اعمال اور کارنامے ہیں، جن کے بغیر کتابی نظریات کاغذی وبے کیف پھولوں سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتے، اگر اس زاویے سے بھی حضورِ اکرم نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں تو بھی آپ ﷺ تمام راہنمایانِ اقوام اور پیشوایانِ مذاہب میں نہایت ارفع اور بلند ترین مقام پر متمکن نظر آتے ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

آج ایک طرف وطن عزیز مملکتِ خداداد پاکستان کے قیام کے پچاس سال مکمل ہورہے ہیں اور اس سلسلے میں تقاریب کا سلسلہ جاری ہے، اور دوسری جانب وطن عزیز انگنت مسائل سے دوچار اور بے شمار مصائب ومشکلات کا شکار ہے، داخلی معاملات ہوں یا خارجی مسائل، اسے ہر سمت میں نئے نئے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ امن وامان اور ملکی استحکام بھی مختلف حوالوں سے ہم سے فوری

Marfat.com

غور و فکر اور مثبت و تعمیری اقدامات کے متقاضی ہیں۔

آج جبکہ سائنسی ترقی اور تیز رفتار نظام ہائے مواصلات کی بنا پر پوری دنیا سمٹ چکی ہے اور مسابقت کی دوڑ میں ہر ایک آگے نکلنے اور اکیسویں صدی کو نہایت جوش و خروش سے خوش آمدید کہنے کا خواہش مند ہے، یہ امر نہایت ضروری ہے کہ دنیائے عالم کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورتِ حال کا فوری ادراک کرتے ہوئے ملکی ضروریات اور حالات کو مدِ نظر رکھ کر اپنے مقام کا خود تعین کیا جائے اور اپنی تمام داخلی و خارجی پالیسیوں کا از سرِ نو جائزہ لے کر انہیں اپنے لئے مفید اور بہتر بنایا جائے۔ اس کے لئے ہم سب پر لازم ہے کہ اپنی اپنی استطاعت اور توفیق ربانی کے مطابق سیرتِ طیبہ سے راہنمائی حاصل کریں اور آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیں۔ کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے مامون ہے اور جہاں کامیابی کی ضمانت خود خداوندِ کریم دے چکا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ

اور اگر تم آپ (ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔(۱)

زیر نظر مضمون میں پاکستان کے موجودہ مسائل کا حل، سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی، لیکن اس سے قبل ہم یہ دیکھیں گے کہ استحکام کیا ہے؟ اس کی ضرورت و اہمیت کیوں ہے؟ اور اس سلسلے میں سیرتِ طیبہ سے راہنمائی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

استحکام کیا ہے؟

استحکام عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی مضبوط و محکم ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے احکمت الشئ فاستحکم ایک چیز محکم ہوئی پس مستحکم ہوگئی۔(۲)

استحکام سلطنت و مملکت سے مراد، ریاست میں قائم حکومت کا مضبوط ہونا، امن و امان اور قانون کی حکمرانی کے اعتبار سے صورت کا قابلِ اطمینان ہونا اور وہاں کے حکمرانوں پر عوام کا اعتماد ہونا ہے۔ یعنی حکومت اور ریاست کو تمام خطرات سے امان و اطمینان حاصل ہو، تا کہ وہ اپنے

---

(۱) النور: ۵۴ (۲) ابن منظور/ لسان العرب/ نشرادت الحوزہ، قم ایران، ۱۹۰۵ء/ ج ۱۲ ص ۱۴۳

Marfat.com

مقاصدِ اصلی کی جانب پیش قدمی کر سکے، اور اس کی تمام تر صلاحیتیں تعمیری اقدامات میں صرف ہوں۔ مضبوط و مستحکم حکومت وہی ہوتی ہے جس کے داخلی اور خارجی معاملات میں کسی قسم کا انتشار و افتراق نہ ہو۔

استحکام کی ضرورت و اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ (۳)

اس آیت میں الا لیعبدون کے الفاظ سے یہ بات مؤکد فرمادی کہ تخلیق انس و جن کا صرف ایک مقصد ہے، عبادت۔ عبادت صرف اللہ ہی کی کیوں کی جائے؟ اس کی وضاحت اس آیتِ کریمہ میں فرمادی:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ

اور وہی (اللہ) آسمان میں لائقِ عبادت ہے اور وہی زمین میں لائقِ پرستش ہے۔ (۴)

سو جب زمین و آسمان یعنی کل جہاں میں اسی کی حاکمیت اور اسی کی فرمانروائی ہے تو عبادت کا حقدار بھی وہی ہے۔ ایک اور آیت میں اس سے بھی واضح الفاظ میں عبادت کا حکم یوں دیا:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾

بلاشبہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ (۵)

عبادت کے معنی ہیں کہ انسان اپنے خالق اور مالک کی طرف سے عطا کردہ تمام عملی طاقتوں اور ذہنی صلاحیتوں کو اسی کی فرمانبرداری میں صرف کرے، اور اس کی عظمت و جلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی نافرمانی سے دور رہے، اور کسی معمولی سی بات میں بھی اس کی حکم عدولی نہ

(۳) الذاریٰت: ۵۶ (۴) الزخرف: ۸۴ (۵) الزخرف: ۶۴

Marfat.com

کرے۔ خلاصہ یہ کہ اوامر کو بجا لائے اور نواہی سے مکمل اجتناب کرے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بیان کردہ نظامِ عمل کے تحت بسر ہونے والی زندگی سراپا عبادت ہے۔

انسانیت کی تخلیق میں خود انسان کا اپنا مفاد مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات، اس میں موجود گلہائے رنگارنگ اور دل فریب و دلکش نظر آنے والے ایک نظامِ مکمل سے مربوط یہ چاند و سورج اور ستارے و سیارے اپنے بندوں پر اکمالِ بخشش کے لئے تخلیق فرمائے ہیں۔ اس سارے عالم کے بنانے میں بھی خود انسان ہی کا فائدہ ملحوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ

اور اللہ تمہیں اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔(۶)

یعنی انسان کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، مگر اس میں خود انسان ہی کا فائدہ پوشیدہ ہے، کیونکہ اس کے ثمرات سے وہ براہِ راست خود مستفید ہوگا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ بر بندگاں ، جودے کنم

اسلام کی دعوت کا اصل مقصد بھی ایمان و عقائد اور حقوق و فرائض ہیں اور قیامِ سلطنت اس کے لئے ایک ذریعے کا حکم رکھتا ہے، تاکہ اہلِ ایمان اپنے فرائضِ منصبی اور احکاماتِ الٰہیہ کی بجا آوری بہ اطمینانِ قلب و بہ سکونِ خاطر کر سکیں۔ اگر معاشرہ اپنے خالق کے احکامات سے غافل ہو کر اس کے عائد کردہ فرائض سے اعراض کر رہا ہو، جہاں نیک کام بے حیثیت ہوں اور برائیوں سے ٹوکنے والا کوئی نہیں ہو، ہر شخص کے سامنے ذاتی مفادات ہوں، اجتماعی مسائل اور ملکی و قومی مفادات پسِ پشت ڈال دیئے جائیں اور مستحقین کی دادرسی کرنے والا کوئی نہ ہو تو ایسی صورت میں استحکام کا خیال، خواب دیکھنے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ پھر چونکہ اقامتِ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انحصار اسلامی ریاست کے مستحکم و پائیدار ہونے پر ہے، اس لئے

(۶) البقرہ:۲۲۱

Marfat.com

استحکام کسی بھی اسلامی ریاست کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔

استحکام کے لئے سیرتِ طیبہ سے راہنمائی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

(اے مومنو!) بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ سے ملنے اور یوم آخرت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔(۷)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھذہ الایة الکریمة اصل کبیر فی التاسی برسول اللہ ﷺ فی اقواله وافعاله واحواله (۸)

یہ آیت کریمہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال، افعال واحوال کی اقتدا و پیروی نہایت ضروری ہے۔

اتباعِ رسول یہ ہے کہ مسلمان آنحضور ﷺ کے تمام احکامات وفرامین پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں اور سیرتِ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنی زندگی کا جزوِ لاینفک بنالیں۔ اگر کوئی شخص پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات نہ مانے اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو پس پشت ڈالے اور ان سے انحراف کرے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات نہ ماننے کا مطلب خود اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾

اور آپ (ﷺ) خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے، یہ تو وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔(۹)

---

(۷) الاحزاب:۲۱

(۸) ابن کثیرؒ، ابوالفداء عمادالدین/ التفسیر/ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ج ۳ ص ۴۷۴ (۹) النجم: ۳، ۴

Marfat.com

یعنی رسول اللہ ﷺ کے تمام فرامین اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل فرمائی جانے والی وحی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں آپ کی اپنی رائے یا خواہشات کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ لہذا آپ ﷺ کے احکامات بعینہ اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کے احکام۔ یہی مضمون زیادہ واضح الفاظ میں قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ان الفاظ میں آیا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

پھر (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حَکَم (منصف) نہ بنا لیں۔ پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں اور (خوشی سے) پوری طرح قبول کر لیں۔ (۱۰)

یعنی ایمان کی شرط یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی معاملے میں فیصلہ فرما دیں تو آدمی اس کو حق اور درست جان کر اس پر دل و جان سے راضی رہے اور دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور شک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ آنے دے۔ جب تک رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو دل سے قبول نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کا ایمان بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ (۱۱)

اس کے بعد اسی سورت میں یہ تنبیہ بھی فرما دی:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ۝

اور جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے گا تو ہم بھی

---

(۱۰) النساء: ۶۵

(۱۱) سید فضل الرحمن، احسن البیان فی تفسیر القرآن، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۳ء، ج ۲ ص ۳۰۹

اس کو اسی راستے پر چلائیں گے اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (۱۲)

اس آیت میں واضح فرما دیا گیا کہ رسول ﷺ کی مخالفت وبالِ عظیم ہے تو گویا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ سیرت طیبہ اور تعلیماتِ مقدسہ کی پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ پھر جب آپ کی ذاتِ گرامی ایسی جامعِ کمالات ہے کہ جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے مابین ایسا صحیح توازن قائم کیا کہ افراط وتفریط کا نام ونشان تک نظر نہیں آتا۔ اور کوئی دوسرا انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور دنیا کے کسی گوشے میں رہتا ہو ان خوبیوں کا جامع تو کیا پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر زندگی کے کسی معاملے میں ہمیں کہیں سے صحیح راہنمائی اور درست ہدایت مل سکتی ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی ہی ذاتِ گرامی ہے۔ لہٰذا اگر ہمیں ملکی استحکام کے لئے اپنا لائحہ عمل وضع کرنا ہے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دامنِ رحمت سے اپنی وابستگی کو مضبوط کرنا ہوگا اور آپ کی تعلیمات وفرمودات پر سنجیدگی اور پوری وفاداری وخلوص کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم فلاح وکامرانی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ بقول اقبال:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی، تمام بولہبی ست

اسلام کا نظامِ حکومت

آج کل دنیا میں جتنے نظام ہائے حکومت رائج ہیں، اسلام کا نظامِ حکومت ان تمام سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام کا پیش کردہ تصورِ حکمرانی، دین ودنیا میں تفریق نہیں اتحاد پیدا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دین ودنیا، سیاست وحکومت اور عبادت ومعاملات میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں، دونوں چیزیں باہم یوں متصل ہیں کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہیں۔ اسلام کی یہی شان قرآن کریم میں بطورِ دعا یوں ذکر ہوئی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا

---

(۱۲) النساء: ۱۱۵

Marfat.com

عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (۱۳)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

اسلام دین و دنیا اور جنتِ ارضی اور جنتِ سماوی اور آسمانی بادشاہی اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا و قیصر دو نہیں ہیں۔ ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے، جس کی حدود میں نہ کوئی قیصر ہے اور نہ کوئی کسریٰ۔ اسی کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمراں ہے اور وہی زمین پر فرمانروا ہے۔ (۱۴)

وہ مزید لکھتے ہیں:

وہ (اسلام) دیبیوں اور دیوتاؤں اور نمرودوں اور فرعونوں کو ایک ساتھ ان کے استھانوں اور ایوانوں سے نکالنے کے لئے آیا تھا اور اس بات کی منادی کرتا تھا کہ آسمان ہو یا زمین دونوں میں ایک ہی خدا کی حکومت ہے۔ اس کے آسمان میں نہ کوئی دیبی ہوگی نہ دیوتا ہوگا، اور نہ زمین پر کوئی قیصر ہوگا اور نہ کسریٰ۔ (۱۵)

جبکہ دنیا کے دیگر تمام نظام ہائے حکومت، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نظریے سے ہو اور کسی بھی جغرافیائی حیثیت کے حامل ہوں، ان کی دیگر انگنت خرابیوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تب بھی ان کی یہ خرابی مسلم ہے کہ ان کا تعلق زندگی کے صرف ایک پہلو سے ہے۔ ان میں زندگی کے صرف ایک حصہ پر بحث ہوتی ہے، جس کا تعلق دنیا کی بے ثبات و چند ساعتوں کی محدود زندگی سے ہے۔ جبکہ حقیقی اور اصلی زندگی ان کی نظروں سے یکسر اوجھل ہے اور ان کی یہی ایک خرابی ان کے ناممکن

---

(۱۳) البقرہ: ۲۰۱

(۱۴) سید سلیمان ندویؒ/ سیرت النبی/ دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء/ ج ۷، ص ۳۲ (۱۵) ایضاً

Marfat.com

ہونے کی کافی شہادت اور دلیل ہے۔(۱۶)

پس مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اصل صرف دنیا کی بھلائی نہیں۔اگر ہم نے دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تو اس سے دنیا تو مل جائے گی مگر آخرت میں ہمارا کچھ حصہ نہ ہوگا۔اس کے برعکس اگر ہم نے آخرت کی بھلائی کے لئے کوشش کی تو دنیا اس کے طفیل میں خود بخود حاصل ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہے۔(۱۷)

یعنی جو شخص اپنی تمام تر توانائیاں اور کوشش صرف حصولِ دنیا کے لئے صرف کرتا ہے تو وہ جان لے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔وہ دنیا و آخرت دونوں کا مالک ہے۔جب تم اس سے دنیا و آخرت دونوں کے طلب گار ہو گے تو وہ تمہیں دونوں عطا کردے گا، کیونکہ تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں۔(۱۸)

اسلامی نظامِ حکومت کی اساس

اسلامی نظامِ حکومت کی اساس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں،اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، یہی سیدھا دین ہے۔لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۱۹)

یعنی اگرچہ انتظامی مصلحت کے تحت،حکومت و سلطنت کا دنیاوی نظام و انتظام، بندوں کے حوالے کردیا گیا ہے اور پھر ان بندوں میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار کچھ عرصے کے لئے

(۱۶) سید عزیز الرحمٰن/تعمیر شخصیت و فلاحِ انسانیت/زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۷ء/ص ۱۶
(۱۷) النساء: ۱۳۴ (۱۸) تفسیر ابن کثیر، ج ا ص ۵۶۴ (۱۹) یوسف: ۴۰

Marfat.com

چند لوگوں کا عطا کر دیا ہے۔ لیکن عارضی طور پر ان صاحبِ اختیار بندوں کو یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہئے کہ وہ خدا کے بندے ہیں، ان کا مالک و خالق اللہ ہے۔ چنانچہ حکم بھی اسی کا ہے۔ عبادت بھی اسی کی کی جائے اور سلطنت میں قوانین بھی اسی کے رائج ہوں۔ اگر کوئی حاکم ریاست اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیارات سے تجاوز کرے اور اسلامی ریاست میں من چاہے احکامات کا اجرا و نفاذ کرنے لگے تو وہ درجۂ نیابت کے مقامِ فضیلت سے گر کر شخصی حاکمیت کے لقب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ایک آیت میں یوں ذکر ہے:

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

آگاہ ہو جاؤ بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (۲۰)

یعنی اگر اس کے احکامات کو زندگی کے تمام معاملات کی بنیاد نہ بنایا تو یاد رکھو وہ حاسب بھی ہے۔ پھر جب وہ احتساب کرے گا تو تم اس سے بچ کر نہ جا سکو گے۔

احکاماتِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں، تشریعی اور تکوینی۔ تشریعی سے مراد وہ احکامات ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے شریعت بن کر نازل ہوئے ہیں، اور تکوینی وہ معاملات ہیں جو فطری حیثیت سے مخلوقاتِ عالم میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ان دونوں اقسام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے۔ دنیا کے سلاطین نہ تشریعی اختیار رکھتے ہیں نہ تکوینی، زمین سے آسمان تک ساری بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ (۲۱)

حکومت، نعمتِ خداوندی

دنیا میں حکومت و سلطنت کا عطاء ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ حتیٰ کہ کتاب اللہ اور نبوت و رسالت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا

(۲۰) الانعام: ۶۲ (۲۱) سیرت النبی/ ج ۷ ص ۱۰۵

Marfat.com

عَظِيمًا

سو بے شک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کو کتاب اور حکمت (بنوت) بھی دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت بھی عطاء فرمائی۔ (۲۲)

اس آیت میں کتاب اور حکمت (احکامِ شرعیہ، نبوت ورسالت وغیرہ) کے بعد حکومت وسلطنت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو بڑی بڑی سلطنتیں عطا فرمائیں تھیں، اسی طرح کچھ بعید نہیں کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ان جیسی یا ان سے بھی بڑھ کر سلطنت عطا فرمادے۔ (۲۳)

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

بلاشبہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں۔ (۲۴)

لیکن دوسرے مقام پر اس امر کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ سلطنت اور حکومت اگرچہ انسان کو عطا ضرور کی گئی ہے مگر یہ کسی کی ملکیت نہیں، اس کے پاس صرف امانت ہے۔ اس کا مالکِ حقیقی اور اس کا وارثِ اصلی صرف اور صرف ایک ذات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ

بلاشبہ ہم ہی زمین اور اس پر بسنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی جانب ان کو (مآل کار) لوٹنا ہے۔ (۲۵)

یعنی کائنات کی ہر چیز کا مالک وخالق اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کو عارضی طور پر یہ دنیاوی مال و متاع بطورِ امانت دیا ہے۔ مگر انسان کو پھر اللہ ہی کی جانب لوٹنا ہے۔ لہذا اگر اس نے امانت میں خیانت کی اور فرائض منصبی سے انصاف نہ کیا تو وہ یہ سوچ لے کہ اصل مالک کو جواب وہی بھی کرنی ہے

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است
ایں امانت چند روزہ نزدِ ما است

---

(۲۲) النساء: ۵۴ (۲۳) قاضی ثناء اللہ عثمانی/تفسیر مظہری/مجلس اشاعت العلوم، حیدر آباد دکن/ ج ۲ ص ۱۴۴

(۲۴) الانبیاء: ۱۰۵ (۲۵) مریم: ۴۰

Marfat.com

خلافت یا بادشاہت

قرآن کریم میں ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ (نائب) بنایا ہے، پس تم انصاف کے ساتھ حکم کیا کرو اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گی۔(۲۶)

اس آیت میں بتا دیا کہ خلافت وحکومت ہم عطا کرتے ہیں۔اس کا حقیقی سبب اللہ کی دین ہے۔ یہ اس پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص اعلیٰ حسب ونسب کی بنیاد پر اس کی اہلیت واستحقاق رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں خلیفہ اور امیر کے فرائض کی جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ چونکہ خلیفہ اللہ کا نائب ہے، اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ تمام فیصلے انصاف کے ساتھ کرے، کسی بھی معاملے میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ امورِ مملکت وسلطنت میں نفسانی خواہشات کا دخل بالکل نہ ہونے پائے، کیونکہ اگر امورِ سلطنت میں ان کا دخل ہو گیا تو پھر حکومت چل نہیں سکے گی، مملکت کا نظم ونسق درہم برہم ہو جائے گا اور وہ خواہشاتِ نفسانی آخر کار تمہیں راہِ خدا، راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے بالکل بھٹکا کر چھوڑیں گی۔

خلیفہ اور بادشاہ کا فرق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بڑے عمدہ انداز میں بیان فرمایا۔ ان سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر آپ مسلمانوں کی سرزمین سے ایک درہم یا اس سے کم وبیش کچھ بھی وصول کریں اور غیر مستحق مقام پر اس کو دے دیں تو آپ بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اسی طرح ایک بار حضرت عمر

---

(۲۶) ص:۲۶

Marfat.com

رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت کعب اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت سلمان نے جواب دیا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے، سب میں معاشی تقسیم ایک جیسی کرے، اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسی آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن حکیم) کے مطابق کرے۔

سلیمان بن عوجاء کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین! ان دونوں میں فرق ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا فرق ہے؟ اس نے کہا خلیفہ حق پر لیتا ہے اور حق پر دیتا ہے، اور الحمد للہ آپ ایسے ہیں، اور بادشاہ ظلم کرتا ہے اور ظلماً لیتا اور دیتا ہے۔ (۲۷)

یہ ہے مسلمانوں کے خلیفہ کی تعریف اور یہ ہے اسلام کا عطا کردہ تصورِ حکمرانی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت اور بادشاہت میں اسلام کے اعتبار سے عملی فرق ہے، جو مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جو امیر خدا کے بندوں پر، خدا کی زمین پر خدا کا حکم نافذ کرتا ہے وہ خلیفہ ہے، اللہ کا نائب ہے اور جو مملکت کے فیصلوں کی بنیاد خواہشاتِ نفس پر رکھے اور خدا کے بندوں پر من چاہے قوانین مسلط کرے وہ خلیفہ کے علاوہ کچھ بھی ہو سکتا ہے، مگر اسے خلیفہ اللہ فی الارض قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امیر ریاست کے فرائض

امیرِ ریاست (خلیفہ اللہ) کے فرائض کی جانب مختصراً اوپر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ دوسری آیت میں اس کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ سورۃ الحج میں ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم ملک پر تسلط بخشیں تو یہ لوگ نمازوں کو قائم کریں

---

(۲۷) تفسیر مظہری / ج ۸ ص ۱۷۳

Marfat.com

گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔(۲۸)

اور اس آیت سے قبل فرمایا:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی حمایت کرتا ہے۔ بیشک اللہ زبردست قوت والا ہے۔(۲۹)

یعنی جو لوگ اللہ کے دین کی ترویج اور اس کی اشاعت و نفاذ کا کام کریں گے اللہ تعالیٰ بھی ان کی نصرت اور مدد فرمائے گا، اور ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور فرما کر ان کی منزل کو قریب اور ان کا سفر آسان و سہل فرما دے گا۔ پھر دوسری آیت میں ان لوگوں کی صفات کا ذکر فرمایا جو اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی چار صفات مذکور ہیں:

(۱) اقامتِ صلوٰۃ، نماز کا نظام قائم کرتے ہیں۔ (۲) نظامِ زکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔

(۳) امر بالمعروف، یعنی نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔ (۴) نہی عن المنکر، یعنی برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور چونکہ وہ یہ تمام کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں اس لئے پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرتا ہے۔

درحقیقت کسی بھی اسلامی حکومت کی یہی چار اساسی اور بنیادی ذمہ داریاں ہیں اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود انہی چار نکات میں مضمر ہے اور ان کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور سماجی حقوق کا تحفظ انہی چار باتوں کے ذریعے ممکن ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ تمام کام حسنِ تدبر اور نظم و نسق کے ساتھ انجام پذیر ہونے لگیں تو دنیا کے تمام مسائل خود بخود ختم ہو جائیں اور یہ جہنم زار دنیا جنت نظیر بن جائے۔

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو انہیں چند ہدایات دیں۔ خود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اگر کوئی فیصلہ طلب امر پیش آئے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض

---

(۲۸) الحج:۴۱ (۲۹) الحج:۴۰

Marfat.com

کیا، میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے کروں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ سے فیصلہ نہ کر سکو (تمہیں اس سے راہنمائی نہ مل سکے تو)۔حضرت معاذؓ نے عرض کیا تو سنتِ رسول اللہ (ﷺ) کے ذریعہ فیصلہ کروں گا۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم سنت سے بھی فیصلہ نہ کر سکو تو۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا (یعنی اجتہاد کروں گا)۔رسول اللہ ﷺ ان کے اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ان باتوں کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہو۔(۳۰)

اس حدیث میں حاکم کے چند اور فرائض مذکور ہیں۔وہ اپنے تمام فیصلے کتاب و سنت کی روشنی میں کرے اور اگر کوئی نیا معاملہ پیش آ جائے تو اجتہاد کرے۔گویا کہ اجتہاد بھی اسلامی حکمران کے فرائضِ منصبی کا حصہ ہے۔

اسلام نے امیرِ ریاست کے اور بھی بہت سے فرائض متعین کئے ہیں۔امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔معروف کی تاکید اور منکرات کی روک تھام کرے،عہدے کی حرص نہ کرے۔امیر کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنی حکمرانی کو بنیاد بنا کر اپنے لئے ترجیحی سہولیات حاصل نہ کرے،عوام کے لئے امیر تک پہنچنے میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں اور وہ امورِ سلطنت اپنے ساتھیوں کے مشورے سے انجام دے۔امیر کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ عوام کی معاشی حالت کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتا رہے تاکہ وہ پرسکون، مطمئن اور آسودہ حال زندگی بسر کر سکیں۔(۳۱)

اعضائے حکومت

موجودہ دور میں کسی بھی ریاست کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری تین اداروں پر ہوتی ہے۔یہ تینوں اعضا ریاست کے ستون کہلاتے ہیں۔۱۔مقننہ،۲۔عاملہ یا انتظامیہ،۳۔عدلیہ۔

مقننہ

موجودہ دور میں جمہوری حکومتوں میں عوام کے منتخب کردہ اور عرف عام میں غیر جمہوری

(۳۰) احمد بن محمد بن حنبل / مسند احمد/ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج۶ ص ۳۲۱

(۳۱) سید فضل الرحمٰن/ ہادیٔ اعظم/ ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۹۱ء/ص ۲۹۵۔۲۹۷

Marfat.com

حکومتوں میں خود اہلِ حکومت کے منتخب کردہ ادارے کو ریاست کے مفاد میں اور اس کا نظام چلانے کے لئے قانون سازی اور اصول وضوابط طے کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ وہ اپنی فہم کے مطابق کسی بھی امر کے لئے حلال وحرام، جائز ونا جائز اور ضروری وغیر ضروری ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن ایک اسلامی ریاست میں اس کا کردار خاصا محدود ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں دوسرے تمام امور کی طرح نظامِ حکومت وریاست کے تمام اصول وقوانین مرتب ہیں اور اس بارے میں کسی قسم کا ابہام موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس میں ردوبدل یا ترمیم وتنسیخ کی کسی کو بھی اجازت نہیں۔ قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادے تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہ جائے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ (۳۲)

البتہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان نئے پیش آنے والے معاملات کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کا حق ضرور دیا گیا ہے، جن کے بارے میں کوئی صحیح حکم قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔ مگر اس کے لئے بھی کڑی شرائط عائد کی گئی ہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ کام بھی نہایت عظیم الشان ہے دوسرے اس کی اہمیت بھی بہت ہے۔ اس لئے کہ اس سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا مفاد، ان کی زندگی اور ان کے مذہبی معاملات متعلق ہوتے ہیں۔ اس لئے اجتہاد کی بیان کردہ شرائط پر پورا اترنے والے رجال کار ہی اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔ البتہ دنیاوی معاملات میں اس کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ماہرین اپنے لئے راہِ عمل کا انتخاب کر سکتے ہیں اور مناسب تدابیر اختیار کرنے کے مجاز ہیں۔ بشرطیکہ وہ اسلام کے مروجہ اصولوں اور متفقہ

(۳۲) الاحزاب، ۳۶

قوانین سے متصادم نہ ہوں۔

عاملہ

ریاست کا دوسرا ستون عاملہ کہلاتی ہے۔ عاملہ سے مراد انتظامیہ ہے۔ اسلام میں عاملہ کی حیثیت خدا کے نائب کی ہے اور خلیفہ یا امیر اس کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کا پہلا فریضہ اسلامی قوانین اور شریعت کا نفاذ ہے۔ اس اعتبار سے حکمرانی ان کے پاس امانت ہے۔ پھر اس مقصد کے لئے چونکہ عوام کے تعاون کی ضرورت ہے، اس لئے مسلمانوں کو امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور تم میں جو حاکم ہوں، پھر اگر کسی مسئلے میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔ (۳۳)

آنحضرت ﷺ نے بھی اطاعتِ امیر کی تلقین فرمائی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

(امیر کا حکم) سننا اور اس کو ماننا مسلمان پر واجب ہے، خواہ (وہ حکم) پسند ہو یا ناپسند۔ بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہو تو نہ (اس کا) سننا جائز ہے نہ ماننا۔ (۳۴)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی

---

(۳۳) النساء: ۵۹ (۳۴) تفسیر مظہری/ ج ۲ ص ۱۵۳

Marfat.com

نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام کی مثال ڈھال جیسی ہے کہ اس کے پیچھے رہ کر جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعے (دشمن سے) بچا جاتا ہے۔ پس اگر امام تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دے اور انصاف کو شعار بنائے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ لیکن اگر اس کے خلاف کہے گا تو اس کا گناہ اس پر ہوگا (۳۵)

لیکن اطاعتِ امیر کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب امیر اور حاکم صحیح راستے پر چلے اور اسلامی تعلیمات کی پیروی کرے۔ لیکن جب اُمیر احکام شریعت کی پیروی نہ کرے اور اللہ ورسول کی نافرمانی کا حکم دے تو ایسے امیر کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے لازم نہیں کی۔ جیسا کہ ابھی احادیث میں بھی ذکر ہوا۔ قرآن کریم میں بھی ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے (۳۶)

عدلیہ

ریاست کا تیسرا ستون عدلیہ کو کہا جاتا ہے۔ کسی بھی ریاست کا نظم وضبط قائم رکھنے اور اس کے استحکام کے لئے عدلیہ کا کردار واضح ہے۔ خصوصاً داخلی استحکام کا حصول عدلیہ کی راست کرداری کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ریاست کے استحکام کے سلسلے میں عدلیہ پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ (۳۷)

استحکامِ حکومت

کسی بھی مملکت کے استحکام کے لئے خصوصاً جبکہ وہ ایک نظریاتی مملکت ہو یہ ضروری ہوتا

(۳۵) محمد بن اسماعیل بخاری/صحیح بخاری/مصطفے البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۳ء/ ج ۲ص ۱۱۰

(۳۶) الکہف: ۲۸ (۳۷) اس کی تفصیل آگے ''نظام عدل وانصاف'' میں ملاحظہ فرمائیے

Marfat.com

ہے کہ اس کا نظم ونسق چلانے کے اصول وضوابط ہوں، طریقہ کار ہو اور واضح وغیر مبہم نظام حکومت و سلطنت ہو۔ اسلام نے اس سلسلے میں واضح احکامات بیان کئے ہیں، جنہیں آنحضرت ﷺ نے مفصل ذکر فرمایا ہے۔ ان کی روشنی میں کسی بھی اسلامی سلطنت کو استحکام و دوام عطا ہو سکتا ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند اہم اصول وقوانین کا وطن عزیز مملکتِ خداداد پاکستان کی صورت حال کے تناظر اور آنحضور ﷺ کی فرمودہ ہدایات وطریقہ کار کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

استحکامِ حکومت کے ضمن میں جو عوامل بنیادی نوعیت کے حامل قرار دیئے جا سکتے ہیں، انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) خارجی (۲) داخلی

یہاں پہلے داخلی عوامل کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا، بعد میں خارجہ امور پر روشنی ڈالی جائے گی۔

داخلی عوامل

ریاستی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرنے والے داخلی عوامل مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم نے ان کو ذیل کے عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے:

۱۔ تعلیم، ۲۔ باہمی اتحاد وتنازعات سے اجتناب،

۳۔ نظام عدل وانصاف، ۴۔ انسدادِ جرائم،

۵۔ ملکی دفاع، ۶۔ مساوات،

۷۔ علاقائی عصبیت، ۸۔ حدود وتعزیرات

۹۔ انسدادِ رشوت، ۱۰۔ اقلیتوں سے سلوک،

۱۱۔ معاشی نظام۔

ذیل میں ان کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا جائے گا۔

Marfat.com

تعلیم

تعلیم بنیادی انسانی ضروریات میں سے ہے اور اس کی کثیر الجہت اہمیت بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے اسلامی ریاست میں اہم مقام عطا کیا جائے۔ کسی بھی نظریاتی وفلاحی ریاست کو اپنے دفاع کے لئے دو مختلف محاذوں پر بیک وقت نبرد آزما ہونا پڑتا ہے، ایک تو اس کی زمینی سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی دفاع کا محاذ اور دوسرا اس کی نظریاتی سرحدوں کا محاذ۔ دوسرا محاذ اس لئے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس پر عموماً حملہ ریاست کے اندر سے کیا جاتا ہے، اس لئے اس محاذ پر مقابلہ صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب کہ ریاست کے تمام افراد نظریاتی طور پر مستحکم ہوں اور یہ کام تعلیم کو عام کئے بغیر ممکن نہیں۔ صرف تعلیم ہی کے ذریعے وہ شعور پیدا کیا جاسکتا ہے جو ریاست کے نظریاتی وجود کے استحکام کا باعث بنے، اس لئے اسلامی ریاست کا اہم فریضہ تعلیم پر مکمل توجہ ہے۔

اسلام میں تعلیم کا آغاز

اسلام میں تعلیم کا آغاز اس کی پہلی ریاست کی باقاعدہ داغ بیل سے قبل ہی ہوگیا تھا۔ اسلام کی نظر میں تعلیم کی اہمیت کی یہ واضح دلیل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے دارارقم کو اسلام کے خفیہ مرکز کے طور پر استعمال کیا۔ اسلام کے اس پہلے مرکز میں اسلام کا پہلا مدرسہ بھی قائم ہوا

کوہِ صفا کے دامن میں اس محفوظ مقام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جمع ہوتے تھے اور اس وقت تک نازل ہونے والا قرآن کریم یاد کرتے۔ آپ ﷺ سے نماز کے احکامات اور اس کا طریقہ سیکھتے اور آپ کے ساتھ نمازیں ادا کرتے۔ ہادیء اعظم کا کلام براہِ راست سنتے اور آپ ﷺ سے اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ (۳۸)

اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ اور مرکزِ تعلیم مسجد نبوی میں ''صفہ'' کے نام سے قائم ہوا۔ صفہ عربی میں چبوترے کو کہتے ہیں۔ صاحبِ منجد لکھتے ہیں:

صفۃ المسجد، مسجد سے متصل بیٹھنے کی سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ (۳۹)

(۳۸) علی بن برہان الدین حلبی / انسان العیون (سیرت حلبی) / دار المعرفہ، بیروت / ج اص ۴۵۶

(۳۹) لوئس معلوف / المنجد / بیروت، ۱۹۴۷ء / ص ۴۳۹

Marfat.com

یہ ایک ہموار چبوترہ تھا اس پر کھجور کے پتوں کا سائبان تھا۔ یہاں بے آسرا اور دور دراز سے علم کی طلب میں آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیام کرتے اور انہیں قرآن کریم، تجوید، آنحضرت ﷺ کے فرامین و احکامات اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مثلاً حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے لکھنے پڑھنے اور قرآن کریم کی تعلیم دینے پر مامور کیا۔ آنحضرت ﷺ خود ان کی نگرانی فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ ایک اقامتی مدرسہ تھا۔ (۴۰)

مفت تعلیم

اسلامی ریاست میں تعلیم مفت ہونی چاہئے، اور حکومت طلبا کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں پوری سلطنت میں اور خصوصاً نئے فتح ہونے والے علاقوں میں نومسلموں کی تربیت اور تعلیم کے لئے قرآن کریم کے مختلف مکاتب قائم کئے، ان کے معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ مدینہ منورہ میں اس وقت ۱۵-۱۵ درہم معلموں کو تنخواہ دی جاتی تھی جو اس دور کے اعتبار سے بہترین تنخواہ تھی۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے کتابت سکھانے کے لئے بھی خصوصی ہدایات جاری فرمائی تھیں۔ آپ قرا کو مختلف علاقوں کی طرف سرکاری طور پر روانہ فرماتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلبا کے لئے وظائف جاری کئے جاتے تھے۔ آپؓ کے دور میں قرآن کریم کے علاوہ احادیثِ نبوی، سیرت و غزوات، فقہ، ادبِ عربی، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے تمام انتظامات سرکاری طور پر کئے جاتے تھے۔ (۴۱)

لازمی تعلیم

اسلامی ریاست میں تعلیم لازمی اور جبری ہونی چاہئے۔ خواندگی ایسی چیز نہیں ہے جسے

---

(۴۰) قاضی اطہر مبارک پوری/ خیر القرون کی درس گاہیں/ شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند، انڈیا، 1995ء/ ص ۳۵، ۴۸۔ (۴۱) شبلی نعمانی/ الفاروق/ مکتبہ صدیقیہ، ملتان/ اشاعت ۱۹۵۲ء/ ج ۲ ص ۴۴۲، ۴۵۰

Marfat.com

عوام کی مرضی پر چھوڑا جا سکے، کیونکہ ناخواندہ افراد تو علم رکھتے ہی نہیں ان سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ سب علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے۔ یہ فریضہ تو ریاست کا ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت اجاگر کرے اور انہیں حصولِ علم پر آمادہ کرے۔ خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں ناخواندہ افراد قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتے۔

اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی جبری تعلیم کا نظام قائم کیا۔ چنانچہ ابوسفیان نامی ایک شخص کو چند افراد کے ساتھ اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ قبائل میں گھوم پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دیں۔ (۴۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہروں میں گشتی معلمین مقرر کئے تھے۔ وہ راہ چلتے لوگوں کو پکڑتے تھے، ان کی خواندگی کا اندازہ لگاتے تھے اور پھر ناخواندہ شخص کو کسی مکتب میں استاد کی تحویل میں دے دیتے تھے تاکہ وہ قرآن مجید اور دین کی ضروری تعلیم حاصل کرے۔ (۴۳)

خواتین کی تعلیم

اسلامی ریاست کے فرائض میں خواتین کی تعلیم کا انتظام بھی شامل ہے۔ اس کے لئے حکومت کو ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ ہر خاتون بنیادی ضروریات کی تعلیم خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی سہولت کے ساتھ حاصل کر سکے، اور اس ضمن میں انہیں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے، اور خواتین کی تعلیم کا سلسلہ خالص اسلامی ماحول میں اسلامی تعلیمات کی ادنیٰ مخالفت اور ان سے معمولی روگردانی کے بغیر جاری رہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے خود ابتدا فرمائی اور خواتین کو تعلیم دینے کے لئے علیحدہ دن مقرر فرمایا۔ (۴۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خواتین کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ ان کے دور میں خواتین کے دو مدرسے قائم کئے گئے، ایک مدرسہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا چلاتی تھیں اور دوسرا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چلا رہی تھیں۔ ان کے ہاں پردے کے پیچھے بیٹھ

(۴۲) الفاروق/ ج ۲ص ۲۴۲ (۴۳) پروفیسر سید محمد سلیم/ اسلام کا نظام تعلیم/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور/ ۱۹۹۶ء/ ص ۸۶ (۴۴) بخاری/ ج ۱ص ۲۳

Marfat.com

کر مرد حضرات بھی ان سے استفادہ کرتے تھے۔ (۴۵)

انہوں سے خواتین کی بھی جبری تعلیم کا انتظام کیا تھا اور ایک قاریہ کا تقرر کیا تھا جو گھر گھر جا کر ناخواندہ خواتین کو قرآن مجید کی تعلیم دیتی تھی اور فقہ کے مسائل سکھاتی تھی۔ (۴۶)

اسلامی اور نظریاتی ریاست کی حیثیت سے پاکستان پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرے اور تعلیم کو عام کر کے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو۔ پاکستان کے استحکام کے لئے صرف فنی اور جدید تعلیم ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسا نظامِ تعلیم ضروری ہے جو ایک طرف تو ہماری مذہبی روایات اور عقائد کا تحفظ کرے اور قوم کو نظریاتی طور پر مستحکم کرنے کا فریضہ سرانجام دے، اور دوسری طرف ہر میدان کے لئے رجالِ کار تیار کرنے میں معاون ثابت ہو، جو آگے چل کر ریاست کے ہر شعبے کو جدید تقاضوں کے مطابق چلانے کی مکمل اہلیت رکھتے ہوں۔ تاکہ پاکستان ہر معاملے میں خود کفیل ہو سکے۔

باہمی اتحاد اور تنازعات سے اجتناب

ریاست میں امن واستحکام کے لئے باہم اتحاد قائم رکھنا اور آپس کے لڑائی جھگڑوں اور تنازعات سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس عالمِ آب وگل میں بسنے والے تمام انسان بلاتفریق رنگ ونسل اور قوم وقبائل آپس میں مل جل کر رہیں اور ایک دوسرے کے تعاون سے ایک ایسی ریاست تشکیل وترتیب دیں جہاں تمام معاملات کی بنیاد اخوت ومحبت پر ہو اور جہاں تمام فیصلے عدل وانصاف سے کئے جائیں۔ جہالت اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت عصبیت کو فروغ دیتی ہے اور عصبیت اتحاد واخوت کی ضد ہے۔ عصبیت کی بنیاد علاقائیت، لسانیت، قبائل وثقافت پر ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی کھلی اور واضح تردید فرماتے ہوئے اتحاد واخوت کا درس دیا۔ ارشاد باری ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

---

(۴۵) اسلام کا نظامِ تعلیم / ص ۹۰ (۴۶) ایضاً

Marfat.com

اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا، باخبر ہے۔ (۴۷)

یعنی قبائل اور برادریاں صرف باہم متعارف ہونے کے لئے قائم کی گئیں۔ ان کو نفرت وحقارت کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور قبائلی اونچ نیچ اور ذات پات کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عند اللہ کوئی چیز مقبول ہے، اگر اللہ کے ہاں کسی بات کی اہمیت ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ ہے۔

درحقیقت اخوت واتحاد ہی وہ بنیادی عناصر ہیں جن کو بروئے کار لا کر کسی بھی قوم کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے بھی اس کو اہمیت دی ہے اور عبادات کو بھی اس کی ترویج کے لئے استعمال کیا۔ خصوصاً نماز کو باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرمائی، تا کہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں اور اتحاد کو فروغ حاصل ہو۔ پھر جمعہ کی نماز ہفتہ میں ایک بار فرض قرار دی اس کو مسجد و جماعت کے ساتھ مشروط کیا تا کہ عام ایام میں سستی کرنے والے حضرات کو بھی باہم بیٹھنے کا موقع مل سکے۔ کیونکہ رنجشیں اور کدورتیں دور رہنے سے زیادہ ہوتی ہیں اور قریب ہونے اور مل بیٹھنے سے انہیں دور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

باہمی تنازعات بھی اتحاد واتفاق کی فضا کو مسموم کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ریاست کے استحکام کو نقصان پہنچتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

(اے ایمان والو!) آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۴۸)

یعنی اگر تم آپس میں جھگڑا کرنے لگے تو تم استحکام کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے، اور

(۴۷) الحجرات، ۱۳ (۴۸) الانفال، ۴۶

Marfat.com

ترقی نہ کرسکو گے۔اس آیت میں باہمی تنازع کے دونقصان بتائے گئے ہیں:

ا۔تم آپس کے جھگڑوں میں الجھ کر بزدل ہو جاؤ گے اور دشمن سے مقابلے کی صورت میں تم کامیابی حاصل نہ کرسکو گے۔کیونکہ تمہاری قوت اور تمام تر توانائیاں، جنہیں ریاست کی حفاظت واستحکام کے لئے کام آنا چاہئے، آپس کے تنازعات میں صرف ہو چکی ہوں گی۔

(۲)تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن پر تمہارا رعب و دبدبہ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اور دشمن تم پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تولنے لگے گا اور یہ امر واقعہ ہے کہ کسی بھی سلطنت پر دشمن قوتوں کو حملہ آور ہونے کا جواز اکثر ریاست کی مختلف قوتوں کے باہمی تنازعات نے فراہم کیا ہے

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اتحاد و اتفاق خود ہماری اپنی بقا کی ضرورت ہے، کیونکہ زندگی تنہا نہیں گزاری جاسکتی اور انسان کو اپنے سکون واطمینان کے لئے اتحاد درکار رہے۔بصورتِ دیگر وہ اس کائنات کے نظام کا حصہ نہیں بن سکتا۔

اسلام کے عطا کردہ نظام میں انتشار وافتراق کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔وہ کسی بھی قسم کی تقسیم کا قائل نہیں بلکہ وہ ہر قسم کی تفریق و امتیاز کو ختم کر کے ایک قوم کی صورت عطا کرتا ہے اور ان کل مسلم اخ المسلم (۴۹)(ہر مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے) کا فلسفۂ اخوت ومحبت عطا کرتا ہے۔اسلامی ریاست کی ساری عمارت اسی فلسفے کی بنیاد پر قائم ہے۔یہ آنحضور ﷺ کی بے لوث محنت اور تربیت کا ہی فیضان اثر تھا کہ متفرق، منتشر اور ہزار ہا قبائلی ٹکڑوں میں منقسم گروہوں کا ہجوم ایک مضبوط قوم اور ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل ہو گیا۔

جنگِ یرموک کا ناقابل فراموش اور سبق آموز واقعہ ہم سب کو دعوتِ غور وفکر دیتا ہے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں میرے بھائی شدید زخمی ہوئے، وہ تڑپ رہے تھے اور پیاس کی شدت سے بے تاب تھے، انھوں نے اشارے سے مجھ سے پانی طلب کیا، میں پانی لے کران کے پاس پہنچا تو قریب ہی موجود دوسرے زخمی مجاہد کی کراہ سنائی دی۔میرے بھائی نے پانی اس مجاہد کو پلانے کا اشارہ کیا۔میں ان کے پاس پہنچا تو

---

(۴۹) حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (م ۴۰۵ھ)/المستدرک/دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۰ء/ج ۱ ص ۱۷۱، رقم ۳۱۸

Marfat.com

تیسرے مجاہد کی آواز آئی، دوسرے مجاہد نے اسے پلانے کا اشارہ کیا، میں وہاں پہنچا تو چوتھے زخمی مجاہد کی آواز سنی، غرض جب میں آخری شخص کے پاس پہنچا تو وہ اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔ میں واپس پلٹا تو تیسرے مجاہد کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔ اسی طرح دوسرے مجاہد سے ہوتا ہوا جب واپس اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی دارِ بقا کو روانہ ہو چکے تھے۔

یہ تھی اِنَّمَا الْمُؤمِنُونَ اِخْوَۃٌ اور ان کل مسلم اخ المسلم کی عملی تفسیر کہ انہیں حالتِ نزاع میں بھی اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف گوارا نہ تھی۔

اس واقعے کی روشنی میں ہمیں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہئے، اور اپنی سوچ وفکر کو پرکھنا چاہئے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ آج وطن عزیز کو ایسے ہی جذبۂ ایثار و قربانی اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے اور اتحاد ہی کے بل پر ہم دولتِ استحکام حاصل کر سکتے ہیں۔

نظامِ عدل وانصاف

عدل عربی زبان کا لفظ ہے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہ ہو، اسے عدل کہا جاتا ہے (۵۰)

اس اعتبار سے عدل یہ ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں میزان صداقت کسی جانب بھی جھکنے نہ پائے، بلکہ صرف وہی بات کہی جائے اور فقط وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر ہر طرح سے پورا اترے۔

کسی بھی مسلم ریاست یا اسلامی مملکت کے لئے نظام عدل و انصاف کا قیام ابتدائی ضروریات میں سے ہے۔ اس کے بغیر کوئی سلطنت اور مملکت استحکام حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست عوام سے ہے۔ جب تک ریاست میں بسنے والے تمام افراد کو بلا تفریق اور بلا تاخیر انصاف مہیا نہیں کیا جائے گا ان کو ذہنی طور پر آسودہ نہیں کیا جا سکتا اور جب تک وہ ذہنی طور پر کسی حکومت سے مطمئن و متفق نہیں ہوں گے اس وقت تک وہ حکومت سے تعاون نہیں کریں گے، اور عدمِ اطمینان اور عدمِ تعاون کی یہ فضا داخلی انارکی اور عدم استحکام کو جنم دیتی ہے۔ آنحضرت

---

(۵۰) حسین بن محمد راغب اصفہانی / المفردات / نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی / ص ۳۲۴

Marfat.com

ﷺ نے استحکام کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اس عامل کی بھی بیخ کنی کی اور فوری اور آسان انصاف مہیا کرنے والا نظام رائج کیا۔

آپ ﷺ کے بدترین جانی دشمن یہود بھی آپ ﷺ کے عدل وانصاف کے معترف تھے اور اپنے معاملات اور مقدمات آپ کی عدالت میں پیش کرتے اور آپ ﷺ سے فیصلے کرواتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کے عدل وانصاف کی بین اور سب سے بڑی دلیل ہے اور تاریخ انسانی اس کی مثال تو کجا نظیر تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ اسلام کی آمد سے قبل جہاں دوسرے بہت سے معاملات حد سے تجاوز کر چکے تھے، وہیں یہود کے قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ میں عزت وشرف کا بالکل غیر فطری اور نہایت غیر معقول معیار رائج تھا۔ اس کے مطابق بنوقریظہ کا کوئی شخص بنونضیر کے فرد کو قتل کر دیتا تو قصاصاً قاتل کو بھی مارا جاتا، لیکن اگر بنونضیر کا کوئی فرد بنوقریظہ کے کسی شخص کو مار ڈالتا تو قصاصاً اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ اس کا خون بہا سو وسق کھجور کی صورت میں ادا کر دیا جاتا تھا۔ یعنی شرف ومرتبے کے اعتبار سے بنونضیر کو بنو قریظہ پر فوقیت حاصل تھی۔ اسلام کی آمد کے بعد عہد نبوی میں جب اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو بنوقریظہ نے سارا قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے توریت کے حکم کے بموجب تمام قبائل میں برابر کا قصاص جاری فرمادیا، اوران کے درمیان موجود یہ غیر فطری اور غیر منصفانہ تفریق ختم فرمادی۔ (۵۱)

حکمران طبقہ ہمیشہ سے اپنے آپ کو تمام مروجہ اصول وقوانین سے مبرا وماورا تصور کرتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اس تصور کی بھی نفی فرمادی اور ایک موقع پر فرمایا:

اگر فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹتا (۵۲)

حضرت سرق رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی رسول نے ایک دیہاتی سے اونٹ خریدا مگر بروقت اس کی قیمت ادا نہ کر سکے۔ وہ انہیں پکڑ کر دربار رسالت میں لے آیا اور واقعہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی اور صحابی ہونے کے لحاظ سے حضرت سرقؓ کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک نہیں فرمایا، بلکہ حقدار کا حق ادا کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے رقم نہ ہونے کا عذر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے دیہاتی نے کہا کہ انہیں بازار

---

(۵۱) ابوداؤد۔ کتاب الدیات، باب النفس بالنفس (۵۲) بخاری ج ۴ ص ۱۲۲

Marfat.com

لے جا کر فروخت کر دو۔ وہ انہیں بازار لے گیا اور وہاں ایک صحابی نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ (۵۳)

اسلام کی نظر میں لوگوں کا امیر یا قاضی ان کا خادم ہے، اس لئے اسے حکم ہے کہ وہ لوگوں سے نرمی کے ساتھ معاملہ کرے۔ اسے رعایا پر سختی کی اجازت نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول ﷺ نے فرمایا:

> اے اللہ جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا امیر مقرر ہو پھر ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی فرما، اور جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا امیر مقرر ہو اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما۔ (۵۴)

اسلام کی نظر میں قاضی لوگوں کے معاملات میں امین ہے۔ اگر وہ امانت داری کے ساتھ اپنے منصب سے انصاف نہیں کرتا تو اسے اپنے عہدے پر برقرار رہنے کا حق حاصل نہیں۔ ایسا شخص آخرت میں بھی سخت ترین عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

> جس شخص کو اللہ ایک رعیت دے (اسے لوگوں کا حاکم بنائے) پھر وہ مرے اور جس دن مرے اس دن اپنی رعایا پر خیانت کرتے ہوئے مرے تو اللہ اس کے لئے جنت کو ضرور حرام کر دے گا۔ (۵۵)

اس لئے اسلام کا حکم یہ ہے کہ عہدۂ قضا پر صرف اہل لوگوں کا تقرر کیا جائے اور اسلامی ریاست کا سربراہ پورے غور و خوض اور چھان پھٹک کے بعد ایسے افراد کو قاضی مقرر کرے جو اس کی نظر میں پوری طرح سے اس منصب کے معیار پر پورے اترتے ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے یہ عہدہ طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ اس عہدے کا مستحق نہیں رہا اور اگر اس کے باوجود اسے یہ منصب عطا کر دیا گیا تو وہ اللہ کی رحمت اور اس کے تعاون سے محروم کر دیا

---

(۵۳) علی بن عمر الدار قطنی/ سنن دار قطنی/ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور/ جلد ۲

(۵۴) مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل (۵۵) عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی/ السنن/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ باب فی العدل بین الرعیۃ/ ج ۲ ص ۴۱۷

Marfat.com

جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص (منصب) قضاء طلب کرتا ہے اسے اپنے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے (اسے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں رہتی)۔ اور جس شخص پر جبراً یہ عہدہ مسلط کر دیا جاتا ہے اس کی مدد کے لئے (آسمان سے) فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اسے غلط راستے پر چلنے سے روکتا ہے۔ (۵۶)

منصب قضاء کی انہی سختیوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

جو شخص منصبِ قضا پر فائز ہوا یا (فرمایا) اسے قاضی مقرر کیا گیا تو گویا کہ وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ (۵۷)

لیکن اگر کوئی قاضی یا جج انصاف اور عدل کے ساتھ فیصلے کرتا ہے اور کسی معاملے میں خیانت، ظلم یا سختی سے کام نہیں لیتا، نہ ذاتی مفاد کی خاطر شریعتِ اسلامی کے اصولوں کو پس پشت ڈالتا ہے تو ایسے شخص کے لئے متعدد احادیث میں خوشخبری بیان ہوئی ہے اور آخرت میں اسے بلند درجات اور انواع واقسام کے انعامات کی بشارت سنائی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عدل وانصاف کرنے والے بندے (روزِ قیامت) اللہ کے پاس نور کے منبروں پر اللہ کے دائیں جانب ہوں گے۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال (اور متعلقین) کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔ (۵۸)

آج اگر وطن عزیز پاکستان میں استحکام پیدا کرنا ہے تو اسلام کے تعلیم فرمودہ ان راہنما اصولوں کی روشنی میں کام کرنا ہوگا اور ایسا نظام عدل وانصاف قائم کرنا ہوگا جو بلا امتیاز رنگ ونسل و بلا

---

(۵۶) ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی

(۵۷) عن ابی ہریرۃؓ، ترمذی، ایضاً (۵۸) مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل

☆ نسائی، کتاب اداب القضاۃ، باب فضل الحاکم العادل فی حکمہ

Marfat.com

تفریق ہر شہری کو آسان، فوری اور سستے انصاف کی ضمانت دے سکے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے متعین کردہ خطوط پر اپنا نظام عدل استوار کر کے ہی ہم استحکام کی منزل کو قریب تر کر سکتے ہیں۔

انسدادِ جرائم

ریاست کے استحکام اور اس کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے میں ایک اہم کردار جرائم کی حوصلہ شکنی کرنے والے قوانین کے اجرا اور ان کے نفاذ کا ہوتا ہے۔ یہ کام جس قدر احتیاط، غیر جانبداری اور انصاف سے کیا جائے گا اسی قدر ریاست کے استحکام کے لئے مفید ہو گا۔ اسلامی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے انسدادِ جرائم کے سلسلے میں جو قوانین عطا ہوئے ہیں وہ وحی کی صورت میں منزل من اللہ ہیں۔ اس لئے انسانی لغزشوں اور بشری فروگذاشتوں سے بالکل پاک ہیں۔ البتہ جرائم کے انسداد اور سدِ باب کے لئے صرف قوانین کا وضع کرنا ہی کافی نہیں ہوتا، اصل مسئلہ ان کا نفاذ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوانین واصول تو دنیا نے بنائے لیکن جرائم پر قابو صرف اس معاشرے میں پایا جا سکا جہاں وہ قوانین بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا امتیازِ طبقات و قبائل رائج ہوئے

آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں بھی اپنے عمل سے واضح رہنمائی فرمائی اور جرائم کی روک تھام کے لئے صرف قوانین کے اعلان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سلسلے کو تفریق سے محفوظ رکھتے ہوئے تمام اراکین ریاست پر انہیں یکساں طور پر نافذ کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی رعایت سے کام نہیں لیا اور نہ ہی کسی کی سفارش قبول کی۔ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ وہ گرفتار ہوئی۔ چونکہ اس کا تعلق بڑے خاندان سے تھا، اس لئے کوشش کی گئی کہ اس پر حد سرقہ جاری نہ کی جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے بہت قربت رکھنے والے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اس کے حق میں سفارش کرائی گئی۔ باوجودیکہ آپ ﷺ حضرت اسامہ کو بہت عزیز رکھتے تھے، مگر آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی بلکہ ان پر غصہ ہوئے اور فرمایا:

اسامہ کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟

اور پھر لوگوں کو جمع کر کے خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

تم سے پہلے کی امتیں اس لئے برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا

Marfat.com

تو درگزر کرتے اور معمولی حیثیت کا شخص جرم کر بیٹھتا تو اس کو سزا دیتے۔
خدا کی قسم اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔(۵۹)

اس حدیثِ نبوی سے ہمیں وطن عزیز کے استحکام کے لئے یہ واضح راہنمائی ملتی ہے:

۱۔جرائم کے انسداد اور ان کی روک تھام کے لئے تمام مروجہ اصولوں اور قوانین کو پوری قوت کے ساتھ اور ہر قسم کے امتیاز کے بغیر نافذ کرنا ہوگا،اور کسی شخص کو صرف اس بنیاد پر معافی نہیں دی جا سکتی کہ وہ بڑے خاندان یا طبقۂ اشرافیہ سے تعلق رکھتا ہے۔اور نہ کسی شخص کی دنیاوی وجاہت وحیثیت کی وجہ سے اس سے نرمی ودرگزر کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ عند اللہ عزت وشرف کا مدار دنیاوی وجاہت وحیثیت نہیں بلکہ صرف اور صرف تقویٰ ہے۔قرآن کریم میں فرمایا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

بلاشبہ تم میں سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔(۶۰)

۲۔قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں امیرِ ریاست کو اپنے قریب تر فرد کی سفارش قبول کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ایسا کرنے سے نہ صرف وہ گناہگار ہوگا بلکہ یہ بات ملکی استحکام کے لئے بھی ضرر رساں ہے۔

۳۔مروجہ قوانین کا تعلق صرف عوام اور رعایا سے نہیں ہے بلکہ ان کا اطلاق حکمران طبقے اور کلیدی عہدوں پر فائز افراد پر بھی یکساں طور پر ہوتا ہے۔اور وہ صرف اس بنا پر اپنے آپ کو قوانین سے ماوراقرار نہیں دے سکتے کہ وہ ریاست کے حکمران ہیں یا ریاستی طاقت ان کے تصرف میں ہے،جس کی جانب آپ انبیہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ ''اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹتا۔''

اسلامی نظام میں طاقت کا سرچشمہ حکمران نہیں خود ربِ کائنات ہے۔کیونکہ ارشاد ہے:
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

---

(۵۹) بخاری ۴/۱۲۲،دارمی ۲/۲۲۷ (۶۰) الحجرات:۱۳

Marfat.com

اور یہ اسلامی قوانین کے بلا امتیاز نفاذ کا ہی کرشمہ تھا کہ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دورِ حکومت کو آج بھی ہر اعتبار سے زریں اور مثالی دورِ حکومت قرار دیا جاتا ہے۔ اور اسلام کی یہ برکتیں صرف اس دور تک خاص نہیں، بعد میں بھی اگر کسی نے ان پر عمل کیا تو وہ یقیناً ان سے فیض یاب ہوا۔

مشہور واقعہ ہے کہ جن دنوں سعودی عرب کے شاہ فیصل حکمران تھے وہ امریکہ کے دورے پر تشریف لے گئے۔ واشنگٹن ڈی سی میں صدر سے ملاقات کے بعد ہوٹل میں جہاں ٹھہرے کا انتظام تھا وہاں مغربی پریس اور میڈیا کے رپورٹروں نے انہیں گھیر لیا۔ ایک نامہ نگار نے سوال کیا جناب والا! آپ کے قوانین غیر انسانی، غیر مہذب اور وحشت اور درندگی پر مبنی ہیں۔ مہذب دنیا سے ان کا دور کا واسطہ نہیں۔ ہاتھ کاٹ دینا، سرعام سر قلم کر دینا، سنگسار کر دینا۔ اس ترقی یافتہ دور میں وحشت اور درندگی نہیں تو اور کیا ہے؟ شاہ فیصل اس کا سوال سن کر مسکرائے اور فرمایا! میرے ملک میں اسلامی شرعی قوانین نافذ ہیں۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے! اور یہ ''دینی ڈسپلن'' ہے جو احتساب، فوری سزا اور جزا، انصاف اور معاشی ہم آہنگی اور آسودگی کی ضمانت دیتا ہے۔ میں آپ کو سعودی عرب آنے کی دعوت دیتا ہوں، آپ اپنی بیوی کے ہمراہ تشریف لائیں۔ میرے مہمان رہیں۔ میں جدہ ائیر پورٹ پر آپ کا خیر مقدم کرنے کے بعد آپ دونوں کو سونے اور جواہرات سے لاد دوں گا۔ آپ اپنی مرضی سے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب جہاں اور جب چاہیں، جس سواری پر چاہیں جائیں۔ پہلی بات جو آپ دیکھیں گے وہ یہ ہے کہ آپ کو وہاں کوئی ہاتھ کٹا دکھائی نہیں دے گا، دوسرے کوئی بھکاری نظر نہیں آئے گا، تیسرے اس پورے سفر میں آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اس مشق کے بعد آپ واپس امریکہ آ کر انہیں زیورات میں اسی ایئر پورٹ پر اتر کر بذریعہ ٹیکسی اس ہوٹل میں پھر تشریف لائیں، اگر آپ ان زیورات کے ساتھ خیریت سے پہنچ گئے تو فبہا ورنہ مجھے آپ سے پوچھنے کا حق ہوگا کہ وحشی یا مہذب کون ہے، میں یا آپ؟ (۶۱)

اگر ہم بھی اپنے وطن پاک میں امن وامان کا دور دورہ دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ خواہش

(۶۱) اردو ڈائجسٹ، لاہور/ جشن آزادی نمبر/ لاہور/ اگست ۹۷ء، اگست ۹۷ء، صفحہ ۲۸

Marfat.com

رکھتے ہیں کہ استحکام وطن کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے بیان فرمودہ ان زریں اصولوں کو اپنی روزمرہ زندگی کا جزو لاینفک قرار دینا ہوگا اور خصوصاً ان تمام حضرات کو جو کسی بھی قسم کا اختیار رکھتے ہیں یا قوانین کے اجراء و نفاذ کے ذمہ دار ہیں تمام اصول و قوانین کا اپنی ذات پر بھی اسی طرح بلا رو و رعایت اطلاق کرنا ہوگا۔ جیسا کہ عوام الناس پر ان کا بلا امتیاز و بغیر رعایت کے اطلاق ہوتا ہے۔

ملکی دفاع

کوئی بھی ریاست ملکی دفاع کی جانب سے غفلت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ اس کے بغیر استحکام کا تصور نامکمل ہے۔ امن و استحکام کے لئے ایک اہم اصول یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں اپنی فوجی تیاری ہر وقت مکمل رکھی جائے اور ملک کی افواج کو ہر لمحہ دشمن سے فائق اور برتر حالت میں رکھا جائے۔ قرآن کریم اس بنیادی حربی، فوجی اصول کی جانب یوں اشارہ کرتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

اور (مسلمانو!) جس قدر تم سے ہو سکے (اپنی) قوت سے اور سدھے ہوئے گھوڑوں سے (مقابلے کے لئے) سامان تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔ (۶۲)

اس آیت میں جنگ کے لئے ہر لحاظ سے اور مکمل طور پر تیار رہنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تم دشمن کے مقابلے میں ویسا ہی سامان اتنی ہی مقدار میں جمع کرو جتنا کہ تمہارے دشمن کے پاس ہے۔ بلکہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق بھرپور تیاری رکھو، باقی اللہ پر بھروسہ رکھو انشاء اللہ اس کی نصرت سے کامیابی تمہاری ہی ہوگی۔

اس آیت میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوت کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس

---

(۶۲) الانفال: ۶۰

Marfat.com

میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ قوت ہر زمانے اور ہر مقام پر مختلف ہوسکتی ہے۔ توپ اور تفنگ کے سامنے جس طرح تلوار اور نیزے کارآمد نہیں اسی طرح کیمیاوی اور ایٹمی ہتھیاروں کے دور میں عام گنوں اور رائفلوں پر بھروسہ قوت کی تعریف میں نہیں آتا۔ جو بھی مروجہ ہتھیار اور آلات حرب ہوں ان کی مقدور بھر تیاری رکھنا ضروری ہے۔

باغیوں کے خلاف جہاد

ملکی دفاع اور ریاستی استحکام کے لئے باغیوں کی سرکوبی اور ان کے خلاف جہاد کرنا بھی نہایت ضروری ہے، تاکہ ملک کے داخلی معاملات بغیر انتشار کے رواں دواں رہیں اور بدامنی وفساد نہ پھیلنے پائے، اور اس طرح ریاست کمزوری اور افتراق وانتشار کا شکار ہونے سے محفوظ رہے۔

اسلام کی نظر میں بغاوت بدترین جرم ہے۔ خلیفہ اور امیر کے انتخاب کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور اس کی اطاعت کرنا تمام مسلمانوں کے لئے لازمی ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ اپنے عزائم وخواہشات کی تکمیل کے لئے خلیفہء وقت کے خلاف بغاوت کرے اور اس کے احکامات کو تسلیم کرنے سے انکار کرے یا کوئی گروہ منتخب شدہ خلیفہ اور امیر کے مقابلے میں اپنا علیحدہ قائد منتخب کرے اور اسلامی ریاست میں افتراق وفساد کا باعث بنے تو خلیفہء وقت کو چاہئے کہ وہ ان آمادہء شر وفساد قوتوں کی پوری قوت کے ساتھ سرکوبی کرے، تاکہ آئندہ کوئی بغاوت کرنے اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچانے کا تصور نہ کر سکے۔ (۶۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے خلاف بغاوت کرے

---

(۶۳) ہادی اعظم/ص ۸۴۳

Marfat.com

تو تم سب بغاوت کرنے والے گروہ کے خلاف لڑو، یہاں تک وہ اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹ جائے۔ (۶۴)

یعنی اگر کوئی گروہ صلح کے بعد بغاوت کر کے انتشار کا سبب بنے تو تمام مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس باغی گروہ کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم اور فیصلے کی طرف لوٹ آئے اور پوری قوم کا فیصلہ تسلیم کرتے ہوئے بغاوت سے باز آ جائے۔

جاسوسوں کی سرکوبی

ہر ریاست کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی حکومت اور مملکت کے دفاع کو اس قدر مضبوط کر لے کہ اس کے دشمن کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔ لیکن اس راہ میں ایک رکاوٹ حریف ممالک کی جانب سے بھیجے جانے والے جاسوسوں کی صورت میں پیش آتی ہے جو ملک کے اندرونی معاملات کے راز، خصوصاً جن امور کا تعلق ملکی دفاع و سالمیت سے ہوتا ہے، وقتاً فوقتاً اپنے ملکوں کو فراہم کرتے رہتے ہیں، جس سے ملکی دفاع و تحفظ سے وابستہ ساری مشینری مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے اور ملک کے اندرونی معاملات راز نہیں رہتے۔ اسلام نے ان وجوہ کی بنا پر جاسوسوں کی سختی کے ساتھ سرکوبی کی ہدایت کی ہے۔

فتح مکہ کے لئے جب مدینہ منورہ میں خفیہ طور پر تیاریاں جاری تھیں اور حدیبیہ کا معاہدہ منسوخ ہو چکا تھا۔ اس وقت ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے ہاتھ کچھ معلومات مشرکین مکہ کے پاس روانہ فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوئی۔ وہ عورت پکڑی گئی، خط ضبط کیا گیا اور حضرت حاطبؓ سے اصل معاملہ دریافت کیا گیا۔ انھوں نے کہا چونکہ میرے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں اور قریش سے میرا کوئی نسبی تعلق نہیں جیسا کہ دوسرے مسلمانوں کا ہے، اس لئے میں نے چاہا کہ ان پر احسان کروں تا کہ وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ آنحضور ﷺ نے ان کی تائید فرمائی۔ حضرت عمر نے کہا کہ یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں، مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بدر میں شریک رہے ہیں، پھر فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی (۶۵)۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ

(۶۴) الحجرات: ۹ (۶۵) بخاری/ ج ۳ ص ۴۳

Marfat.com

آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ

اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو حالانکہ وہ اس دین حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔ (۶۶)

جہاد، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ

وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تا کہ وہ اس (دین حق) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کر دے۔ (۶۷)

اس لئے اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ دین اسلام کے غلبے کے لئے جہاد کا باقاعدہ نظام قائم کریں، کیونکہ اسلام کو پھیلانے اور عام کرنے کی راہ میں جو رکاوٹیں پیش آئیں گی ان کا ازالہ صرف جہاد ہی سے ممکن ہے۔ اور چونکہ یہ معاملہ حربی امور سے تعلق رکھتا ہے اس لئے جہاد لاعلاء کلمۃ اللہ بھی ملکی دفاع کا ایک حصہ ہے اور اسلام میں اس کے اسی مقام کی بنا پر فقہاء کرام نے عام حالات میں جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں میں سے کچھ گروہ سلسلۂ جہاد کو قائم رکھیں گے تو یہ فریضہ پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائے گا ورنہ بصورتِ دیگر پوری امتِ مسلمہ اس فریضہ کی تارک اور گناہگار ہوگی۔ جہاد کی یہ اہمیت اور تاکید قرآن کریم میں مختلف آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

---

(۶۶) الممتحنہ: ۱ (۶۷) الفتح: ۲۸

Marfat.com

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

(اے مسلمانو!) تم (جہاد کے لئے) نکل پڑو، خواہ ہلکے ہو یا بھاری اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔(۶۸)

یہاں جہاد کی دو اقسام جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا ذکر ہے اور پھر چونکہ انسان کے لئے اپنا مال خرچ کرنا بہت شاق ہے اور پھر جان لٹا دینا اور بھی سخت ہے، اس لئے آگے یہ بھی فرمادیا کہ تم چاہے خوشی سے یہ بات تسلیم کرو یا نہ کرو، درحقیقت تمہارے لئے بہتر یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں، فرمایا:

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

تمہارے لئے یہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔(۶۹)

اسلام کے اس عظیم مقصد دین کو سارے عالم میں تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرنے کے لئے جہاد کی ترغیب اور حکم دوسرے مقام پر یوں ارشار فرمایا:

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ

اور تم کافروں سے قتال کرو، حتیٰ کہ فساد ختم ہو جائے اور سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے۔(۷۰)

اوپر تحریر ہونے والی تفصیل سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ آج وطن عزیز پاکستان کو دفاعی اعتبار سے ناقابل تسخیر بنانے کے لئے ایک طرف تو یہ امر نہایت ضروری ہے کہ افواج پاکستان کے لئے مروجہ آلاتِ حرب کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے اور ان کی پیشہ وارانہ صلاحیت ومہارت میں امکانی حد تک اضافہ کیا جائے۔ دوسری جانب اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ان افراد پر بھی کڑی نظر رکھی جائے اور ان سے ملک کو پاک کیا جائے جو حریف ممالک کے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان ممالک سے تعلق رکھتے ہوں یا اسی وطن کے باسی ہوں مگر چند سکوں کی

---

(۶۸) التوبہ:۴۱ (۶۹) التوبہ:۴۱ (۷۰) الانفال:۳۹

Marfat.com

خاطر اپنی وفاداری نیلام کر چکے ہوں۔ ایسے ننگِ وطن لوگوں سے رعایت، وطن کے استحکام و سالمیت کے لئے سخت ضرر رساں ثابت ہو سکتی ہے۔ نیز ایسے حالات پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ کسی کو ملکی نظام سے بغاوت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اگر مذکورہ اقدامات کر لئے جائیں تو ملکی دفاع کو بھی ناقابلِ تسخیر بنایا جا سکتا ہے اور استحکام کے حصول کے لئے کی جانے والی کوششیں بھی بار آور ثابت ہو سکتی ہیں۔

مساوات

اسلامی ریاست کے تمام طبقات اور قوتوں کے مابین ہر اعتبار سے مساوات قائم رکھنا بھی والیانِ ریاست کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ معاشرتی اونچ نیچ بھی ملکی استحکام کو خطرات سے دوچار کر سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں بھی جامع ترین اسوۂ عمل ہمارے لئے چھوڑا ہے۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں عقائد و مذہب کی بنیاد پر تعصب کی جڑیں نہایت گہری تھیں، آپ ﷺ نے کسی بھی طرح سے مساوات کی روح کو متاثر نہیں ہونے دیا، خصوصاً قوانین کے اجرا و نفاذ میں بھی مساوات کا خاص خیال رکھا۔ ریاست کے معاملات میں سب برابر تھے، خواہ امیر ہو یا غریب اور کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم، آپ کا سلوک ان کی انفرادی اور مذہبی حیثیت سے قطعِ نظر صرف وہی ہوتا تھا جس کا انصاف تقاضا کرتا تھا اور جو عدل کے مطابق تھا، یہی وجہ تھی کہ یہود جیسے کٹر دشمنانِ اسلام تک نے اپنے باہمی تنازعات میں ہمیشہ آپ ﷺ کے فیصلوں پر اعتماد کیا۔

آپ ﷺ نے مساوات کے سلسلے میں کبھی اپنے اور بیگانے کی تفریق نہیں فرمائی۔ نہ صغیر و کبیر کی بنیاد پر کسی قسم کا امتیاز کیا۔ آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ ہر معاملے میں تیمن (دائیں طرف سے ہر کام کے آغاز) کو پسند فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کی مجلس میں کبار صحابہؓ کا مجمع تھا۔ اتفاق سے دائیں جانب ایک کم سن صحابی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بیٹھے ہوئے تھے۔ کہیں سے دودھ آیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرما کر ان سے پوچھا کہ اگر اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دے دوں؟ کمسن صحابی (ابن عباس) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس ہدیے میں ایثار نہیں کر سکتا۔ آپ نے انہیں دودھ

Marfat.com

دے دیا، کیونکہ دائیں جانب ہونے کی وجہ سے ازروئے ترتیبِ مجلس وہی حق دار تھے۔(۷۱)

امرا اور طبقۂ اشرافیہ کا زمانہ قدیم میں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے مختلف روایات قائم کرتے ہیں۔ یہ روش معاشرے میں طبقاتی تضاد کو ابھارتی اور اراکین سلطنت میں تفریق کو فروغ دیتی ہے،، جس سے اتحاد و اتفاق اور مساوات کی روح مجروح ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے ہر طرز کی سختی سے تردید فرمادی اور اس قسم کے اقدامات کی حوصلہ شکنی کی۔ قریش اپنے فخر و امتیاز کے لئے صرف مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس تفریق کو بھی کبھی پسند نہیں فرمایا۔(۷۲)

آپ ﷺ نے اپنے لئے بھی عام لوگوں سے نمایاں انداز اختیار نہیں فرمایا۔ ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مل جل کر اور سادہ انداز میں زندگی بسر کی حتیٰ کہ جب صحابہ کرام نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ کے لئے سایہ دار چھپر ڈال دیا جائے تو آپ ﷺ نے اسے بھی ناپسند فرمایا۔(۷۳)

آپ ﷺ ہر کام میں خود بنفس نفیس شریک رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالنے کے بعد آپ ﷺ کا پہلا کام مسجدِ نبوی کی تعمیر تھی، جو مسجد ہونے کے ساتھ ساتھ ایوان حکومت، دربارِ رسالت، مرکزِ اسلام اور دارالانصاف وغیرہ سب ہی کچھ تھی۔ آپ ﷺ اس کی تعمیر میں بذاتِ خود شریک رہے اور خود اینٹیں اٹھا کر لاتے رہے۔(۷۴)

غزوہ خندق کے موقع پر جب مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا مرحلہ آیا تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قدم قدم پر شریک رہ کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے خود کھدائی میں حصہ لیا، یہاں تک کہ آپ کے جسم مبارک پر مٹی جم گئی تھی۔(۷۵)

غزوہ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ تین افراد کے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا۔ تمام لوگ باری باری سفر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے حصے میں آنے والے اونٹ میں بھی دو اور صحابی شریک تھے۔ سب نے کہا کہ آپ سواری فرمائیں ہم پیادہ چلیں گے مگر آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ چل سکتے ہو، نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں(۷۶)

---

(۷۱) بخاری/ج۳ص۲۳۲ (۷۲) سیرت النبی ۲/۳۰۳ (۷۳) منداحمد/ج۷ص ۶۲۸

(۷۴) بخاری/ج۷ص۲۲۹ (۷۵) بخاری/ج۳ص۲۳ (۷۶) سیرت النبی/ج۲ص۲۰۳

Marfat.com

یہ تھا وہ اسوۂ حسنہ جو آپ ﷺ نے ایک حاکم اور امیر سلطنت کی حیثیت سے پیش فرمایا۔ یہ اسوہ ہم سب کو دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ ہمارے یہاں معاشرتی اونچ نیچ بہت بڑھ چکی ہے، حکمرانی کو ایک خاص طبقے کی میراث قرار دے دیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عام لوگوں کے لئے ضروریاتِ زندگی قرار دی جانے والی اشیا بافراط دستیاب نہیں اور دوسری جانب طبقہ اشرافیہ کے اللّے تللّے تمام حدود سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ کسی بھی قسم کا اختیار رکھنے والے اپنے آپ کو عامۃ الناس کی سطح سے برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ قانون کے بارے میں عام تصور یہ قائم ہو چکا ہے کہ اس کا اطلاق اور نفاذ صرف عوام پر ہوتا ہے۔ ایسی سنگین صورتِ حال میں ضروری ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل کا از سر نو جائزہ لیں اور اپنے اندازِ حیات کو تبدیل کریں۔ معاشرے میں بے چینی و بداعتمادی کا سبب بننے والی مصنوعی تفریق کو ختم کریں اور حکومتی ذمے داریوں پر فائز ہونے والے حضرات اپنے اندازِ فکر کو بدلتے ہوئے سب کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں۔ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر قسم کا امتیاز ہمارے ہاں ختم ہو جائے اور سب مساوات و بھائی چارے کے ساتھ امن وسکون کے ساتھ رہ سکیں اور وطن عزیز کو استحکام حاصل ہو۔

علاقائی عصبیت

ملکی استحکام کے لئے علاقائی اور قبائلی عصبیت سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسا معاشرہ مسلسل طبقاتی کشیدگی اور انارکی کی زد میں رہتا ہے جہاں کسی بھی سطح پر تعصب روا رکھا جاتا ہو، خاص کر جب یہ تعصب باہمی اور ریاستی معاملات میں در انداز ہو جائے تو اس کے نتائج نہایت مہلک اور دوررس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبائلی تفریق کا در یہ ارشاد فرما کر بند کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور شرف کا مدار تقویٰ پر ہے، قوم و قبائل پر نہیں۔ ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر

Marfat.com

> تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔(۷۷)

اس ارشاد میں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ قوم وقبائل کی تقسیم صرف باہم متعارف ہونے کے لئے کی گئی۔ اس کو عصبیت کی بنیاد بنانا درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی سنگینی کے پیش نظر اس پر اپنی توجہ مرکوز کی اور مدینہ منورہ میں ہی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے انصار ومہاجرین کے مابین رشتۂ مواخات قائم کردیا، جو اپنے بعض احکامات اور ان انصار و مہاجرین کے مابین مثالی تعلقات کی وجہ سے نسبی تعلقات پر بھی فوقیت رکھتا تھا۔ ورنہ انصار و مہاجرین کے قبائلی پس نظر کو دیکھتے ہوئے ان کے مابین کسی بھی موقع پر اختلافات کا خدشہ موجود تھا۔ اس رشتے نے جس کی بنیاد صرف مذہب پر قائم ہوئی، تاریخ انسانیت میں نیا باب رقم کیا۔

اس کے باوجود جب کبھی کسی جانب سے مغایرت یا تفریق کی آواز بلند ہوئی آپ ﷺ نے اس کا فوراً سدباب کیا۔

> حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر صحابیؓ نے ایک انصاریؓ کو تھپڑ مارا۔ انصاری نے کہا یاللانصار، اور مہاجر نے اس کے جواب میں یاللمہاجر کی صدا لگائی (قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے)۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو تھپڑ مار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کی پکار چھوڑ دو، یہ نہایت ناگوار بات ہے۔(۷۸)

یوں ایک بے مقصد مگر نہایت ضرر رساں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ہمارے وطن پاک کے موجودہ حالات کے حوالے سے اس روایت میں راہنمائی کا بہت سا سامان موجود ہے۔ اگر ہم اپنے وطن کو ہر قسم کی عصبیت وتعصب سے پاک کرنا چاہتے ہیں تو اس حدیث شریف کی روشنی میں عملی

---

(۷۷) الحجرات: ۱۳   (۷۸) بخاری/ ج ۳ ص ۱۴۵

Marfat.com

اقدامات کرنے ہوں گے۔ وطنِ عزیز اس وقت جس آزمائش سے دوچار ہے اس سے نکلنے کے لئے ہم سب کو اپنی ذاتی و شخصی خواہشات اور گروہی مفاد کو ملکی مفاد پر قربان کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے، جس سے تمام طبقات میں اتفاق و اتحاد کا احساس پیدا ہو، اور ایسا کوئی قدم ہرگز نہ اٹھایا جائے جس سے کسی امتیاز یا تعصب کی بو آتی ہو۔

حدود و تعزیرات

ریاست کے داخلی امن و استحکام کے لئے ایک چیز جو نہایت مضر ثابت ہوتی ہے وہ اخلاقی جرائم ہیں۔ اسلام بے حیائی، بدکاری و بدکرداری کو سختی کے ساتھ ختم کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر اچھی معاشرتی اقدار کو پنپنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بدکاریوں کے چرچے ہوں ان کے لئے دنیا و آخرت (دونوں) میں دردناک عذاب ہے۔ (۷۹)

اس آیت میں خواہشات و منکرات کا تذکرہ تھا، دوسرے مقام پر خاص طور پر زنا کی مذمت و شناعت یوں بیان فرمائی۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۳۲﴾

اور زنا کے قریب (بھی) مت جاؤ یقیناً وہ بے حیائی اور بڑی بری راہ ہے۔ (۸۰)

یعنی معاشرہ بھی اسی سے بگڑتا ہے اور فرد بھی اسی سے تباہ ہوتا ہے۔

معاشرے میں چوری، ڈاکہ زنی، افراتفری، بدنظمی، بے یقینی اور عدم اطمینان کی فضا کو جنم دیتے ہیں۔ اسلام نے ان کی بھی بیخ کنی کی ہے۔ اسلام چور کو چوری سے روکنے کے لئے سب سے پہلے ان عوامل کو تلاش کرتا ہے جو اتنے بڑے اقدام کا سبب بنتے ہیں، پھر ان کا سدِ باب کرتا

---

(۷۹) النور: ۱۹ (۸۰) بنی اسرائیل: ۳۲

Marfat.com

ہے۔اس کے فلسفے کے مطابق چور اور ڈاکو کو ضروریاتِ زندگی کی مناسب انداز میں عدم فراہمی اس انتہائی اقدام پر برانگیختہ کرتی ہے۔ اس لئے اسلام ایسے اقدامات کرتا ہے جس سے اسلامی ریاست میں بسنے والے ہر شخص کو اسباب زیست اس قدر وافر مقدار میں دستیاب ہو جائیں کہ کسی کو ایسے ناپاک اقدام کی ضرورت ہی نہ رہے۔اس کے لئے وہ حکمرانوں میں احساس ذمے داری بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ احساس ذمہ داری ہی تھا کہ جس نے نصف شب کو خلیفہ ثانی کو اپنی پشت پر اناج کی بوری اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

لیکن اس کے بعد بھی کوئی چوری کرے، ڈاکہ ڈالے تو یہ اس کی فسادی طبیعت کا اثر ہوگا، جس سے معاشرے کو بچانا ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی فطرت ہی میں سرکشی ہے۔ وہ اسی معاشرے کو نشانہ بنانا چاہتا ہے جس نے اب تک اس کی کفالت ونگہداشت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ایسے شخص کو کھلا چھوڑ کر اسے ریاست کا امن تہہ و بالا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی۔

اسی طرح انسانی جان سے محترم اور قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے انسانی جان کی حرمت کا حکم قرآن میں صریح الفاظ میں ذکر فرمایا گیا۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ

اور جس جان کو مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو مت مارو، مگر جائز طور پر۔(۸۱)

یعنی سوائے اس صورت کے کہ وہ کسی سنگین جرم کی وجہ سے اپنی حرمت کھو بیٹھا ہو، مثلاً وہ مرتد ہوگیا ہو یا اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو، تمہارے لئے انسانی جان کا قتل کرنا حرام ہے۔

انسانی جان کے احترام وحرمت کے پیش نظر اس کے کسی عضو کو تلف کرنے پر بھی سزائیں جاری کی گئیں۔ ان تمام جرائم وقبائح کے سد باب کے لئے اسلام ایک مربوط ومکمل نظام رکھتا ہے، جسے حدود وتعزیرات کہا جاتا ہے۔ یہ تمام انتظام واہتمام معاشرے کو قتل وغارت، فحاشی وبدکاری اور چوری، ڈاکے سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا گیا اور جہاں جہاں ان اصولوں پر عمل ہوا وہاں کا

(۸۱) بنی اسرائیل: ۳۳

Marfat.com

مثالی استحکام وامن وامان قوانین کے مفید ہونے کی بین دلیل ہے۔ اگر ہم اپنے وطن میں استحکام چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ان اسلامی قوانین کا ان کی روح کے مطابق فوری اطلاق ونفاذ کریں، اوران پر سختی سے عملدرآمد کرائیں اگر ایسا ہو جائے تو ہم بھی قرونِ اولیٰ جیسا امن وامان اور استحکام حاصل کر سکتے ہیں۔

انسدادِ رشوت

ملکی اور ریاستی استحکام کے لئے جو چیزیں سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں ان میں سے ایک رشوت کی لعنت بھی ہے۔ رشوت نے اچھے اچھے اور ترقی کرتے ہوئے معاشروں کا قلیل ترین مدت میں شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ جس ملک میں رشوت کا دور دورہ ہو وہاں امن و استحکام کی امید رکھنا عبث ہوتا ہے، کیونکہ یہ ظلم واستبداد کو جنم دیتی ہے، برائیوں اور بدعنوانیوں کو پروان چڑھاتی ہے اور عدل وانصاف کا قلع قمع کرتی ہے۔ جب کہیں پر رشوت کا راج ہو جاتا ہے تو پھر عوام کے جائز حقوق غصب ہونے لگتے ہیں۔ ان کی جان ومال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور حق تلفی، فریب کاری، حرص وطمع، عہد شکنی اور خباثت وبد دیانتی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں باہمی تنازعات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو بالآخر حکومت و ریاست کی تباہ کاری پر منتج ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے رشوت لینے اور دینے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے (۸۲)

دنیا میں رشوت کے بہت سے طریقے رائج ہیں، لیکن ان سب میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ ہر صورت میں صاحبِ اختیار ومنصب کی قیمت لگاتا ہے اور اس کی بدترین قسم وہ ہے جس میں ایک شخص کو اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لئے بھی رشوت دینی پڑے، یہ سلسلہ آج کل ہمارے ہاں خصوصیت کے ساتھ رائج ہے اور عوام الناس کے لئے نہایت تکلیف اور پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔

حکومتی مناصب پر فائز حضرات کی ایسی روش خاص طور پر زیادہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ایک واقعے کا ذکر ہے۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک

(۸۲) ترمذی/ رقم ۱۳۳۶، ☆ ابوداود/ رقم ۳۵۸۰

Marfat.com

مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لئے اپنا عامل مقرر فرما کر روانہ کیا۔ جب وہ مال وصول کر کے لوٹا تو آپ ﷺ نے رقوم کا حساب طلب کیا۔ اس پر وہ کہنے لگا:

هذا مالكم و هذا هدية اهديت لی

یہ آپ کا مال ہے۔ یعنی وصول شدہ صدقات ہیں اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ غصہ ہوئے اور فرمایا:

فهلا جلست فی بيت ابيک و امک حتی تاتيک هديتک ان كنت صا دقاً

اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہے؟ یہ ہدیہ وہیں تمہارے پاس آجاتا۔

پھر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس عمل کی مذمت فرمائی اور اس کے وبال کا بھی ذکر فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اما بعد! فانی استعمل الر جل منكم علی العمل مما ولانی الله، فياتی فيقول هذا مالكم و هذا هدية اهديت لی، افلا جلس فی بيت ابيه و امه حتی تاتيه هديته؟ و الله لا يا خذ احد منكم شيئا بغير حقه الا لقی الله يحمله يوم القيامة، فلاعرفن احد منكم لقی الله يحمل بعيراً له رغاء او بقر ة لها خوار، او شاة تعير (۸۳)

حمد و ثنا کے بعد! میں تم میں سے کسی شخص کو اس کام پر عامل مقرر کرتا ہوں، جس کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے۔ پھر وہ شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ سو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا کہ اس کا ہدیہ وہیں پہنچ جاتا۔ خدا کی قسم تم میں سے جو

(۸۳) بخاری/ ج ۴ ص ۱۴۶

Marfat.com

شخص بھی کوئی چیز ناحق وصول کرے گا وہ قیامت کے روز اس حال میں اللہ سے ملے گا کہ وہ اس کو اٹھائے ہوئے ہوگا، میں تم میں سے ہر اس شخص کو پہچان لوں گا جو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اونٹ اٹھائے ہوئے ہوگا جو بلبلا رہا ہوگا، یا گائے اٹھائے ہوئے ہوگا جو ڈکرا رہی ہوگی یا بکری اٹھائے ہوئے ہوگا جو ممنا رہی ہوگی۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس مبارک خطبے میں کئی باتوں کی وضاحت فرما دی:

۱۔ وہ تمام حکام جو کسی بھی قسم کی مالی وصولیوں کے ذمہ دار ہیں۔ ان کو ملنے والے تمام تحائف سرکاری خزانے کی امانت ہیں۔ ان کا ان تحائف پر کوئی حق نہیں۔

۲۔ اسی طرح تمام سرکاری حکام اور ذمہ دار حضرات کو ملنے والے تحائف بھی چونکہ ان کے مناصب اور عہدوں کی بنا پر انہیں ملتے ہیں اس لئے وہ ان کے حقدار نہیں۔

۳۔ ہر قسم کا وہ مال و اسباب جو ناحق، زبردستی، دھوکہ دہی کے ذریعے، اپنے منصب کا غلط استعمال کر کے یا کسی بھی ناجائز طریقے سے وصول کیا جائے گا وہ روزِ قیامت وبال اور شرمندگی کا باعث ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں اپنی گردنوں پر اٹھایا ہوگا اور جو چیز اس طرح وصول کی جائے گی وہ خود چیخ چیخ کر اور پکار پکار کے وصول کرنے والے کے ظلم و ستم کا اعلان کرے گی۔

اسی لئے فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ تمام عمائدین حکومت اور والیان سلطنت کو ملنے والے تحائف ان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے، اس لئے ان سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔ وہ حکومت کی ملکیت ہیں۔ اسی طرح کمیشن کے نام پر لی جانے والی رقوم بھی رشوت کی تعریف میں شامل ہیں، ان کا لینا بھی قطعاً جائز نہیں۔

اقلیتوں سے سلوک

اقلیتیں اسلامی ریاست کا اہم جز ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی خوبی یہ ہے کہ اگر ان کی روح کے مطابق عمل کیا جائے تو اپنے ہی نہیں، بیگانے بھی ان کا اثر ضرور قبول کرتے ہیں اور انہیں اپنا

Marfat.com

نے کی خواہش رکھتے ہیں۔اس لئے اگر کسی ریاستِ اسلامیہ میں کسی وجہ سے غیر مسلموں کا وجود نہ بھی ہو تب بھی یہ امکان بہر حال ہوتا ہے کہ دوسری غیر مسلم ریاستوں کے رہنے والے غیر مسلم صرف اسلامی معاشرے کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کے لئے اس میں رہنے کی خواہش کا اظہار کریں گے اور مسلمانوں کی مثالی بودوباش سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ رہنے کی درخواست کریں گے۔اور اسلام کے زریں دور میں جبکہ اسلامی تعلیمات پر مسلمان پوری طرح سے عمل پیرا تھے اور اسلام کا نظم اپنے ہر پہلو سے پورے جہان میں تابانیاں بکھیر رہا تھا،ایسا ہوا ہے اور اس بارے میں بے شمار تاریخی روایات موجود ہیں جن کے مطابق غیر مسلموں نے دوسرے کافروں بلکہ ہم مذہبوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی ہے اور ان کے زیر اقتدار رہنے کو پسند کیا ہے۔یہ بات اسلامی نظام کے فلاحی اور مثالی ہونے کی بین دلیل ہے۔

سو جب اقلیتوں کا وجود ایک اسلامی ریاست میں ایک لازمی امر ہے تو یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ انہیں ہر اعتبار سے مطمئن رکھا جائے،تا کہ وہ ریاست کے کارآمد شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض آزادانہ طور پر ادا کرتے رہیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کریں، ورنہ ان کی طرف سے ریاست کے استحکام کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔خصوصاً اس صورت میں جبکہ دیگر ریاستیں اسلامی سلطنت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوں، کیونکہ یہ اقلیتیں بعض صورتوں میں ان کی ہم مذہب بھی ہو سکتی ہیں اور اگر یہ رشتہ نہ ہو تب بھی مخالف قومیں الکفر ملة واحدة کے بمصداق ان کی بے چینی سے فائدہ اٹھا کر انہیں غداری پر آمادہ کر سکتی ہیں۔لیکن اسلام کے نظامِ حکومت کی یہ عجیب کرامت ہے کہ تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ ان اقلیتوں نے ایسے مواقع پر خود اپنے ہم مذہبوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی ہے،خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیاضانہ سلوک سے متاثر ہو کر ذمی عیسائی اور پارسی مسلمانوں کے ساتھ اس قدر مخلص ہو گئے تھے کہ انہوں نے ہر معاملے میں اپنے ہم مذہبوں کے برخلاف مسلمانوں کو ساتھ دیا۔وہ مسلمانوں کو رسد بہم پہنچاتے تھے،اپنے خرچ سے سڑکیں اور پل تعمیر کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے ہم مذہبوں مگر مسلمانوں کے دشمنوں کے راز انہیں آ کر بتاتے تھے اور مسلمانوں کے لئے جاسوسی اور خبر

Marfat.com

رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ (۸۴)

آنحضرت ﷺ نے اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک بہت تاکید فرمائی ہے اور اپنے طرزِ عمل سے بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ یہ غیر مسلموں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کا ہی نتیجہ تھا کہ جو کافر آپ کے پاس حالتِ کفر میں آتا تھا وہ واپس ہونے تک مسلمان ہو چکا ہوتا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک کافر ایک شب آپ ﷺ کا مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے بکری کا دودھ پیش کیا، وہ پی گیا۔ دوسری بکری دوہی گئی، وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ تیسری بکری دوہی گئی، غرض اس طرح وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، لیکن آپ ﷺ نے اپنے انداز سے کسی ناراضی کا اظہار نہ فرمایا۔ اس حسنِ سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح تک وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (۸۵)

آپ ﷺ نے مکمل اختیار کے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی ریاست میں غیر مسلموں کی گستاخیوں اور شرارتوں کے باوجود کبھی ان پر سختی نہیں فرمائی بلکہ ہر مرتبہ درگزر سے کام لیا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے کہہ دیا کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی۔'' ایک صحابی رسول ﷺ نے سنا تو ان سے رہا نہ گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ پر بھی؟ اس نے کہا ہاں! صحابی نے غصے میں اسے تھپڑ مار دیا۔ وہ یہودی سیدھا آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے یہودی کو سخت سست کہنے کی بجائے اس صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی۔ (۸۶)

آنحضرت ﷺ کے مالی معاملات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے۔ جب خرچہ نہ ہوتا تو وہی قرض لے کر ضروریات پوری کرتے اور رقم آنے پر قرض ادا کر دیتے تھے۔ ایک بار ایک مشرک نے انہیں کہا کہ تم مجھ قرض لے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ ایک روز وہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک آیا اور آتے ہی کہنے لگا: او حبشی! انہوں نے کہا لبیک، وہ بولا کہ یاد ہے وعدے کے مطابق صرف چند روز رہ گئے ہیں۔ اگر اس مدت میں تم نے قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا اور کہا کہ خزانے میں کچھ نہیں ہے۔ کل پھر وہ مشرک آ کے لعنت

(۸۴) الفاروق/ ج ۲ ص ۲۷۹، (۸۵) ترمذی، باب ماجاء ان المؤمن یاکل فی معاواحد، ابواب الاطعمہ

(۸۶) سیرت النبی/ ج ۲ ص ۲۲۴

Marfat.com

ملامت کرے گا، اس لئے مجھے اجازت ہو تو کہیں چلا جاؤں۔ جب قرض ادا کرنے کی سبیل ہو گی تو واپس آ جاؤں گا۔ رات کو اسی نیت سے سوئے، صبح اٹھ کر روانگی کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ آنحضور ﷺ نے یاد فرمایا ہے۔ وہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلے سے لدے ہوئے کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مبارک ہو، یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بازار جا کر یہ چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرض ادا کر کے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ قرض ادا ہو گیا۔ (۸۷)

یہ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد آپ ﷺ کے دورِ حکومت کا واقعہ ہے، آپ کے خادم خاص کے ساتھ مشرک اس قدر گستاخی سے پیش آتا ہے مگر آپ ﷺ اسے ذرا بھی کچھ نہیں کہتے اور اس سے بالکل تعرض نہیں فرماتے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کا یہ طریقہ کفار کا ساتھ برقرار رہا۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں بہت سی اصلاحات نافذ فرمائیں، وہیں ذمیوں اور اقلیتوں کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھا اور کسی معاملے میں بھی اس ان سے مسلمانوں کی بہ نسبت کم تر سلوک کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اسلامی ریاست جہاں ایک طرف اقلیتوں کے مذہبی معاملات کا خاص خیال رکھتی ہے وہیں ان کی جان و مال کی حفاظت کی بھی اسی طرح ذمہ دار ہوتی ہے جیسے کسی بھی مسلمان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جن کی اسلام کے بارے میں شدت عام طور پر بہت مشہور ہے، ان کے دور میں اقلیتوں کو اس قدر مذہبی آزادی تھی کہ وہ سر عام اپنے مذہبی فرائض بجا لاتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے، صلیب نکالتے اور ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کے مذہبی اختیارات بالکل برقرار رکھے گئے۔ ان کے ساتھ ہونے والے معاہدوں میں ان کی مذہبی آزادی کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ (۸۸)

ریاست کے تمام معاملات میں اقلیتیں مسلمانوں کی ہمسر حیثیت رکھتی ہیں اور مذہب کی بنیاد پر ان سے نہ کسی قسم کا معاشی فرق رکھا جانا روا ہے نہ معاشرتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملکی

---

(۸۷) ابوداؤد، باب قبول ہدایا المشرکین (۸۸) الفاروق/ ج ۲ ص ۴۷

Marfat.com

لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں کے مابین کسی قسم کا فرق و امتیاز قائم نہیں رکھا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کرتا تھا تو اسے بھی قصاصاً قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح ریاست میں ہونے والے معذور، ضعیف اور محنت مزدوری نہ کر سکنے والے افراد کو گھر بیٹھے تنخواہیں ملتی تھیں۔ اس معاملے میں بھی سب یکساں تھے اور اس سہولت سے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ (۸۹) اسی طرح اقلیتوں کو یہ حق کہ محنت مزدوری نہ کر سکنے والے افراد کی بیت المال کفالت کرے، سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی برقرار رکھا۔ (۹۰)

اسلام دوسرے معاملات میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ فراخدلانہ سلوک کا قائل ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کے غیر اسلامی طرزِ معاشرت کا اثر مسلمانوں پر نہ پڑے، اور مسلمان اسلامی تعلیمات سے روگرانی نہ کریں۔ اس لئے اس نے کفار کے ساتھ دوستی رکھنے اور قریبی تعلقات کی ممانعت کی ہے اور ان سے ترکِ موالات کا حکم دیا ہے۔ اس سے ہٹ کر وہ ان کے ساتھ بہت سی رعایات روا رکھتا ہے۔

اسلام کا یہ قانون ہے کہ کفار کو نفلی صدقے دیئے جا سکتے ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو صدقہ دیا۔ ابو میسرہ، عمرہ بن میمون، عمرو بن شرحبیل اور مرہ ہمدانی رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی روایات میں آیا ہے کہ وہ صدقۂ فطر سے عیسائی راہبوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ (۹۱)

اسلامی ریاست ہونے کی حیثیت سے وطن عزیز پاکستان کے استحکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسوہء حسنہ اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کا خیال رکھے اور جائز حدود میں رہ کر انہیں مکمل آزادی فراہم کرے۔ لیکن اس سلسلے میں افراط و تفریط سے بچنا ہر حال میں ضروری ہے۔ جہاں ایک طرف ان کے حقوق کا خیال رکھنا ہوگا، وہیں یہ بات بھی ازبس ضروری ہے کہ اس قسم کے اقدامات کئے جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا اس درجہ اختلاط

---

(۸۹) الفاروق/ ج ۲ ص ۴۷۶ (۹۰) ایضاً

(۹۱) ابو عبید قاسم بن سلام/ الکتاب الاموال (عربی)/ المکتبۃ الاثریہ، شیخوپورہ/ ص ۶۱۳، ۶۱۴

Marfat.com

نہ ہونے پائے کہ مسلمانوں کی امتیازی حیثیت ہی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس بارے میں اسوۂ حسنہ سے ہمیں بہترین راہنمائی مل سکتی ہے۔

معاشی نظام

قرآن حکیم کے مطابق اسلامی حکومت کے قیام کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ ان نیک کاموں کو فروغ حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم انسانی کے لئے لازمی وضروری ہیں اور تمام انسان منکرات وفواحش سے محفوظ رہیں، جو انسانی زندگی اور انسانی معاشرے میں فساد و تضاد کی بنیاد بنتے ہیں۔ چنانچہ استحکام ریاست کے لئے یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ معاشی و اقتصادی اعتبار سے مضبوط و مستحکم ہو، اور دوسرے تمام معاملات کی طرح معاشی استحکام بھی صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب ہماری معیشت و اقتصادیات کی عمارت اسلامی خطوط پر استوار ہو۔ دولت کی پیدائش، اس کی گردش کے استعمال کا طریقہ اور اس کی آمدورفت کا سارا نظام اسلام نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

دوسرے تمام رائج الوقت نظاموں میں یہ بات قدرِ مشترک ہے کہ ان کے ہاں دولت خواہ کسی طرح حاصل کی جائے، جب کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو وہ اس کا مالک قرار دے دیا جاتا ہے اور یوں اس کو کھلی مالی من مانیوں کی اجازت مل جاتی ہے جبکہ اسلام کے مطابق ہر قسم کی دولت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اس کی ملکیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ

اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کے اس مال سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے (۹۲)

غور کیجئے، مال اگر چہ تمہارے پاس ہے مگر اس کے باوجود وہ اللہ کا ہے اور تمہیں اسی کی جانب سے عطا ہوا ہے۔ سو جب دولت کا حصول کسی کی ذاتی محنت اور کسب پر منحصر نہیں وہ صرف اللہ کی عطاء ہے تو اس کو حاصل کرنے اور خرچ کرنے کا نظام بھی صرف اللہ ہی کا بتایا ہوا قابلِ عمل اور قابلِ قبول ہوگا۔

اسلام کے نظامِ معیشت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مزاج واسلوب کے عین مطابق

(۹۲) النور: ۳۳

Marfat.com

مالی امور میں بھی عدل وتوازن برقرار رکھتا ہے۔ وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مال و دولت کو بنیاد بنا کر کسی کو حقیر سمجھے، یا بنگلوں اور گاڑیوں کی بنا پر تکبر و غرور کا مظاہرہ کرے۔ دوسری جانب وہ اس امر کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کی حلال کمائی اور محنت سے حاصل کردہ مال و دولت پر حملہ کرے اور انہیں ناحق غصب کرنے کی کوشش کرے۔

دولت اللہ کا انعام ہے اور ہر ایک کو اس نے اپنی حکمت اور اس کی حیثیت کے مطابق مال عطا کیا ہے اور جس طرح اس نے نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے مخلوقات میں تفاوت و بلندی اور پستی کا فرق رکھا ہے، اسی طرح اس نے رزق اور دنیوی نعمتوں میں بھی فرق مراتب رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ

کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو (اپنی منشاء کے مطابق) تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ ہم ہی نے ان کی دنیوی روزی ان کے درمیان تقسیم کی ہے اور درجات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو محکوم بنائے۔ (۹۳)

پس جن چیزوں میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں ان میں سب کے لئے مساوات ہے اور جن چیزوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی گئی ہے ان میں فرق مراتب اور امتیاز قائم ہے۔ مثلاً تمام انسان، انسانیت میں مشترک ہیں اس لئے انسانی حقوق سب کے مساوی ہیں۔ لیکن جو اوصاف لوگوں میں امتیاز وتفاوت کا سبب ہیں ان میں سب لوگ مساوی حیثیت کے مالک نہیں ہو سکتے، مثلاً حسب نسب، عالم و جاہل، حاکم ومحکوم، ہنرمند و بے ہنر وغیرہ۔ جس طرح انسانیت کے اعتبار سے انسانوں میں فرق ظلم ہے اسی طرح فرق مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا بھی ظلم ہوگا۔ (۹۴)

اسلام نے سرمایہ کاری کی بھی صورتیں بیان کی ہیں اور اس نے اختیار دیا ہے کہ مال کا

---

(۹۳) الزخرف:۳۲ (۹۴) ہادی اعظم/ص ۸۹۸

Marfat.com

مالک انفرادی، شراکت اور مضاربت وغیرہ صورتوں میں سے کسی بھی طریقے سے اپنے کاروبار کو ترقی دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے ارتکازِ دولت اور سودی کاروبار کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ اسلام کے مطابق سودی کاروبار کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا اعلان جنگ ہے۔ کیونکہ سودی کاروبار سے بھی دولت کا ارتکاز ہوتا ہے اور دولت مٹھی بھر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ جاتی ہے، جس سے معاشی عدم توازن جنم لیتا ہے جو ریاستی اور ملکی استحکام کے لئے نہایت مضر ہے۔

اسلامی ریاست کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ملک کے معاشی حالات پر نظر رکھے اور خصوصاً اشیائے صرف کی قیمتوں میں استحکام برقرار رکھنے کے لئے اقدامات کرے اور ان کی بروقت اور عوام الناس کی ضرورت کے مطابق دستیابی کو بھی یقینی بنائے، کیونکہ عوام کو اگر ان کے روزمرہ استعمال کی اشیا بہ سہولت دستیاب نہ ہوں یا ان کی قوتِ خرید سے باہر ہوں تو وہ آسودگی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ جس کی وجہ سے ان میں بے چینی کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے اور یہ بات ریاستی استحکام کے لئے ضرر رساں ہے۔

آنحضرت ﷺ اس صورتِ حال کے سدِ باب کے لئے بنفس نفیس بازاروں میں تشریف لے جاتے اور ریاست کے معاشی حالات کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی راتوں کو تنہا شہر میں گھومتے تھے اور رعایا کی معاشی حالت سے خود واقفیت حاصل کرتے تھے۔ (۹۵)

اس کے علاوہ اسلام نے آمدنی بڑھانے کے ہر ناجائز ذریعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ عدل و انصاف کرنے، ناپ تول صحیح رکھنے، ذخیرہ اندوزی و ملاوٹ کرنے، قسمیں کھا کر مال بیچنے اور دوسروں کا نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے وطن عزیز پاکستان میں اسلام کی ہدایات کی روشنی میں صحیح اسلامی معاشی نظام فی الفور نافذ کریں، سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کریں اور ہر قسم کی ناجائز منافع خوری اور غلط طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کی حوصلہ شکنی کریں، اسی صورت میں طبقاتی کشیدگی ختم ہوگی اور ہمیں داخلی اطمینان اور امن و استحکام حاصل ہوگا۔

---

(۹۵) ہادیٔ اعظم/ص ۲۹۷

Marfat.com

خارجہ امور

کسی بھی ریاست کی تعمیر و ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اسے داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ خارجی معاملات میں بھی استحکام حاصل ہو۔ یہ استحکام بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہر اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسی بھی اسلامی تعلیمات اور آنحضور ﷺ کے احکامات وفرمودات کی روشنی میں مرتب کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاست خارجہ کے میدان میں جو سب سے اہم معاملہ درپیش تھا وہ قریش تھے۔ قریش نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کوٹھکانہ دینے کی پاداش میں انصار مدینہ کو نقصان پہنچانے کا عزم کیا تھا وہیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کو بھی ہجرت مدینہ کے بعد بھی کسی طور چین سے نہ بیٹھنے دیا، بلکہ ان کی شرارتیں، سازشیں اور ریشہ دوانیاں مسلسل جاری رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی اس نوزائیدہ ریاست کو استحکام اور دوام بخشنے کے لئے دہرا چیلنج درپیش تھا کہ ایک جانب قریش کی شرارتوں کا سدباب کیا جائے، اور دوسری جانب اسلامی ریاست اور اس کے رہنے والوں کی تعمیر و ترقی کا کام مسلسل جاری رہے

ان مقاصد کے حصول کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل اقدامات کئے۔

۱۔ قریش کی شام کی تجارت جس پر ان کو بڑا ناز تھا بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں۔

۲۔ مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل سے امن وامان کا معاہدہ کیا جائے۔

۳۔ دستور مدینہ کے ذریعہ مدینہ کی پوری آبادی کو قریش کے خلاف جسم واحد بنا دیا۔ اگرچہ بعض عناصر نے اس عہد کی خلاف ورزی کی مگر وہ علانیہ طور پر قریش کا ساتھ نہ دے سکے۔

۴۔ مہاجرین صحابہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو مدینہ کے اطراف مختلف سمتوں میں بھیجا، تاکہ دشمن کو مسلمانوں کی قوت وحوصلہ کا احساس دلایا جاسکے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ اور قریش کو مسلمانوں کی قوت واہمیت کا احساس دلانے اور مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں رہنے والے افراد کو پرامن اور پرسکون

Marfat.com

زندگی کی تمام سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے نہایت تدبر اور انتہائی منصوبہ بندی سے کام لیتے ہوئے تمام ضروری اقدامات کئے، تاکہ اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے رہنے والے اور اس سے متعلقہ افراد اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے کارہائے زیست انجام دے سکیں۔(۹۶)

خارجی استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے قرب و جوار میں موجود تمام ممالک کے ساتھ اچھے برادرانہ اور مساوات و انصاف پر مبنی تعلقات استوار کئے جائیں، خصوصاً ان ممالک کے ساتھ جن کے ساتھ ریاست کی سرحدیں ملتی ہیں۔ آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے آس پاس کے عرب قبائل سے معاہدے کر کے ان کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کئے۔ آپ ﷺ نے جہاں ضرورت محسوس کی وہاں خود بھی تشریف لے گئے اور قلیل عرصے میں مدینہ منورہ سے ینبوع تک کے علاقے میں رہنے والے بہت سے قبائل نے اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود مدینہ منورہ پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کی حمایت اور مدد کی ذمہ داری قبول کر لی۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ مسلمان مضبوط ہو گئے بلکہ اس سے مشرکین مکہ بھی سیاسی طور پر کمزور ہو گئے۔ اس سلسلے میں جن قبائل سے معاہدے کئے ان میں جہینہ اور اس کی ذیلی شاخیں، بنی زرعہ و بنی ربعہ، بنی شمخ، بنی جرمز، عوسجہ بن حرملہ اور بنی غفار اور بنو ضمرہ شامل ہیں۔(۹۷)

لیکن اگر کوئی فریق معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو اسلام کا حکم یہ ہے کہ معاہدے کی علانیہ تنسیخ کر دی جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور اگر کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے، تاکہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بیشک اللہ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔(۹۸)

مگر اسی کے ساتھ ساتھ اسلام نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اگر فریق ثانی اپنے رویے پر

(۹۶) ہادی اعظم/ص ۸۴۸ (۹۷) ایضا (۹۸) الانفال:۵۸

Marfat.com

پشیمان ہو اور صلح پر تیار ہو جائے، تو پھر مسلمانوں کے لئے بھی خونریزی جاری رکھنا جائز نہیں، بلکہ ان کی پیشکش قبول کرتے ہوئے صلح کر لینی چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

اور اگر وہ کافر صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ (۹۹)

کیونکہ اسلام صلح جو اور امن پسند مذہب ہے۔ لیکن اگر کوئی گروہ، قوت یا حکومت امن کی زبان نہ سمجھے اور مسلسل محاذ آرائی، قتل وقتال اور سازشوں و ریشہ دوانیوں پر آمادہ رہے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ان کے خلاف سخت ترین کارروائی کر کے علاقائی امن وسلامتی کو پہنچنے والے خطرات کو فوری سدباب کیا جائے اور جہاد کی راہ اختیار کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ

اور کافروں سے قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ (فساد) ختم ہو جائے اور (سارا) دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ (۱۰۰)

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جہاں ایک طرف اسلامی ریاست کی توسیع واستحکام کے لئے مدینہ منورہ کے قریب وجوار میں بسنے والے مختلف قبائل سے معاہدے کئے، وہیں دوسری جانب علاقے میں وقتاً فوقتاً اٹھنے والی شورشوں اور سازشوں کا بھی فوری سدباب کیا۔ محرم ۲ ہجری میں آپ ﷺ نے تیس سواروں کو بنی بکر کی ایک شاخ قرطاء کی جانب روانہ فرمایا، پھر ربیع اول میں آپ ﷺ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ عیینہ بن حصن فزاری کے تعاقب میں نکلے۔ یہ مدینہ کی چراگاہ غانہ پر حملہ کر کے آنحضرت ﷺ کے اونٹ ہنکا کر لے گیا تھا۔ اس کے بعد جمادی الاول کے شروع میں آپ نے دو سو صحابہ کے ہمراہ بنی لحیان کا پیچھا کیا۔ ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اسلام کی تعلیم کے لئے صحابہ کو بھیجنے کی درخواست کی تھی مگر بعد میں بدعہدی کرتے ہوئے انہیں شہید کر دیا تھا۔ (۱۰۱)

اس کے ساتھ ساتھ بیرونی دنیا میں اسلام کی تبلیغ بھی ضروری ہے کیونکہ جب آس پاس بسنے والے قبائل اور قومیں آغوش اسلام میں آ جائیں گی تو اسلامی ریاست کے بیرونی خطرات کم

---

(۹۹) الانفال:۶۱ (۱۰۰) البقرہ:۱۹۳ (۱۰۱) ہادی اعظم/۸۵۹، ۸۶۰

Marfat.com

سے کم ہو جائیں گے اور کسی خطرے کی صورت میں دفاع بھی آسان ہو گا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ پر بھی خاص توجہ مرکوز کی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے عرب کے اندرونی حصوں تہامہ، حجاز اور نجد وغیرہ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، پھر آپ ﷺ نے بیرونی علاقوں کی جانب توجہ دی۔ حکمرانوں اور سلاطین کو آپ ﷺ کے ارسال فرمودہ خطوط بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔ یہ مراسلت کم و بیش تین برس تک جاری رہی اس کے نتیجے میں بحرین، یمن اور عمان وغیرہ جیسے زرخیز خطوں کے حکمران و امرا اسلام داخل ہوئے۔ (۱۰۲)

آج ہمیں خصوصیت کے ساتھ وطن عزیز پاکستان کے خارجہ امور کا از سرِ نو جائزہ لینا ہو گا اور اسے مکمل طور پر اسلامی نظام حکومت کے مرتب کردہ خطوط پر استوار کرنا ہو گا، تاکہ ہم عالمی دنیا میں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں اور اپنے وجود کو منوا سکیں۔

خلاصۂ کلام

پچاس سے زائد صفحات تک پھیلی ہوئی گفتگو درحقیقت استحکام پاکستان کے حوالے سے محض چند اشارات پر مشتمل ہے، اس گفتگو کا حق ادا کرنے کے لئے چند سو صفحات بھی ناکافی ہیں۔ البتہ اس گفتگو میں چند بنیادی اشارے ضرور قارئین کے سامنے آئے ہیں، جن کی روشنی میں اس موضوع کو اور اس کی ضرورتوں کو سمجھنا ممکن ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظام حکومت کے جن چیدہ چیدہ نکات پر اوپر گفتگو کی گئی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں اسلامی حکومت کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان اصول و قواعد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین، نیز بعد کے کچھ دور تک عمل ہوتا رہا، اور اس دور کے مسلمانوں کی بے مثال سیاسی، معاشی اور معاشرتی کامیابی اور شاندار سائنسی اور صنعتی ترقی سب کے سامنے ہے۔ اور جب خود مسلمانوں نے اپنے ہی نظام حکومت سے روگردانی کی تو ان کا داخلی و خارجی استحکام خطرے میں پڑ گیا اور ان کی ریاست و سلطنت سکڑتی چلی گئی۔ اور جوں جوں اسلامی تعلیمات اور

---

(۱۰۲) ہادی اعظم/۸۶۶

Marfat.com

سیرت طیبہ سے بعد بڑھتا گیا، تنزلی انحطاط میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ صرف پاکستان نہیں تمام اسلامی ممالک انگنت مسائل اور بیشمار مشکلات کا شکار ہیں اور پوری دنیا میں اکثریت میں ہونے کے باوجود غیروں کے محتاج اور ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے آگے بے بس ہیں۔ اس کا واحد سبب سیرتِ طیبہ اور اسوہء حسنہ سے روگردانی ہے۔

اگر ہم آج بھی اسوہء حسنہ کا دامن رحمت تھام لیں تو ہماری تمام مشکلات دور ہو سکتی ہیں اور ہمارے لئے پھر دونوں جہانوں کی ترقی کے در وا ہو سکتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ ومن تبعھم اجمعین ، الی یوم الدین

Marfat.com

عدم برداشت کا
قومی اور بین الاقوامی رجحان
اور تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس ۱۹۹۹ء
وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

دور حاضر ممکن ہے کہ بعض باتوں میں اس دور سے ممتاز ہو، ممکن ہے اسے بعض پہلوؤں سے ترقی یافتہ بھی قرار دے دیا جائے۔ لیکن اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ فتنہ وفساد آج بھی بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے، بدی اور شر کی قوتیں آج بھی بھرپور قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، آج بھی بے اطمینانی اور بے چینی کا ہر طرف دور دورہ ہے، عام آدمی آج بھی اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہب سے پیچھا چھڑوانے والے اب خود مذہب کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

Marfat.com

تمہید

یہ مقالہ درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے۔

۱۔ تحمل و برداشت کی تشریح۔

۲۔ برداشت و رواداری کا حکم قرآن حکیم میں۔

۳۔ آنحضرت ﷺ اور برداشت و تحمل۔

۴۔ تحمل و برداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر۔

۵۔ مخالفین سے سلوک، مختلف مذاہب اور اقوام کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ۔

۶۔ مخالفین سے سلوک، عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ۔

۷۔ آپ ﷺ کا صبر و تحمل، برداشت اور رواداری غیر مسلموں کی نظر میں۔

آفتابِ اسلام جب اس کرۂ ارض پر طلوع ہوا، جب آنحضرت ﷺ ختم نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر مبعوث کیے گئے، اس وقت یہ عالمِ آب و گل ایک ہمہ جہتی گرداب بلا کا شکار تھا، ہر سمت انتشار مکمل اور ہر جانب اضطرابِ مسلسل کا عالم تھا، فضا کچھ اس قسم کی ہو چکی تھی کہ دیدۂ بینا رکھنے والا ہر شخص خود بخود ایک ہمہ جہت اور عالمگیر نوعیت کے انقلاب کا منتظر تھا، اور جو لوگ آسمانی کتابوں اور علوم نبوت سے شناسائی رکھتے تھے وہ تو کھل کا اس امر کا اظہار کر رہے تھے کہ نبی انقلاب، محسنِ انسانیت، ہادیٔ اعظم، رہنمائے عالم ﷺ کی آمد آمد ہے، کتنے ہی لوگ روایتی رسوم اور قبائلی رواج سے تنگ آ کر آبائی مذہب چھوڑ چکے تھے۔ (۱) اس فضا اور اس دور کا احوال بہت سے اہل سیر نے قلمبند کیا ہے، کئی ایک نے تو خاص اسی موضوع پر تفصیلی کتب بھی تحریر کی ہیں، لیکن اس کا احوال ایک انگریز سیرت نگار سے سنئے، آر۔ وی۔ سی۔ بوڈلے (R-V-C. Bodley) بعثت آنحضرت ﷺ کے وقت پوری دنیا کی مشہور اور قابل ذکر اقوام کا احوال یوں بیان کرتا ہے:

(۱) چنانچہ بہت سے لوگ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے یا بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے، دیکھئے شبلی نعمانی/ سیرت النبی/ دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء/ ج ا ص ۱۲۱، تا ۱۲۴۔

Marfat.com

چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی ، اور حقیقت میں تو کسی کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی ، ایک نزاع کا عالم تھا، مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں یا تو تباہ ہو چکی تھیں یا تباہی کے قریب تھیں ، یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت ، ایران کی عظمت اور روما کی شوکت وجلال پر متحیر تھی اور ایسی کوئی چیز نہ تھی ، نہ کوئی مذہب ایسا تھا جو ان میں سے کسی ایک کی جگہ لینے کی حالت میں ہوتا۔ یہودی اپنے مرکز کے بغیر پوری دنیا میں حیران و پریشان سرگرداں تھے، حالات کے مطابق یا تو انہیں برداشت کر لیا جاتا یا پھر انہیں سخت تکالیف دی جاتیں، کوئی ملک ان کا اپنا نہ تھا، اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس قدر آج ہے۔

پوپ گریگری اعظم (Grigory The Great) کے حلقۂ اثر سے آزاد مسیحی اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پیچیدہ معانی دریافت کر رہے تھے اور اس سلسلے میں (عبادت جان کر) ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں سلطنت کی آخری امید باقی بچی تھی، خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا، وہ روما کو شکست دے کر کپدیشیا (Cappadocia) مصر و شام پر قابض ہو گیا تھا، اس نے ۶۲۰ میں بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا اور دارائے اول کی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ مشرق وسطیٰ کی عظمت کو نئی زندگی مل گئی ہے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ بازنطینی رومی اب بھی ماضی کی طرح چست و توانا تھے ، جب خسرو نے اپنی افواج کو لے کر قسطنطنیہ کی فصیلوں پر چڑھائی کی تو انہوں نے آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرقی بعید میں بھی حالات کوئی نمایاں تاثر نہیں دے رہے تھے ،

Marfat.com

ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت میں ایک دوسرے پر غالب آنے کے لئے جدو جہد میں مصروف تھیں۔

چینی اپنی عادت کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے، خاندانِ سوئی آ کر جا چکا تھا اور اس کی جگہ ٹینگ خاندان نے لے لی تھی، جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔ جاپان میں پہلی بار ایک خاتون تخت نشین ہوئی تھی، یہاں بدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپان کے مذہبی تصورات اور قومی مقاصد پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسپین اور انگلستان چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم ملک تھے، جزائرِ برطانیہ آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ (۲)

دور حاضر ممکن ہے کہ بعض باتوں میں اس دور سے ممتاز ہو، ممکن ہے اسے بعض پہلوؤں سے ترقی یافتہ بھی قرار دے دیا جائے۔ لیکن اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ فتنہ و فساد آج بھی بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے، بدی اور شر کی قوتیں آج بھی بھرپور قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، آج بھی بے اطمینانی اور بے چینی کا ہر طرف دور دورہ ہے، عام آدمی آج بھی اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہب سے پیچھا چھڑوانے والے اب خود مذہب کی تلاش میں سرگرداں ہیں، خرابیٔ حالات آج محسوس کرتے ہیں اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ معروف برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل (BertrndRussell) نے آج سے کوئی چالیس سال قبل یہ سوال اٹھایا تھا کہ ''کیا انسان کا کوئی مستقبل ہے'' (۳)

یہ سوال اگرچہ خالص مادیت پرستی کے فلسفے کے تحت اٹھایا گیا تھا اور اس کا مقصد مہلک ہتھیاروں کی دوڑ شروع ہو جانے سے انسانیت کو لاحق ہونے والے خطرات کی نشاندہی تھی، لیکن اس سے یہ بہرحال ضرور واضح ہوتا تھا کہ انسان اگر خطِ مستقیم سے ہٹ جائے تو نہ صرف یہ کہ اس کی

---

(۲) (بہ تغیر و اختصار) R.V.C. Bodley / The Messenger.P-16-18

(۳) Bertrnd Russell / Has Man A Future ? P-95, London- 1961.

Marfat.com

مفید اور مثبت صلاحیتیں مضر اور منفی سرگرمیوں میں صرف ہونے لگتی ہیں، بلکہ وہ اپنے ہی ہم جنسوں کے لئے خطرہ بن جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر انسان کی اس آزادی یا آزادروی کا کیا علاج ہے؟ اگر اسے پابند کیا جائے تو کس ضابطے کا؟ اگر کسی انسان ہی کے بنائے ہوئے قانون پر سب کو متفق کرنے کی کوشش کی جائے تو پہلے تو یہ امر ویسے ہی محال ہے عقلاً بھی اور مشاہدہ بھی اس کی گواہی دیتا ہے، دوسرے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ان کا بنایا ہوا دستور ان مقاصد کے لئے مفید ثابت ہوگا جن کی خاطر وہ تشکیل دیا گیا ہے، سو اس کا کیا حل ہے؟ اگر کوئی شخص مسلمان ہے اور خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل رکھتا ہے تب تو اس کے لئے جہاں اسوۂ حسنہ کی صورت میں حیاتِ انسانی کے ہر شعبے کے لئے مکمل رہنمائی موجود ہے وہیں اس کے کردار وعمل کی راہیں بھی متعین کر دی گئی ہیں، لیکن اگر اس کا خدا اور رسولِ خدا ﷺ پر ایمان نہیں ہے تب بھی اس کے لئے غور وفکر کے در تو کھلے ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ تو کر سکتا ہے، ان میں غور وفکر کر کے اپنی فہم کے مطابق اس بات کا جائزہ تو لے سکتا ہے کہ جو پیغام دیا جا رہا ہے وہ قابلِ عمل ہے یا نہیں، اور اس پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں انسانیت کا فائدہ ہے یا ضرر ونقصان ہے؟ اسی بنا پر اسلام کی دعوت پوری انسانیت کے لئے ہے اور آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لئے رہنما وہادی بنا کر بھیجا گیا، ارشاد باری ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۴)

اسی لئے آپ ﷺ کے اکثر خطبات يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی بجائے يَا اَيُّهَا النَّاسُ سے شروع ہوتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کا خطاب قیامِ قیامت تک آنے والی پوری انسانیت سے ہے۔ اس لئے ضرورت یہ ہے، اسوۂ حسنہ، سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں حیاتِ انسانی کے ہر مسئلے اور دور حاضر کے ہر معاملے کو پرکھا جائے اور ان کی روشنی میں

(۴) سبا: ۲۸

Marfat.com

آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیا جائے اور پھر اس پر پورے خلوص اور کامل ذمے داری سے عمل کیا جائے

برداشت ورواداری کا معاملہ بھی انہیں چند مسائل میں سے ایک ہے جن کا آج قومی اور بین الاقوامی دونوں سطح پر پوری دنیا کو سامنا ہے، صرف عدم برداشت اور رواداری کے نہ ہونے کی وجہ سے ان گنت لاینحل مسائل پوری دنیا کے لئے پیدا ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی شدید خطرات سے دوچار ہے، یقیناً یہ آسمانی تعلیمات اور نبوی طریقِ زندگی سے روگردانی کا نتیجہ ہے اور اس کا حل یہی ہے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ ان مصائب وآلام سے جو ہمارے اپنے ہی پیدا کردہ ہیں ہمیں نجات مل سکے۔

سب سے اہم مسئلہ عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان ہے، یہ رجحان گزشتہ کئی صدیوں سے مختلف شکلوں میں برابر جاری ہے۔ اور آج بھی اس کا بڑا شکار مسلمان ہیں، اور لطف یہ ہے کہ عالم اسلام ہی پر شدت پسندی اور عدم برداشت کے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔ لیکن حقائق کیا کہتے ہیں؟ عدم برداشت کے رجحان کے سدباب اور رواداری کے فروغ کے سلسلے میں ہونے والی کوششوں کے متعلق اعداد وشمار کیا کہتے ہیں؟ اور مختلف قوموں اور گروہوں کی جانب سے کئے جانے والے عملی اقدامات کی حقیقت کیا ہے؟ زیرِ نظر مقالے میں انہی سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اسلامی تعلیمات اور دیگر مذاہب کی تعلیمات کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات کا بھی تقابل کیا گیا ہے تاکہ اوپر اٹھائے جانے والے سوالات کی روشنی میں حقائق واضح ہو سکیں۔

درحقیقت عنوان کے دو پہلو ہیں، ایک ہے عدمِ برداشت کا قومی رجحان اور دوسرا ہے بین الاقوامی رجحان، اس مختصر سے وقت اور محدود صفحات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان دونوں پہلوؤں کا کما حقہ احاطہ کیا جائے اس لئے فی الوقت صرف بین الاقوامی رجحان تک اپنی گفتگو کو محدود رکھا جائے گا، البتہ ضمنی طور پر قومی رجحان بھی زیرِ بحث لایا جائے گا۔

تقابلی مطالعے کی ضرورت

اس مقالے کا عنوان ہم سے اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم برداشت ورواداری کے سلسلے

Marfat.com

میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عملی اقدامات کا مطالعہ کرتے ہوئے دیگر ادیان، مذہبی گروہوں خصوصا مغرب کے افکار و خیالات اور ان کے طرز عمل کا بھی جائزہ لیں کہ وہ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ اور مخالفین کے ساتھ برداشت و تحمل کے سلسلے میں ان کا کردار کیا ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں عدمِ برداشت کے بین الاقوامی رجحان پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

برداشت و تحمل کی تشریح

برداشت اور تحمل ہم معنیٰ ہیں، لفظ تحمل کا مادہ حمل ہے، جس کے معنیٰ بوجھ اٹھانے کے ہیں، پھر اگر لفظ حِمل (بالکسر) استعمال ہو تو اس کے معنیٰ ظاہر میں بوجھ اٹھانے کے ہوتے ہیں جیسے کسی جانور پر یا پشت پر بوجھ اٹھانا، قرآن کریم میں ہے:

فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا

بلاشبہ وہ قیامت کے روز بوجھ اٹھائے گا۔ (۵)

اور اگر حَمل (بالفتح) استعمال کیا جائے تو اس کے معنیٰ باطن میں بوجھ اٹھانے کے ہوتے ہیں، جیسے بچہ شکم مادر میں اور پھل درخت پر، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ (۶)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ (۷)

اور تحمل کے معنیٰ برداشت کرنے کے ہیں اور تحمل علی نفسہ کے معنیٰ مشقت کے باوجود برداشت کرنے کے ہوتے ہیں۔ (۸) اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تحمل کے معنیٰ بھی برداشت ہی کے ہیں اور یہ طبیعت کی وہ صفت ہے جس سے انسان میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس کے سبب وہ جوش غضب، اشتعال اور جذبۂ انتقام کے باوجود اور انتقام پر قدرت کے ہوتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے، برخلافِ طبیعت اور اشتعال انگیز واقعے پر ردِ عمل کے اظہار میں جلدی نہیں کرتا، نہ دشمنی و مخالفت میں حد اعتدال سے باہر نکلتا ہے۔

---

(۵) طہ:۱۰۰ (۶) الطلاق:۴ (۷) ابن المنظور/لسان العرب/نشر ادب الحوزہ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ/ج ۱۱ ص ۱۷۴ تا ۱۷۶ (۸) لوبس معلوف/المنجد/مطبعہ کاتھولیکیہ، بیروت ۱۹۴۷ء/ص ۱۵۰

Marfat.com

تحمل و برداشت کا حکم قرآنِ حکیم میں

قرآن حکیم ہر معاملے میں انصاف سے کام لینے، عفوو درگزر، برداشت اور تحمل کا درس دیتا ہے، وہ اپنا یہ پیغام مختلف مقامات پر مختلف انداز سے دہراتا ہے، اس طرح وہ ایسی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے جو اسلام کی پہچان ہو اور عملی طور پر ہر اعتبار سے پوری انسانیت کے لئے پیغام سالمیت وسلامتی ہو، آیئے چند ایسی آیاتِ ربانی کا مطالعہ کریں جو ہمیں تحمل و برداشت کا درس دیتی ہیں۔

برائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دینے کی تاکید کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کو ایسے طریقے سے دور کرو جو بہتر ہو (اگر ایسا کرو) تو جس شخص میں اور تم میں دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے ولی (قریبی) دوست۔(۹)

ان نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آخرت میں عمدہ ٹھکانوں کے مستحق قرار پائیں گے قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

اور (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (راہِ حق میں) خرچ کرتے ہیں اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے۔(۱۰)

مذہب کے معاملے میں برداشت کی تلقین اور تبدیلی مذہب کے سلسلے میں جبر کی نفی کرتے

(۹) حم سجدہ: ۳۴ (۱۰) الرعد: ۲۲

Marfat.com

ہوئے قرآن کا فرمان ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، بلاشبہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے، پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے۔(۱۱)

اس قرآنی حکم پر مسلمانوں نے کس انداز سے عمل کیا اس کی ایک جھلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعے میں ملتی ہے، انہوں نے اپنے غلام استق کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا: لا اکراہ فی الدین (۱۲)

اسلام کا حکم یہ ہے کہ جب کسی قسم کا معاملہ درپیش ہو تو انصاف کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو اور تمہارا کوئی اقدام انصاف سے سرمو تجاوز نہ کرنے پائے اور اس سلسلے میں دوست دشمن، اپنے پرائے اور مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں، ارشاد باری ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف سے گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور) عدل کیا کرو، یہی پرہیز گاری سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔(۱۳)

---

(۱۱) البقرہ: ۲۵۶ (۱۲) شبلی نعمانی / الفاروق / مکتبہ صدیقیہ، ملتان، ۱۹۵۲ء/، ج ۲، ص ۲۷۵

(۱۳) المائدہ: ۸

Marfat.com

یہود کی نافرمانیوں اور گستاخیوں کا ذکر کرنے کے بعد حضور ﷺ کو درگزر کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝۱۳

اور ان (یہود) میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گا سو آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر فرمایئے، بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۴)

اسلام باطل معبودوں کو بھی برا کہنے سے منع کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں ردعمل کے طور پر وہ خدائے واحد کو برا کہیں گے، ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور (اے مسلمانو!) یہ مشرک اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بناء پر حد سے تجاوز کر کے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔ (۱۵)

آنحضرت ﷺ اور برداشت وتحمل

آپ ﷺ کی قوت برداشت اور ضبط وتحمل مثالی تھا، آپ ﷺ کی پوری حیاتِ مقدسہ عفو و درگزر، رحمت و رافت، حلم وتحمل، صبر و ضبط رحم وترحم اور برداشت و رواداری سے عبارت ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بجا کہا ہے کہ

مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں عفو ودرگزر اور رواداری تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔ (۱۶)

---

(۱۴) المائدہ:۱۳ (۱۵) الانعام:۱۰۹

(۱۶) ابوالکلام آزاد/ رسول رحمت/ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر/ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور/ ص ۴۳۹

Marfat.com

اور قاضی عیاض آپ ﷺ کی قوت برداشت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں!

وهو صلى الله عليه وسلم لا يزيد مع كثرة الأ ذى الا صبرا
و على اسراف الجاهل الا حلماً (۱۷)

اور آپ ﷺ کو دی جانے والی تکالیف کی کثرت آپ میں صبر ہی کا اضافہ کرتی تھی، اور جاہلوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیاں آپ ﷺ کا حلم بڑھاتی تھیں۔

انسان کا اصل امتحان اپنے اہل خانہ اور ملازمین کے ساتھ معاشرت میں ہوتا ہے، بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جب انسان کے لئے صبر وتحمل اور برداشت سے کام لینا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا، آپ ﷺ ان مراحل میں بھی سب سے جدا اور سب سے ممتاز نظر آتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خادم خاص تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے دس برس آپ کی خدمت کی، خدا کی قسم آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ آپ نے کبھی کسی کام کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا (۱۸) برداشت وتحمل کا یہ کس قدر بلند رتبہ ہے؟

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، سوائے اس شخص کے جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا تو اس سے اللہ کے لئے بدلہ لیا۔ (۱۹)

یہ تھا وہ مثالی عفو اور آپ ﷺ کا بے مثال صبر وتحمل جس نے اپنوں ہی نہیں غیروں سے بھی تسلیم کروالیا کہ اس سے بڑھ کر تحمل وحلم، اس سے بڑھ کر صبر وضبط اور اس سے بڑھ کر رواداری کا مظاہرہ ممکن نہیں۔ اس کی مزید مثالیں آپ اس مقالے میں آئندہ پڑھیں گے، پہلے دیکھئے کہ آپ ﷺ نے جس ماحول میں اس مثالی قوتِ برداشت کا مظاہرہ کیا وہ ماحول کس قسم کا تھا؟

---

(۱۷) قاضی عیاض/ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ/ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ مصر، ۱۹۵۰ء/ ج ا ص ۶۱
(۱۸) مسلم/ الصحیح، کتاب الفضائل باب حسن خلقہ (۱۹) قاضی عیاض/ الشفا/ ج ا ص ۶۱

Marfat.com

تحمل و برداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر

یہاں یہ ضروری ہے کہ برداشت و تحمل اور مخالفین سے حسنِ سلوک اور رواداری کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا مفصل جائزہ لینے سے قبل اس تاریخی و تہذیبی پس منظر پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، جس میں آپ ﷺ نے آنکھ کھولی اور جو ماحول آپ کے اردگرد موجود تھا۔ درحقیقت ایک ایسے ماحول میں جو جنگ جوئی، خونخواری اور دہشت انگیزی میں اپنی مثال آپ تھا، آپ ﷺ کا امنِ عامہ، فلاحِ انسانیت، صبر و تحمل، قوتِ برداشت اور ہمہ جہت رواداری کے لئے کام کرنا بجائے خود آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل اور نبوت کا اعجاز ہے۔ آج یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اس پس منظر سے صرفِ نظر کر کے آپ ﷺ کی دعوت، سعی و کوشش، آپ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے کردار و عمل کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکے، اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے آپ ﷺ کی مساعی اور کارناموں سے کماحقہ واقف ہو سکے۔ اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا کہ جو شخص اسلامی عہد میں پیدا ہوا ہو اور وہ دورِ جاہلیت سے واقفیت نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو نہیں جان سکتا جو انسانیت کے حالات میں انقلابی تبدیلی کے لئے اور اسے دورِ ظلمت سے نکال کر روشنیوں میں لانے کے لئے کئے تھے۔ (۲۰)

اس لئے ضروری ہے کہ اس وقت کے عرب معاشرے پر ایک نظر ڈالی جائے۔

دورِ جاہلیت کی اصل تصویر کشی ان کے شعرا کے کلام میں ملتی ہے، اہلِ عرب کی تمام دلچسپیاں، ان کی ضروریات، مشاغل، رجحانات، مذہبی خیالات اور ذہنی کیفیات و تخیلات سب کے جاننے کا بنیادی اور بہترین ماخذ دورِ جاہلیت کے شعرا کے کلام ہیں، ویسے بھی مشہور مقولہ ہے کہ زمانے کا لٹریچر اس دور کی تہذیب و اخلاق کا آئینہ ہوتا ہے۔

اہلِ عرب کی جنگ جوئی کا کیا عالم تھا؟ اوڈاک بن ثمیل مازنی کہتا ہے،

اذا استنجدوا لم یسالوا من دعاھم　　لایۃ حرب ام بای مکان (۲۱)

جب ان سے مدد طلب کی جاتی ہے تو وہ یہ سوال نہیں کرتے کہ انہیں بلانے

---

(۲۰) رشید رضا/ تفسیر المنار/ دار المنار، مصر، ۱۳۶۷ھ/ ج ۱، ص ۲۴۔

(۲۱) دیوان الحماسہ/ باب الحماسہ/ میر محمد کتب خانہ، کراچی/ ص ۲۴

Marfat.com

والا کون ہے اور نہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس جنگ کے لئے یا کس جگہ کے لئے بلایا جا رہا ہے۔

حصین بن ہمام اپنی ''بہادری'' کو ان الفاظ سے تعبیر کرتا ہے:

نفلق هاما من رجال اعزة علينا و هم كانوا عق و اظلما (۲۲)

ہم ذی عزت لوگوں کی کھوپڑیوں کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں اگرچہ وہ ظالم و جابر ہی کیوں نہ ہوں۔

بنی عقیل کا ایک شاعر کمال کی بات کرتا ہے، کہتا ہے:

و نبكى حين نقتلكم عليكم و نقتلكم كانا لا نبالى (۲۳)

ہم تمہیں قتل کر دینے کے بعد (قرابت داری نبھاتے ہوئے) تم پر روتے ہیں، مگر جب قتل کرتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

سوار بن مضرب سعدی اگرچہ اس حد تک نہیں جاتا لیکن جنگ جوئی اس کی بھی فطرت کا حصہ ہے:

و انى لا ازال اخا حروب اذالم اجن كنت مجن جان (۲۴)

میں ہمیشہ لڑائیوں میں گھرا رہتا ہوں، اگر خود ظلم نہیں کرتا تو ظالموں کی سپر بن جاتا ہوں۔

اور دشمن کو ''مکافات'' کی دھمکی دیتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے:

انختم علينا كلكل الحرب مرة فنحن منيخوها عليكم بكلكل (۲۵)

جس طرح تم نے ہمارے اوپر لڑائی کے اونٹ بٹھا کر ہمیں چور چور کر دیا تھا، ہم بھی تمہیں اسی طرح پاش پاش کر دیں گے۔

غیرت وحمیت کی بنا پر اپنے مقتول پر نوحہ کرنا بھی عیب سمجھا جاتا تھا، شاعر کہتا ہے:

ولا تراهم و ان جلت مصيبتهم مع البكاة على من مات يبكونا (۲۶)

گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو، لیکن ان کو مرنے والے پر رونے والوں کے

---

(۲۲) ایضاً / ص ۳۳ (۲۳) ایضاً / ص ۳۴ (۲۴) ایضاً / ص ۲۴ (۲۵) ایضاً / ص ۴۳ (۲۶) ایضاً / ص ۲۱

Marfat.com

ساتھ روتے ہوئے نہ دیکھو گے۔

عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

معاذ اللہ ان تنوح نساء نا علی ھالک او ان نضبح من القتل (۲۷)

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتیں مقتل پر نوحہ کریں یا ہم قتل سے گھبرائیں۔

ذوالاصبع عدوانی اپنے چچازاد بھائی کو دھمکی دیتے ہوئے کہتا ہے:

یا عمرو الا تدع شتمی و منقصتی
اضربک حتیٰ تقول الھامۃ اسقونی (۲۸)

اے عمرو اگر تو مجھے گالیاں دینا اور میری تحقیر کرنا نہیں چھوڑے گا تو میں تجھے مار ڈالوں گا (اور عربوں کے عقیدے کے مطابق) تیری کھوپڑی سے نکلنے والا الو چلاتا رہے گا کہ مجھے سیراب کرو۔

اور اعشیٰ کا کہنا ہے:

لقد زعمتم بانا لا نقاتلکم انا لامثالکم یا قومنا قتل (۲۹)

تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم تم سے جنگ نہیں کریں گے، حالانکہ اے قوم ہم تو تم جیسوں کے لئے بڑے خوں خوار ہیں۔

اور قطامی فخریہ طور پر کہتا ہے:

و احیانا علی بکر اخینا اذا مالم نجد الا اخانا (۳۰)

اگر کبھی ہمیں (قتل و قتال کے لئے) کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو ہم اپنے برادر و حلیف قبیلے پر ہی حملہ کر دیتے ہیں۔

اور ایک شاعر رقاد بن منذر فقط اس بنا پر قبائل میں لڑائی چھڑ جانے کی دعا کرتا ہے، تا کہ اسے اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع ملے، کہتا ہے:

اذا المھرۃ الشقراء ادرک ظھرھا فشب الالہ الحرب بین القبائل (۳۱)

(۲۷) ایضاً/۸۲ (۲۸) احمد حسن زیات/ تاریخ ادب عربی/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ص ۳۲ (۲۹) ایضاً ص ۴۵ (۳۰) دیوان حماسہ/ص ۶۲ (۳۱) دیوان حماسہ/ص ۹۶

Marfat.com

میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اللہ قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے۔

اہل عرب کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیراندازی کی مشق کرتے، لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کریں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے، مجرموں کو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر اس کے اعضا ان میں باندھ دیتے اور ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے اس طرح مجرموں کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا، کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے، ان کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کسی شخص کو قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے حتیٰ کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرجاتا۔ (۳۲)

عربوں کے دور جاہلیت میں جذبۂ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے انتقام لینے سے قبل اپنے لئے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔ (۳۳) یہ تھا عرب کی جنگجوئی اور سفاکی کا خلاصہ۔ (۳۴)

اس جنگ جوئی سفاکی اور بے رحمی پر غور کیجئے اور پھر آپ ﷺ کی رواداری، قوتِ برداشت، تحمل و بردباری، صبر و استقامت اور رحم و ترحم کا مشاہدہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ان حالات میں ان اقدامات کے سلسلے میں آپ ﷺ کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اور آپ ﷺ کو کیا کیا مشکلات پیش آئی ہوں گی؟

اسلام کی آمد سے اہلِ عرب کی فطرت میں جو انقلابی تبدیلی رونما ہوئی، اس کا اعتراف خود اہل عرب نے بھی کیا اور جو لوگ آپ ﷺ کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمان ہوئے انہوں نے خود تسلیم کیا کہ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ ہمارے درمیان اس قدر رواداری اور باہمی محبت پر مبنی

---

(۳۲) شبلی نعمانی / سیرت النبی / ج ۴ ص ۱۶۱ (۳۳) محمود شکری آلوسی / بلوغ الارب فی احوال العرب / اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن / مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۷ء / ، ج ۳ ص ۴۹۰ (۳۴) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، بلوغ ارب ج: ۳، ص ۴۹۰ تا ۴۹۴، وسیرت النبی، ج: ۴، ص ۱۴۸ ـ ۱۶۱، اور ابوالکلام آزاد / اسلام کا نظریۂ جنگ / بساط ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء / ص ۹

Marfat.com

تعلقات قائم ہیں، ایک بار عمرو بن اہتم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں احنف بن قیس کو مخاطب کر کے کہا تھا:

> ایک وہ وقت تھا جب ہم دونوں جاہلیت کی دنیا میں بستے تھے، اس وقت عزت کا مستحق وہ سمجھا جاتا تھا جو زیادہ جاہل اور وحشی ہوتا اور جہالت یہ تھی کہ ہم نے تمہارا خون بہایا اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنایا آج ہم اسلام کے گھر میں بیٹھے ہیں، آج عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ بردبار اور حلیم ہے۔ پس اللہ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے (۳۵)

یہی وجہ ہے کہ ایک غیر مسلم خاتون آپ ﷺ کی کوششوں کو خود آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل قرار دیتی ہیں، مسز اینی بسنٹ نے ایک بار اپنے لیکچر کے دوران کہا تھا:

> جو شخص ایسے ملک میں پیدا ہوا ہو جس کا میں نے تذکرہ کیا، جس کا ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہو جن کے ناگفتہ بہ حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور جس نے ان کو مہذب ترین اور متقی بنا دیا ہو، ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ خدا کا رسول نہ ہو۔ (۳۶)

مخالفین سے سلوک، مختلف مذاہب اور اقوام کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ

اسلام کی قوتِ برداشت، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، مذہبی رواداری اور دشمنوں سے عفو و درگزر کے طرزِ عمل کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کی تعلیمات اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟ اور ان معاملات میں ان کا منشور کیا ہے؟ اس سلسلے میں پہلے دیگر مذاہب کا ذکر کیا جاتا ہے، بعد میں اس بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کا بیان ہوگا۔

ہندومت کی تعلیمات

ہندومت کی تعلیمات کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے:

> دھرم کی مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو۔

(۳۵) احمد حسن زیات/ تاریخ ادب عربی/ ص ۱۲۰ (۳۶) ماہنامہ مدینہ، انڈیا، جولائی ۱۹۳۳ء

Marfat.com

گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔ (۳۷)

اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں، اس کا اندازہ ڈاکٹر کشیوراو بلی رام کی اس رائے سے کیجئے وہ کہتا ہے:

ہندوستان کا پورا کو چک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں (۳۸)

ہندوؤں کی عدم برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا، راج کمار اتھی نے ہندو مسلم ''اتحاد'' کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا:

بلاشدھی ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہوسکتی، جب تک سب مسلمان شدھ ہوکر ہندو نہ ہو جائیں۔ (۳۹)

مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے ''واردھا منصوبہ'' کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام شروع کیا تھا، اس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی، اردو اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ امراؤتی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا:

صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین کو نیک ہدایت دی جائے۔ (۴۰)

ہندوؤں کا یہ اچھا عدم تشدد تھا جس میں جبراً ایک مذہب کے ماننے والوں کو پوجا پاٹ پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

---

(۳۷) چودھری غلام رسول/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ علمی کتب خانہ لاہور، ۱۹۸۰ء/ص ۱۰۱۔۱۰۳

(۳۸) منشی عبدالرحمٰن خاں/ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی/ ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۲ء/، ص ۲۴

(۳۹) ایضاً /ص ۲۸

(۴۰) دیکھئے سید فضل الرحمٰن/ تحریک پاکستان کے فکری محرکات/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، ۱۹۹۷ء/ص ۷

Marfat.com

یہودیت

جنگی قیدیوں، مال غنیمت اور مفتوحین کے متعلق بائبل کی تعلیمات یہ ہیں۔

جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا، اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی کھانا، ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں، یہ ان قوموں کے شہروں میں، جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے، کسی ذی نفس کو زندہ نہ بچا رکھنا، بلکہ تو ان کو یعنی حتی، اموری، کنعانی، فرزی، حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست و نابود کر دینا۔ (۴۱)

موسیٰ نے سرداروں سے کہا! "کیا تم نے سب عورتیں زندہ بچا رکھی ہیں؟ سو اس وقت ان بچوں میں سے جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو، لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں، اپنے لئے زندہ رکھو۔" (۴۲)

انگریز

یہاں ان انگریزوں کی ہدایات اور پالیسیوں کا ذکر مطلوب ہے، جو ایک عرصے تک سرزمین ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ آیئے دیکھیں قوتِ برداشت کے سلسلے میں دنیا کی سب سے بڑی "جمہوریت" کے دعوے دار کیا نمونہ پیش کرتے ہیں؟ انگریزوں کی "جمہوریت پسندی" کے اصل مظاہر اس سے اگلے عنوان کے تحت پیش کئے جائیں گے، یہاں صرف چند

(۴۱) عہد نامہ قدیم/ کتاب الاستثناء/ باب ۲۰، فقرہ ۱۰ تا ۱۷

(۴۲) عہد نامہ قدیم/ کتاب العدد/ باب ۳۱، فقرہ ۱۵ تا ۱۸ ملخصا

Marfat.com

جھلکیاں ملاحظہ کیجئے، جن کا تعلق پالیسی سے ہے۔

انگریز نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دبانے اور انہیں سیاسی اور معاشی طور پر ختم کرنے کے لئے ہندوؤں کو طاقتور کرنے کے پروگرام پر عمل کیا تھا، اس کا اعتراف خود انگریز مؤرخ ولیم ہنٹر سے سنئے وہ کہتا ہے:

> سندربن کے کمشنر نے گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازمتیں خالی ہوں ان پر سوائے ہندو کے کسی اور کا تقرر نہ کیا جائے۔ (۴۳)

اور ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ایلن باور اپنی حکومت کی پالیسی بیان کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہتا ہے:

> میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے، اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے۔ (۴۴)

آج کے دور میں عدم برداشت کا پوری شدت سے پرچار کرنے والے انگریزوں نے آج سے قریباً ڈیڑھ سو سال قبل برداشت و رواداری کے سلسلے میں کیا کردار ادا کیا تھا، اس کی ایک اور جھلک دیکھئے، الہ آباد کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل جان کرک نے ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کہا تھا:

> ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہندوستان میں موجودہ مذاہب اور نسلوں کی صورت میں جو اختلاف ہے اسے پوری طاقت صرف کر کے برقرار رکھا جائے اور اسے کسی صورت ختم نہیں ہونا چاہئے، آئندہ حکومت ہند کا سب سے بڑا اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' ہونا چاہئے۔ (۴۵)

اور بمبئی کے گورنر لارڈ الفنسٹون نے ۱۴ مئی ۱۸۵۹ء کو اپنی حکومت کو یہ نوٹ لکھا تھا:

> ''تقسیم کرو اور حکومت کرو''، قدیم رومیوں کا موٹو یہی ہے، ہمیں اس کو

---

(۴۳) پروفیسر سید محمد سلیم/ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت/ ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، ۱۹۹۲ء/ ص ۲۰۹، ۲۱۰

(۴۴) وہی مؤلف/ تاریخ نظریہ پاکستان/ ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، ۱۹۹۶ء/ ص ۶۷

(۴۵) جانباز مرزا/ انگریز کے باغی مسلمان/ مکتبہ تبصرہ، لاہور، ۱۹۹۰ء/ ص ۳۴۱

Marfat.com

اختیار کرنا چاہئے۔(۴۶)

یہ تھا غیر مسلموں کی تعلیمات کا خلاصہ، اب ملاحظہ کیجئے کہ اسلام مخالفین کو برداشت کرنے اور ان سے حسن سلوک کی کیسے تلقین کرتا ہے، اور آپ ﷺ کس کس انداز سے عدمِ برداشت کا انسداد اور تحمل و برداشت کی تاکید فرماتے ہیں۔

تعلیمات نبوی ﷺ

کسی بھی مخالفت کی انتہا باہمی جنگ کی صورت میں سامنے آتی ہے اور مشہور مقولہ ہے کہ ''جنگ میں سب کچھ جائز ہے،'' لیکن اسلام اس کا قائل نہیں، وہ جنگ کو ناگزیر ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے اور حتی المقدور اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جنگ نہ ہو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

> دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ جنگ کی صورت میں تمہیں کیا حالات پیش آئیں گے؟(۴۷)

حالانکہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اہلِ عرب بہادری کے جوہر دکھانے کی غرض سے جنگ چھڑنے کی دعائیں کیا کرتے تھے۔

جنگ جسے ہر ایک اپنے اصولوں پر لڑنا پسند کرتا ہے مگر آپ ﷺ نے ایسے اصول تعلیم فرمائے کہ اس میں ایک تو جانی و مالی نقصان کم سے کم ہو دوسرے صرف ان لوگوں سے لڑا جائے جو واقعی آمادۂ پیکار ہیں۔ دیگر تمام لوگ جن میں ضعیف افراد، بچے اور خواتین شامل ہیں اگرچہ دشمن کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان سے لڑنا درست نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ کہیں حملے کی غرض سے اگر رات کو پہنچتے تو دھوکے سے حملہ نہیں کرتے تھے۔(۴۸) غزوۂ موتہ کے لئے لشکر روانہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور انہیں دیگر نصائح کے علاوہ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ:

---

(۴۶) ایضاً (۴۷) قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی/تفسیر مظہری/مجلس اشاعت العلوم، حیدرآباد دکن/ج ۹ ص ۲۵
(۴۸) بخاری الصحیح/کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر

Marfat.com

۱۔ ہر حال میں تقویٰ و پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا

۲۔ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا

۳۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر، اللہ سے کفر کرنے والوں سے جہاد کرنا

۴۔ غداری نہ کرنا

۵۔ خیانت نہ کرنا

۶۔ کسی بچے، عورت اور بوڑھے کو قتل مت کرنا۔ (۴۹)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو اسے تقویٰ و پرہیزگاری کی وصیت فرماتے، ساتھ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ اللہ کے نام سے اور اسی کے راستے میں جہاد کرو، ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں، مالِ غنیمت میں بد دیانتی نہ کرو، مُثلہ (مقتولوں کے ناک، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنا) نہ کرو، بچوں کو قتل مت کرو۔ (۵۰)

فتح مکہ کا موقع ہے، ایک ایسی قوم جو آج سے قبل بیسیوں مسلمانوں کو قتل و زخمی اور ہزاروں کو گھر بدر کرا چکی ہے، سینکڑوں مسلمانوں پر اذیت ناک تشدد میں ملوث ہے، دینِ اسلام کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکنہ تدبیر آزما چکی ہے، مکہ معظمہ کی پاک سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دینے کے بعد بھی اس کی آتشِ انتقام سرد نہیں ہوئی وہ پھر بھی مسلسل سازشوں میں ملوث رہی اور مسلمانوں پر اس نے کئی بھاری جنگیں تک مسلط کر ڈالیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود رسالت مآب ﷺ ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے، لیکن آج جب ان سے پرانے حساب چکانے کا موقع ملا ہے اور آپ ﷺ فاتحانہ شہر میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے لشکر کو حکم ہو رہا ہے:

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے

---

(۴۹) زرقانی، ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی / شرح مواہب اللدنیہ / دار المعرفہ، بیروت، ۹۳ء، / ج ۲، ص ۲۶۹

(۵۰) تفصیل کے لئے دیکھئے امام مسلم / الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ☆ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹) / السنن / دار احیاء التراث العربی، بیروت / ج ۳، ص ۲۲۸، رقم ۱۶۶۳ ☆ ابوداؤد / السنن، کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین۔

Marfat.com

۲۔ جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے

۳۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اسے قتل نہ کیا جائے

۴۔ جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے

۵۔ جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے

۶۔ بھاگ جانے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے

۷۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے

۸۔ اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔ (۵۱)

کیا اس سے بڑھ کر برداشت و رواداری، اور تحمل کا مظاہرہ ممکن ہے؟

غیر مسلموں ہی کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

جو مسلمان کسی معاہد (غیر مسلم) پر ظلم کرے گا، یا اسے نقصان پہنچائے گا یا اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لے گا تو اس غیر مسلم کے لئے (اس غاصب و ظالم مسلمان کے خلاف) میں اللہ سے انصاف مانگوں گا۔ (۵۲)

یہ تھا مخالفین سے حسن سلوک کے بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ، اگلے عنوان کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ عملی میدان میں کس مذہب اور قوم کا کیا کردار ہے؟ اور عملی اقدامات کی روشنی میں کون کس مقام پر کھڑا ہے؟

مخالفین سے سلوک، عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ

زبانی پروگراموں اور تعلیمات کے بعد آیئے دیکھیں کہ عملی اقدامات کی روشنی میں کس قوم یا مذہب کا کیا مقام ہے؟ اس لئے کہ کسی جماعت، گروہ یا قوم کو پرکھنے کی اصل کسوٹی تو عمل ہی ہے،

---

(۵۱) اس روایت کا کچھ حصہ ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ (دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء/ ج ۴ ص ۸۹، ۹۰) میں اور مکمل بیان قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے رحمۃ اللعالمین (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء، ج ۱ ص ۱۱۸) میں دیا ہے (۵۲) بخاری/ الصحیح، کتاب الجہاد

Marfat.com

ورنہ خوشنما پروگرام اور دیدہ زیب منشور تو ہر ایک پیش کر سکتا ہے، اس سلسلے میں محدود گنجائش کے پیش نظر چند مذاہب اور اقوام کا قدرے اختصار سے تذکرہ کیا جاتا ہے، اور آخر میں آں حضرت ﷺ کے اقدامات پر اجمالاً روشنی ڈالی جائے گی۔

ہندو مت اور برداشت وتحمل

برداشت اور رواداری کی بات کرنے میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا، ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ زبانی دعوے اور خوشنما بیانات کے ذریعے اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا جمہوریت پسند، سب سے زیادہ روادار اور سب سے بڑھ کر مخالفین سے حسن سلوک کرنے والا ثابت کردے۔ لیکن بیانات جاری ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں، دعوے سامنے آتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو چیز باقی رہتی ہے اور تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہو جاتی ہے، وہ فقط کردار وعمل ہے۔ کردار ایسی چیز ہے جو اگر برا ہو تو اچھا کہنے سے اچھا نہیں ہو سکتا اور اگر اچھا ہے تو اسے لاکھ برا قرار دیا جائے وہ برا نہیں ٹھہر سکتا، حقائق پر کچھ عرصے کے لئے پروپیگنڈے کے ذریعے پردہ ڈالا جا سکتا ہے لیکن انہیں تبدیل کر دینا یا ہمیشہ کے لئے انہیں چھپا دینا ممکن نہیں ہے، سچ بالآخر سامنے آتا ہے اور اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے۔ ہندوؤں کا برداشت وتحمل کے سلسلے میں جو کردار ہے اور رواداری کے سلسلے میں ان کی جو ''خدمات'' ہیں وہ قطعاً قابل رشک نہیں قرار دی جا سکتیں، اپنے بارے میں ان کا اپنا دعویٰ خواہ کچھ ہو، حقائق یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی بھی معاملے میں دوسری اقوام کے ساتھ تحمل و رواداری کا معاملہ نہیں کیا، انہوں نے کبھی مخالفین کو برداشت نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ انہیں دبانے کی کوشش کی۔

ان کے ان اقدامات کا پہلا اور سب سے بڑا نشانہ مسلمان بنے اگرچہ، سکھ، عیسائی، اور خود نچلی ذات کے ہندو کوئی بھی ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہ سکا، کچھ حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں خیال رہے کہ اختصار پیشِ نظر ہے۔

پہلے ہندوؤں کی مقدس کتب کی گواہی دیکھئے! ویدوں کو ملاحظہ کیجئے:

وہ اندرا جس نے درترا کو قتل کیا اور جس نے قصبے کے قصبے اور گاؤں کے

Marfat.com

گاؤں تہہ وبالا کردیئے، وہ جو کالے داسوں (غلاموں) کو قتل کرتا ہو۔

مزید دیکھئے:

ہم نے داسوں کو دو ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا، قضا وقدر نے ان کو اسی واسطے پیدا کیا تھا۔

یہ دعویٰ بھی خوب ہے کہ قضا وقدر نے انہیں اسی لئے پیدا کیا تھا۔ اس حوالے سے اعداد وشمار بھی ملاحظہ ہوں۔

اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں تباہ وغارت کیا۔ (۵۳)

اب ذرا قیام پاکستان سے قبل کا کچھ احوال دیکھئے! اور فیصلہ کیجئے کہ قیام پاکستان کو ہندوؤں کی عدم برداشت کی پالیسی اور جارحیت پسندی کا منطقی نتیجہ قرار دیا جاتا ہے تو بجا نہیں کہا جاتا؟

قیام پاکستان اور اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ذکر ذرا بعد میں، ابھی دیکھئے کہ قیام پاکستان سے قبل ہندوؤں کا مسلمانوں سے کیا رویہ تھا؟

قیام پاکستان سے قریباً ۳۰ سال قبل ہی ہندوؤں کی جانب سے مسلم کش فسادات شروع ہو گئے تھے (۵۴) پھر ۱۹۲۲ء میں ہندوؤں کی طرف سے بدنام زمانہ تحریک سنگھٹن شروع ہوئی، اس کے بعد تو ان فسادات کی گویا قطار لگ گئی، ۱۹۲۲ء میں محرم کے موقع پر پہلا بلوہ ہوا، پھر دہلی، الہ آباد، لکھنؤ، ناگ پور، جبل پور، گلبرگہ، شاہ جہاں پور، اور کوہاٹ وغیرہ میں بڑے بڑے فسادات ہوئے، اور لارڈ اروِن کے بقول ۱۸ ماہ سے بھی کم عرصے میں ان فسادات میں ۲۵۰ افراد قتل اور ۲۵۰۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ اور ڈاکٹر امبیدکر کے بقول بمبئی میں فروری ۱۹۲۹ء سے اپریل ۱۹۳۸ء تک کے عرصے کے دوران مسلسل ۲۱۰ روز تک ہنگامے ہوتے رہے۔ ان میں ۵۶۰ افراد قتل ہوئے اور ۴۵۰۰ افراد زخمی ہوئے اور مارچ ۱۹۳۱ء میں کانپور میں فسادات میں ۵۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ (۵۵)

---

(۵۳) محمد طفیل/ نقوش، رسول نمبر، لاہور/ ج ۴، ص ۳۱۲

(۵۴) ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی/ برعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ/ جامعہ کراچی، ۱۹۸۹ء/ ص ۳۶۳

(۵۵) تفصیل کے لئے دیکھئے سید حسن ریاض/ پاکستان ناگزیر تھا/ جامعہ کراچی، ۱۹۹۲ء/ ص ۱۵۰۔۱۵۱

Marfat.com

اسی دوران اسلام دشمنی میں ایک اور مسئلہ کھڑا کیا گیا جو گاؤ کشی سے متعلق تھا، اس تحریک کی تائید امن عالم کے خود ساختہ علمبردار مہاتما گاندھی نے بھی کی، اس تحریک کے دوران ہندوؤں کے حوصلے اس قدر بلند ہو گئے تھے کہ ۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا:

> اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے، ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے، کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا ہے۔ (۵۶)

اشتعال انگیزی اور عدم برداشت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی؟

پھر جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو ہندوؤں کو مسلمانوں کے قتل عام کا ایک اور موقع مل گیا، چاہئے تو یہ تھا کہ برداشت وتحمل سے کام لیتے ہوئے رضا کارانہ نقل آبادی ہوتی، لیکن اس عمل کو بھی جبری بنا دیا گیا اور اس دوران عام اعداد وشمار کے مطابق ۱۵ سے ۲۰ لاکھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، جبکہ سردار عبدالرب نشتر کے بقول پانچ سے دس لاکھ جانیں گئیں، نوے ہزار عورتیں غیر مسلموں کے قبضے میں چلی گئیں اور اسی لاکھ مسلمان اپنے مال وجائیداد سے محروم ہو گئے۔ (۵۷)

ہندوؤں کی عدم برداشت کی ایک مثال اردو زبان ہے، جسے دنیا کی تیسری بڑی زبان تسلیم کیا جاتا ہے (۵۸) قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصے بعد اس کے بارے میں ہندوؤں نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ ''اردو کوئی زبان نہیں ہے''۔ (۵۹) اور اس کی جگہ ایسی ہندی رائج کرنے کی کوشش کی گئی جس کے متعلق خود ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو یہ کہنا پڑا کہ ''یہ تو نرے جوڑ توڑ الفاظ کا مجموعہ ہے اور اس طرح کی ہندی کبھی عامۃ الناس کی ہندی نہیں بن سکتی''۔ (۶۰) اور آخر کار انہیں صاف لفظوں میں مذہب چھوڑ دینے کا مشورہ دے دیا گیا، اور انہیں

---

(۵۶) تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی / ص ۲۸۔۲۸ (۵۷) ایضاً / ص ۲۳۶

(۵۸) ایضاً / بحوالہ یونیسکو رپورٹ / ص ۳۳۹ (۵۹) محولہ بالا

(۶۰) روزنامہ صدق جدید، لکھنؤ / ۲۹ جنوری ۱۹۵۴ء

Marfat.com

ایک ہندو انتہا پسند تنظیم جن سنگھ کے لیڈر حکم چند نے کہا کہ مسلمانوں کو رام غلام اور حولا رام جیسے نام رکھنے چاہئیں، مسلمانوں کو اپنے تہوار بھی نہیں منانے چاہئیں، اور انہیں ہولی، دسہرہ اور بسنت منانی چاہئے۔ (۶۱)

انتصار کی خاطر دیگر موضوعات چھوڑ کر اب حال کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ کشمیر میں عرصے سے آزادی اور حق خودارادی کی تحریک جاری ہے، اور اس میں ہزاروں کشمیری مسلمان جاں بحق ہو چکے ہیں، حال ہی میں حریت کانفرنس کے شعبہ انسانی حقوق کی جانب سے جاری ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق فاروق عبداللہ کے ڈھائی سالہ دور حکومت میں ۵ ہزار ۶۷۷ کشمیری باشندوں کو شہید کیا جا چکا ہے۔ (۶۲)

جب کہ کشمیر لبریشن سیل کی ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ صدی کے آخری دس سالوں میں ۹۹۴۲۴ کشمیری مجاہدین زخمی ہوئے۔ ۹۲۲۴۸ نہتے کشمیری بھارتی افواج کے ہاتھوں بے گناہ گرفتار ہوئے۔ ۱۶۹۶۷ خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ اسی طرح ایک اور رپورٹ کے مطابق ۱۱۸۲۹ مجاہدین شہید۔ ۹۶۷۸ زخمی۔ ۱۱۵۹۳ گرفتار ہوئے۔ اس کے علاوہ شہروں اور وادی کے دوسرے علاقوں میں رہنے والے پر امن شہریوں میں سے ۴۵۰۴۲ شہید۔ ۸۹۰۱۹ زخمی۔ ۸۰۰۳۱ گرفتار کئے گئے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس دوران ۲۶۱۵۲ گھروں اور دکانوں کو نذر آتش کیا گیا اور آزاد کشمیر میں بھی بمباری اور فائرنگ کر کے ۵۳۹ نہتے اور پر امن شہریوں کو شہید اور ۱۴۳۹ افراد کو زخمی کیا گیا۔ (۶۳)

اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار کے متعلق مسلم لیگ انڈیا کے رہنما جی۔ ایم بنات والا کا کہنا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت انڈیا میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ۳۰ فیصد تھی اور اب ۳ فیصد بھی نہیں رہی۔ (۶۴)

---

(۶۱) روزنامہ نوائے وقت، لاہور/ اکتوبر ۱۹۵۵ء (۶۲) روزنامہ جنگ کراچی/ ۸ مارچ ۱۹۹۹ء

(۶۳) روزنامہ نوائے وقت، ملتان/ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۹ء/ ص ۳

(۶۴) انٹرویو جی۔ ایم بنات والا، صدر مسلم لیگ انڈیا، نشریہ بی بی سی اردو سروس ۱۰، مارچ ۹۹ء

Marfat.com

ہندوستان کے ہندوؤں کا یہ رویہ محض مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی لپیٹ میں دوسری غیر مسلم اقلیتیں بھی آ رہی ہیں۔ بھارت کے کیتھولک چرچ نے کچھ عرصہ قبل ایک رپورٹ میں یہ انکشاف کیا تھا کہ بھارت میں اس سال عیسائیوں پر چند حملوں کے بعد ہندو گروپوں کی مذہب کے خلاف مہم زیادہ منظم ہوگئی ہے۔ دہلی کیتھولک آرچ ڈائیوسز کے ڈائریکٹر کمیونی کیشن فادر ڈومیٹک ایمانیل نے بتایا کہ ہندوؤں کے حملے اب زیادہ منظم طریقے سے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں جہاں ۸۰ فیصد ہندو اور ۱۲ اعشاریہ ۲ فیصد عیسائی ہیں، عیسائی مخالف لٹریچر اب زیادہ پھیلا دیا گیا ہے۔ ایمانیل نے کہا کہ ریاست گجرات کے قبائلی ضلع ڈینگو میں ہندو بنانے کی کئی تقریبات کے منصوبے بنائے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سال وسط نومبر تک ہندوں کی طرف سے عیسائیوں پر حملوں کے ایک سو واقعات ہو چکے ہیں۔ (۶۵)

یہ تھی ہندوؤں کی عدم برداشت کی ایک جھلک۔

یہودیت اور عدم برداشت

آیئے دیکھیں کہ یہود کے عدم برداشت کے سلسلے میں ان کی مذہبی کتب کیا اعداد و شمار نقل کرتی ہیں، کیونکہ اس سے بڑا اعتراف ممکن نہیں ہے، چند حوالے ملاحظہ کیجئے:

> تب سیحون بمع اپنی ساری قوم کے یاہص پر ہمارے خلاف لڑنے کو نکلا۔ اور خداوند ہمارے خدا نے اس کو ہمارے ہاتھوں میں کر دیا۔ تب ہم نے اس کو اور اس کے بیٹوں کو اور اس کی ساری قوم کو قتل کیا۔ اور اس وقت ہم نے اس کے تمام شہروں کو لے لیا۔ اور ہر ایک شہر کے آدمیوں اور عورتوں اور بچوں کو ہلاک کیا، ہم نے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ (۶۶)

اور دیکھئے:

> اور شہر کو بمع سب کچھ کہ جو اس کے اندر تھا آگ سے جلایا۔ لیکن سونا اور چاندی اور پیتل اور لوہے کے برتن خداوند کے گھر کے خزانے میں جمع

---

(۶۵) روزنامہ جنگ، کراچی/ ۲۳ دسمبر ۲۰۰۰ء

(۶۶) عہد نامہ قدیم/ کتاب الاستثناء/ باب ۲۔ فقرہ ۳۲ تا ۳۴

Marfat.com

کیئے۔(٦٧)

اور جب بنی اسرائیل عی کے سب رہنے والوں کو میدان اور بیابان میں قتل کر چکے، جہاں انہوں نے ان کا تعاقب کیا تھا اور وہ سب تلوار کی دھار سے مارے گئے تو سارے بنی اسرائیل عی کی طرف پھرے اور اس کو تلوار کی دھار سے مارا اور سب مرد و زن جو اس مارے گئے بارہ ہزار تھے، وہ سب عی کے رہنے والے تھے(٦٨)

اور حال کے عرصے میں اسرائیل کی صورت میں یہودیت نے عدم برداشت کی جو تاریخ رقم کی ہے، وہ بجائے خود عالم انسانیت کے لئے لمحۂ فکریہ اور پوری دنیا کے لئے مقامِ عبرت ہے، جس کا آغاز ہی نہایت ظالمانہ تھا، چنانچہ تاریخ کے قاری سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر انہوں نے ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔(٦٩)

عیسائیت اور عدم برداشت

عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ بھی ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے، ان کے بارے میں ایک انگریز ہی کا یہ تبصرہ خاصا برمحل ہے کہ:

عیسائیت اپنے دورِ ابتلا میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتی رہی، لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزورِ شمشیر کچلا جائے گا۔ غیر مذہب کے لوگوں کے لئے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذا کا، دوسرا

---

(٦٧) عہد نامہ قدیم/کتاب یوشع/باب ٦۔فقرہ ۲۴ (٦٨) ایضاً/باب ۸۔فقرہ ۲۴، ۲۵۔عہد نامہ قدیم کی متعدد کتب خصوصاً کتاب یوشع اس قسم کے بیانات سے پر ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے۔کتاب یوشع کے باب ۷۔ فقرہ ۱۹۔ ۲۳۔ ۲۵۔ ۲٦۔ ۲۷۔ باب ۱۰۔ فقرہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۲۰۔ ۲٦۔ ۳۰۔ ۳۳۔ تا ۴۲۔ باب ۱۱، فقرہ ۸ تا ۲۱۔ وغیرہ (٦٩) Arnold toyn.bee J. / Astudy of history V012.

Marfat.com

نا قابلِ برداشت جسمانی اذیت کا۔(۷۰)

اس میں شبہ نہیں کہ عیسائیت کی تاریخ شروع ہی سے جبر وتشدد کی تاریخ ہے اور اس کے ہاں برداشت وتحمل کا رجحان کہیں مطلق نظر نہیں آتا، آج تو اس کا بڑا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں لیکن اس نے اپنے آغاز میں یہودیت کو بھی برداشت نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (Phocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا، جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے سینکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔(۷۱)

پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایما پر یہودی مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں یہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔(۷۲)

عیسائیت کی عدم برداشت کا جائزہ لینا ہے تو پھر ہسپانیہ کی تاریخ اور سقوط غرناطہ سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں، یہ عدم برداشت کی کتنی بڑی مثال ہے کہ عیسائیت سے یورپ کے قلب میں ایک مسلمان آبادی کا وجود برداشت نہ ہوا، حالانکہ مغرب نے علوم وفنون کے سلسلے میں مرحوم ہسپانیہ کی جس قدر خوشہ چینی کی، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، اس طرح ہسپانیہ اپنے اندر عیسائیت کی عدم برداشت کی ہی نہیں احسان فراموشی کی بھی اندوہ ناک داستان رکھتا ہے۔

ہم اس حصے کو معروف مسلم اسکالر محمد مارماڈیوک پکتھال کے اس مختصر تبصرے پر ختم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ، صقلیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام

---

(۷۰) Artur Gilman / The Saracens, P-184, London, 1887.

(۷۱) سید ابو الحسن علی ندوی / انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر/ مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ۱۹۶۷ء/ص ۵۷ (۷۲) محولہ بالا

Marfat.com

ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً و معناً اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔(۷۳)

انگریز اور برداشت وتحمل

دنیا کے ان تین بڑے مذہب کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی سب سے مہذب قوم تصور کرنے والے انگریزوں کی قوت برداشت کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے یہاں صرف ان اقدامات کا سرسری جائزہ لیا جائے گا جو انہوں نے مقبوضہ ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف کئے، انگریزوں کی مسلم دشمنی اور عدم برداشت کے مناظر جب تاریخ کے صفحات میں مستند حوالوں سے سامنے آتے ہیں تو یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آج اپنے آپ کو مہذب ترین قرار دینے والی انگریز قوم کیا اس حد تک گر سکتی ہے کہ انسانیت کو اس کے ذکر سے بھی ندامت محسوس ہونے لگے، سچ ہے کہ انسانی حقوق کی پامالیوں کی یہ داستان ایک ''تہذیب یافتہ'' قوم نے اپنے خونی سنگینوں سے لکھی ہے، چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء کو جب بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس کے کچھ ہی عرصے بعد چند غدارانِ وطن کی نشاندہی پر کیپٹن ہڈسن نے ہمایوں کے مقبرے سے شہزادوں، مرزا مغل، خضر سلطان، مرزا ابوبکر اور عبداللہ کو گرفتار کیا، اور انہیں شہر سے ایک میل دور لے جاکر برہنہ کر کے گولیوں سے شہید کر دیا گیا، پھر ان کے سر ایک طشت میں رکھ کر بادشاہ کو پیش کئے، پھر ان کی لاشیں کوتوالی کے سامنے لٹکادی گئیں اور ان کے سر جیل کے خونی دروازے پر لٹکا دیئے گئے، ہڈسن نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کی درندگی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے شہزادوں کا خون چلو بھر کر پیا اور کہا کہ ''اگر میں خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا''۔(۷۴)

---

(۷۳) محمد مارماڈیوک پکتھال/اسلامی کلچر/اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر/مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور/ص ۸۲

(۷۴) جانباز مرزا/انگریز کے باغی مسلمان/ص ۱۳۴

Marfat.com

انگریزی وحشت اس پر بس نہیں کرتی انہوں نے ''باغیوں'' کو سزا دینے کا ایک بڑا ہی دلخراش طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ باغی کو توپ سے باندھ کر اڑا دیتے تھے، ایسے ہی ایک واقعے کا ذکر ایک انگریز یوں کرتا ہے:

> ایک روز توپ کے بڑے دھماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے جس کے ساتھ ہی ایک ناقابلِ بیان دھیمی مگر وحشت ناک چیخ بھی سنائی دی، دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک نہایت ہی کرب انگیز نظارہ تھا، ایک توپ میں بارود زیادہ بھر گیا جس کے چلانے سے ملزم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا اور تماشائیوں پر خون کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اس کا سر ایک راہ رو پر اس زور سے گرا کہ اسے بھی چوٹ آئی۔(۷۵)

اس سارے تشدد کا مقصد ایک اور انگریز کے الفاظ میں فقط یہ تھا کہ ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کر سکیں گے۔(۷۶)

انگریز کی اس تشدد پسندی اور قتلِ عام نے مسلمانوں کے محلے کے محلے صاف کر دیئے، کوئی حویلی تاراج کیے بغیر نہیں چھوڑی گئی، درختوں پر بھی پھانسیاں آویزاں کر دی گئی تھیں، دہلی کے ان کشتگانِ فرنگ کا تخمینہ ۲۷ ہزار لگایا گیا ہے۔(۷۷) غالب نے یہ سب کچھ دیکھ کر ہی کہا تھا

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنہ خوں ہے ہر مسلماں کا(۷۸)

---

(۷۵) ایڈورڈ تھامسن/ انقلاب ۱۸۵۷ء، اردو ترجمہ Other Side of the Medal/ مترجم شیخ حسام الدین/ گوتم پبلشرز لاہور، ۹۳ء/ ص ۴۱ (۷۶) ایضاً/ ص ۳۹۔ انگریز کے مظالم کی تفصیل کے لئے اس کے علاوہ دیکھئے: جانباز مرزا/ انگریز کے باغی مسلمان۔ سید فضل الرحمٰن/ تحریک پاکستان کے فکری محرکات اور پروفیسر سید محمد سلیم/ تاریخ نظریہ پاکستان (۷۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ/ دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۹ء/ ج ۲۳، ص ۱۸۳

(۷۸) مرزا غالب/ دیوان غالب کامل/ مرتبہ کالی داس گپتا رضا/ انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۶ء/ ص ۳۴۶

Marfat.com

امریکہ، اور برداشت وتحمل

انگریز کے مختصر تذکرے کے بعد مختصراً امریکہ کا ذکر، امریکہ کی جانب سے مسلمانوں کے بارے میں کئے جانے والے اقدامات علیحدہ سے توجہ کے متقاضی ہیں۔ خصوصا حالیہ برسوں میں افغانستان پر حملہ (۷۹) اور عراق پر مسلسل بم باری اور پابندیاں جن کے نتیجے میں ہی ایک تا ۹ لاکھ سے زائد بچے صرف خوراک اور ادویات کی عدم فراہمی کی وجہ سے موت کا شکار ہو گئے ہیں۔ (۸۰)

اس کے علاوہ امریکی اقدامات کے نتیجے میں ۳۰ فیصد عراقی بچے اسکول کی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو گئے، اور ہر ماہ چھ ہزار بچے غذائی کمی اور بیماریوں کے سبب موت کے منہ میں جانے پر مجبور ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دو کروڑ تین لاکھ افراد مہاجر کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ (۸۱)

لیکن یہاں صرف جاپان پر اس کے ایٹمی حملوں کے اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ۱۹۴۵ء میں امریکہ اور جاپان کی جنگ میں دو چھوٹے ایٹم بم جاپان پر پھینکے گئے تھے ان میں پہلا ''ہیروشیما'' پر اور دوسرا صرف تین روز بعد ''ناگاساکی'' پر اور ان کے نتیجے میں ایک لاکھ دس ہزار سے زائد افراد ہلاک اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ (۸۲) اور اس کے مابعد اثرات ان کے علاوہ ہیں۔

اسلامی غزوات اور عالمی جنگوں کا تقابل، اعداد و شمار کے آئینے میں

آیئے اب دیکھیں کہ اسلامی غزوات میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بین الاقوامی سطح پر لڑی جانے والی لڑائیوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا اس کے بعد بھی اسلامی غزوات کو بربریت کا نام دینا اور جہاد کے مقدس لفظ کی توہین کرتے ہوئے اسے مسخ کر کے پیش کرنا کس قدر قرین انصاف ہے۔

---

(۷۹) جبکہ آج بھی دوبارہ حملوں کی دھمکیاں جاری ہیں، ملاحظہ کیجئے روزنامہ جنگ کراچی ۱۲۔۱۳ مارچ ۹۹ء

(۸۰) روزنامہ ڈان کراچی، ۲۰، دسمبر ۱۹۹۸ء

(۸۱) روزنامہ جنگ، کراچی/ ۱۹ اپریل ۲۰۰۰ء

(۸۲) روزنامہ جنگ کراچی/ ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

Marfat.com

قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ علیہ کے بیان اور تحقیق کے بموجب ان تمام غزوات و سرایا میں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیش آئے مسلمانوں کے مجموعی طور پر ۲۵۹ افراد شہید اور ۱۲۷ افراد زخمی ہوئے۔ جبکہ مخالفین کے مقتولین کی تعداد ۷۵۹ اور اسیروں کی تعداد ۶۵۶۴ ہے، اس طرح ان جنگوں میں کل ۱۰۱۸ افراد قتل، ۱۲۷ زخمی اور ۶۵۶۵ قید ہوئے (مسلمانوں کا ایک اسیر بھی شامل ہے) حالانکہ ان غزوات میں وہ واقعات بھی شامل ہیں جو معروف معنیٰ میں لڑائی تھی ہی نہیں، یا تو فریقین کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا یا پھر مجرموں کی سرکوبی کے لئے ٹیمیں روانہ کی گئی تھیں۔ (۸۳) جبکہ معروف مسلمان محقق ڈاکٹر حمید اللہ کا دعویٰ ہے کہ دشمن کے جتنے لوگ مدنی زندگی کے دس سالوں میں مرے ہیں ان کی تعداد اوسطاً فی مہینہ دو بھی نہیں، اور کل دو سو چالیس افراد بھی مخالفین کے نہیں مرے جبکہ مسلم مقتولوں کی تعداد اس سے بھی کم ہے۔ (۸۴) اب دو عالمگیر جنگوں کے نقصانات کے اعداد وشمار ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے ان دونوں میں کوئی مناسبت ہے۔

جنگ عظیم اول میں جو ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی، اس میں ہلاک ہونے والے تقریباً ۹ ملین (۹۰ لاکھ) اور شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین (دو کروڑ ۲۰ لاکھ) اور اپاہج اور معذور ہونے والے ۲۵ ملین (دو کروڑ ۵۰ لاکھ) تھے، یہ اعداد وشمار میدان جنگ کے ہیں جبکہ شہروں میں مرنے والے اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس جنگ میں مجموعی طور پر ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے، ایک کروڑ فوجی میدان جنگ میں ہلاک ہوئے، ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے، دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذوری کا شکار بنے، لاکھوں بچے یتیم ہوئے، پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں، لاکھوں عورتیں بچے، فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔ (۸۵)

جبکہ دوسری جنگِ عظیم کا احوال اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے، اس میں ہلاک ہونے والے فوجی اور شہری افراد کی تعداد ۵۴،۸ ملین تھی، اس جنگ میں کل ۱،۵ ٹریلین ڈالر لاگت آئی، جو تاریخ کی تمام جنگوں پر آنے والی لاگت سے زیادہ تھی۔ (۸۶) اس جنگ میں ۲۰ ملین (دو

(۸۳) قاضی سلیمان منصور پوری/ رحمۃ اللعالمین/ ج ۲، ص ۲۱۳

(۸۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ خطبات بہاولپور/ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۹۲ء/ ص ۲۳۹

(۸۵) روزنامہ جنگ کراچی/ ۳۰، دسمبر ۱۹۹۸ء (۸۶) ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی/ ۲۵، ستمبر ۱۹۹۵ء

Marfat.com

کروڑ) افراد معذور ہوئے، اور ۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہا دیا گیا۔ (۸۷) یہ تھی ''حقوق انسانی کے علمبرداروں'' کے ہاتھوں انسانیت کی بے توقیری۔

اس حصے کے اختتام سے قبل اسی مناسبت سے واشنگٹن پوسٹ کی حالیہ تحقیقاتی رپورٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ جس کے مطابق گزشتہ دو ہزار برسوں کے درمیان بڑی جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کی مجموعی تعداد ۱۴ کروڑ ۹۰ لاکھ ہے، جن میں سے ۱۰ کروڑ افراد صرف ۲۰ ویں صدی میں ہلاک ہوئے۔ (۸۸)

اب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کے ذمے مسلمانوں کی جانب سے اس سوال کا جواب باقی ہے کہ ان اعداد شمار میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے۔ ہم اپنی اس گفتگو کو مشہور مغربی مؤرخ الفریڈ اسمتھ (Alfred Smith) کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں جو تسلیم کرتا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ نظریاتی فتح حاصل کی ہے، وہ کہتا ہے:

> پیغمبر اسلام نے رواداری کے جو اصول وضع کئے تھے مسلمانوں نے ان پر سختی سے عمل کیا، ان اصولوں کے مطابق عیسائی اور یہودی بھی مسلم ریاست میں امن و سلامتی کی زندگی بسر کر سکتے تھے اور اپنے مذہب پر قائم رہ کر وہ تمام شہری حقوق حاصل کر سکتے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے، مسلم فاتحین کی رواداری اور اسلامی نظریۂ حیات کی کشش لاکھوں عیسائیوں اور یہودیوں کو دائرہ اسلام میں لے آئی، یہ مسلمانوں کی عسکری فتح نہیں نظریاتی فتح تھی۔ (۸۹)

آنحضرت ﷺ اور برداشت وتحمل

اسلامی جنگوں اور غزوات میں ہونے والا جانی نقصان تو سامنے آچکا اور اس کے مقابل عالمی جنگوں کے نقصانات بھی واضح ہو چکے ہیں، اب یہاں ان چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

(۸۷) روزنامہ جنگ کراچی/ ۳۰، دسمبر ۱۹۹۸ء (۸۷) ایضاً/ ۱۴ مارچ، ۱۹۹۹ء

(۸۹) ابو محمد امام الدین/ غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسنِ اسلام/ صدیقی ٹرسٹ کراچی/ ص ۹

Marfat.com

جب آپ ﷺ نے مخالفین کے ساتھ بے پناہ و بے مثال قوتِ برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ مخالفین کو معاف فرما دیا بلکہ ان کے لئے دعائے ہدایت تک فرمائی اور جانی دشمنوں سے بدلہ تک نہیں لیا۔

بددعا کے موقع پر بھی دعا

طائف کے سفر میں جب آنحضرت ﷺ سے بدسلوکی کی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے اس وقت جبرئیل امین علیہ السلام ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کے ساتھ آئے اور کہا کہ اللہ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ حکم کریں تو دونوں طرف کے پہاڑوں کو ملا کر ان تمام افراد کو کچل دیں، رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں کریں گے۔ (۹۰)

اسی طرح جب غزوۂ احد میں آپ ﷺ زخمی ہوئے، آپ ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوا اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا، ایسے موقع پر بھی رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم برداشت وتحمل کی اپنی ہی قائم کردہ بے مثال روایات کی پاسداری فرماتے ہیں اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ان کے لئے بددعا فرمایئے تو رحمۃ عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں مبعوث کیا گیا، میں تو ہادی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اور پھر ان کفار کے لئے یہ دعا فرماتے ہیں:

اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون (۹۱)

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔

قحط کے موقع پر مدد

وہی قریش مکہ جنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو شعب ابی طالب میں محصور کر کے انہیں دانے پانی تک کا محتاج کر دیا تھا اور جب بھوک سے بچے بلبلاتے تو یہ

(۹۰) بخاری/ الصحیح / ج ۲ ص ۱۴۶ (۹۱) قاضی عیاض/ الشفاء/ ج ۱ ص ۶۱

Marfat.com

خوشی و مسرت کا اظہار کرتے تھے وہی قریشِ مکہ قحط کا شکار ہوئے اور یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ نے جہاں سے مکہ کو غلہ سپلائی ہوتا تھا اسلام لانے کے بعد جب مکہ کو غلے کی فراہمی بند کردی تو وہ آپ ﷺ کے دربار سے امداد کے طالب ہوئے، ہر چند اہل مکہ کا ظالمانہ کردار آپ ﷺ کے سامنے تھا مگر رحمت عالم ﷺ نے انسانیت کو تڑپتے دیکھنا برداشت نہ کیا، اور ثمامہ رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ پابندیاں اٹھالو، اور یوں غلے کی فراہمی پھر سے شروع ہوگئی۔ (۹۲)

فتح مکہ، قوت برداشت کا بے مثال مظاہرہ

تاریخ کا سب سے عجیب، سب سے حیرت انگیز اور سب سے انوکھا منظر فتح مکہ کے موقع پر نظر آتا ہے، جب سالوں سے دشمنی کرنے والے، سینکڑوں مسلمانوں کے قاتل، طرح طرح سے اذیت رسانی میں پیش پیش رہنے والے اور آپ ﷺ کی ذات تک کو براہ راست نشانہ بنانے والے مجرموں کی حیثیت میں سامنے آتے ہیں، جب رحمت تمام ﷺ ان پر ہر طرح سے غلبہ پالیتے ہیں اور پرانے بدلے چکانے اور سالہا سال کا حساب صاف کرنے کا موقع آتا ہے تو آپ ﷺ ان کی طرف دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہیں کچھ علم ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ لوگ آپ ﷺ کے مزاج سے کسی قدر آگاہ تھے، وہ اس سے قبل بار بار رحمتِ عالم ﷺ کی رحمتِ عامہ اور عفو و ترحم کا مشاہدہ کر چکے تھے، فوراً بول اٹھے آپ ﷺ شریف بھائی ہیں، اور شریف بھائی کی اولاد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء (۹۳)

آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ اس سے بڑھ کر برداشت و تحمل اور عفو و درگزر کی کوئی ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

---

(۹۲) ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ ج ۴ ص ۲۴۵ (۹۳) شبلی نعمانی/ سیرت النبی/ ج ۱ ص ۳۰۰

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کا برداشت وتحمل، غیر مسلم مفکرین کی نظر میں

آپ ﷺ کے کے ان بے مثال اقدامات نے جو پوری انسانیت کے لئے پیغامِ امن اور ساری نسلِ انسانی کے لئے راہ نجات ثابت ہوئے، ہر انصاف پسند ذہن کو متاثر کیا اور ہر منصف مزاج شخص اس پر آپ ﷺ کو خراجِ عقیدت پیش کرتا نظر آتا ہے، حتیٰ کہ وہ مستشرقین بھی اس صف میں دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں جن کی تحقیقات ان کی حق پسندی کا زیادہ ثبوت فراہم نہیں کرسکیں، یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نبیٔ رحمت، ہادیٔ اعظم اور محسنِ عالم ﷺ کی رحمت ورافت، عفوودرگزر، مثالی رواداری اور بے مثال قوتِ برداشت خود بخود انہیں اعترافِ حقیقت کرنے پر مجبور کررہی ہے، صرف چندایک بیانات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سکھ سیرت نگار جی سنگھ دارا فتح مکہ کے موقع پر مشرکینِ مکہ کے ساتھ رحم وکرم اور عفوعام پر مبنی سلوک کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے:

> سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ دریائے رحمت کی اس طغیانی کا، یہ دریا اُمڈا اور ہر غلاظت وعفونت گناہ کی بہالے گیا، رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں کو، اپنی نور چشم کے قاتلوں کو، اپنے چچا کا کلیجہ کھانے والوں کو سب ہی کو معافی دے دی، اور قطعی معافی، قتلِ عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی۔ (۹۴)

ایک یورپی دانشور آرتھر گلیمن (Arthur Gliman) فتح مکہ ہی کے حوالے سے کہتا ہے:

> فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپ (ﷺ) کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جبکہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ (ﷺ) کو جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور آپ (ﷺ) کے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی تھا، مگر آپ (ﷺ) نے اپنے لشکر وسپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا، دوسرے

---

(۹۴) جی، سنگھ دارا،/ رسول عربی/ سیرت اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۹ء/ص ۱۱۸

Marfat.com

فاتحین کے وحشیانہ طرز عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا۔(۹۵)

بی، ایس رندھاوا ہوشیار پوری آپ ﷺ کی رحم دلی، شفقت اور قوتِ برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

حضرت محمد (ﷺ) کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا، ایسی حالت میں کیوں نہ محمد صاحب (ﷺ) کی رحم دلی اور شفقت اور مروت علی الخلوقات کی داد دوں، جنہوں نے خود تو ظلم وستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھا لئے مگر اپنے ستانے والے اور دکھ دینے والوں کو اف تک نہ کہا بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں اور طاقت واقتدار حاصل ہو جانے پر بھی ان سے کوئی انتقام نہیں لیا۔(۹۶)

سوامی لکشمن رائے کی رائے دیکھئے:

مفسر راز حیات سرور عالم (ﷺ) کے سوا تاریخ عالم کے تمام صفحات زندگی اس قدر صحیح تفسیر کرنے والی دوسری شخصیت عظمیٰ کے بیان سے خالی ہیں، وہ کونسی اذیتیں تھیں جو کفرستان عرب کے کافروں نے اپنے عقائد باطلہ کی حفاظت کے لئے اس بت شکن پیغمبر کو نہیں دیں، وہ کون سے انسانیت سوز مظالم تھے جو عرب کے درندوں نے اس رحم و ہمدردی کے مجسمے پر نہیں توڑے، وہ کون سے زہرہ گداز ستم تھے جو جہالت کے گہوارے میں پلنے والی قوم نے اپنے سچے ہادی پر روا نہیں رکھے، مگر انسانیت کے اس محسنِ اعظم (ﷺ) کی زبان فیض ترجمان سے بجائے بددعا کے دعا ہی نکلی (۹۷)

لالہ مہر چند لدھیانوی کہتے ہیں:

---

(۹۵) Artur Gilmam/The Saracens,P-184- 185, London , 1887.

(۹۶) ماہنامہ مولوی دہلی/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ (۹۷) اخبار صحیفہ حیدر آباد دکن/ نومبر ۱۹۳۲ء

Marfat.com

بانی اسلام نے دشمنوں کی زبان سے اور ان کے ہاتھوں سے وہ ظلم برداشت کئے جن پر کمزور سے کمزور آدمی بھی بگڑ کھڑا ہوتا ہے، مگر بانی اسلام نے استعدادِ مقابلہ اور طاقت کے باوجود کبھی جواب میں زبان ہلانا یا ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کیا۔(۹۸)

اور ماسٹر تارا سنگھ ان لوگوں کی کم عقلی پر ہنستے ہیں جو حضور ﷺ کے پیغام کو پھیلانے میں تلوار کا کمال سمجھتے ہیں:

جب کوئی مجھے یہ کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب پھیلایا تھا تو مجھے اس شخص کی کم فہمی پر ہنسی آتی ہے۔(۹۹)

ایک ہندو سیرت نگار رانا بھگوان داس آپ ﷺ کی رحم دلی اور قوتِ برداشت پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

فتح مکہ نے خون آشامی و دردناکی کو ختم کر کے اخلاص، محبت جاوداں اور امن و عافیتِ ذیشان کا مقدس درس دیا، کاش جنگ میں آگ و خون کا دریا پیدا کرنے والے فاتحین عالم جادۂ محمد (ﷺ) پر گامزن ہوتے۔(۱۰۰)

رومانیہ کے دانشور کونسٹن ویرژل فتح مکہ ہی کے بارے میں کہتے ہیں:

مروجہ قوانین کے مطابق پیغمبر اسلام (ﷺ) کو یہ حق حاصل تھا کہ شہر کے سارے مردوں کو تہہ تیغ کر ڈالیں یا انہیں اپنا غلام بنالیں، لیکن آپ (ﷺ) نے اہل مکہ کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی بخشش نے اہل مکہ کو نئی زندگی عطا کی۔(۱۰۱)

اور آخر میں سویڈن کے مشہور مستشرق ٹورانڈرے (Towrandrae) کی رائے دیکھیے وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کی قوت برداشت پر رطب اللسان ہیں:

---

(۹۸) ماہنامہ مدینہ، انڈیا/ جولائی ۱۹۳۲ء (۹۹) اخبار ارمان، دہلی/ ۱۷ جولائی ۱۹۳۲ء

(۱۰۰) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی/ روزنامہ جنگ کراچی/ ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸

(۱۰۱) سیارہ ڈائجسٹ، لاہور/ عکس سیرت نمبر/ جون ۱۹۹۶ء

Marfat.com

غیر ضروری امور پر ذاتی توہین کو برداشت کرنے کا آپ (ﷺ) کا حوصلہ اور ہمت، یہ صفات بتاتی ہیں کہ آپ (ﷺ) بے مثال اور منفرد اہلیت کے مالک تھے، واقعہ یہ ہے کہ آپ (ﷺ) کی سی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمامِ کار ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے، خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کے لئے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے۔ (۱۰۲)

خلاصۂ کلام

آپ نے اسلام کی قوتِ برداشت، دشمنوں سے حسن سلوک اور رواداری کا احوال پڑھا، رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مخالفین سے برتاؤ اور عفوودرگزر کا مشاہدہ کیا، آپ نے قرآنی تعلیمات دیکھیں اور پھر ان کے پہلو بہ پہلو اقوام عالم کے کردار و عمل کی چند جھلکیاں بھی آپ کے سامنے پیش کی گئیں۔ کیا یہ سب جاننے کے بعد یہ کہنا قرین انصاف نہ ہوگا کہ درحقیقت رحمت عالم، ہادیٔ اعظم ﷺ کا کسی سے کسی بھی پہلو سے، کسی بھی حیثیت میں کوئی مقابلہ نہیں، مقابلہ تو کجا کوئی آپ ﷺ کے پاسنگ بھی نہیں۔ رہے وہ جو ''انسانی حقوق'' کے علمبردار ہیں ان کے کاغذی پیراھن بظاہر خواہ کتنے ہی دیدہ زیب کیوں نہ ہوں ان کے کردار کی ستر پوشی کے لئے کافی نہیں اور بارش کا ایک قطرہ بھی ان کا بھرم کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آج عدم برداشت کے جو رجحانات قومی یا بین الاقوامی سطح پر فروغ پا رہے ہیں اس کی واحد وجہ قرآنی تعلیمات سے انحراف اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے روگردانی ہے، اگر ہم آج بھی اپنی کوتاہیوں سے تائب ہو کر قرآن حکیم اور اسوۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرلیں تو نہ صرف ان تمام فتنوں، مصائب و آلام اور مشکلات و فسادات سے امان پا سکتے ہیں بلکہ پوری دنیا کی امامت کا تاج بھی پھر سے مسلمانوں کے سر پر سج سکتا ہے۔

اس موقع پر اس حقیقت کی یاد دہانی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس حوالے سے ہمارے

(۱۰۲) رشید احمد جالندھری/ مقالات سیرت/ ۱۹۸۹ء، وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد/ ص ۲۷۰

Marfat.com

اندر بھی جو کمزوریاں، خامیاں اور کوتاہیاں راہ پا چکی ہیں ان کے ازالے کے لئے کوشش کرنا بھی بطور مسلمان ہمارا اولین فریضہ ہے۔ کسی بھی قوم کی کسی بھی نوعیت کی کمزوری یا خامی ہماری کوتاہیوں کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔ جو چیز غلط ہے بطور مسلمان ہمارا یہ فرض ہے کہ اسے دوسروں سے پہلے دور کرنے کی کوشش کریں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ جو اچھائیاں ہیں انہیں حاصل کرنا بھی اوروں سے پیشتر ہم پر لازم ہے۔

اختتام سے قبل ایک وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر مقالے میں غیر مسلم مفکرین، اہلِ علم اور دانشوروں کے حوالہ جات کثرت سے آئے ہیں، اس سے مقصود ان لوگوں کو دعوتِ فکر دینا ہے جو ہر چیز کو مغرب کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اور جن کی نظر میں ان کا ہر فرمان مستند ہے، اسی بناء پر تقابلی مطالعے پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں، اخلاص عطا فرمائیں اور مفید بنائیں اور ہم سب کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ،

و ازواجہ و اہل بیتہ اجمعین

Marfat.com

بے لاگ احتساب
سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس ۲۰۰۰ء

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

اس ابدی حقیقت کا نہ انکار ممکن ہے نہ اس سے انحراف کی کوئی صورت ہے کہ فطرت کے اصول اور قوانین اٹل ہیں اور تا ابد رہنے کے لئے ہیں، ان میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی ممکن نہیں، یہ ضابطے ہر چیز پر محیط ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ بھی ان اصول وضوابط کی حدود سے باہر نہیں، ان میں توازن ہے، اعتدال ہے ایک نظم وضبط ہے، کائنات کے عناصر کا یہ اعتدال ہی ہے جو اسے برقرار رکھے ہوئے ہے ورنہ اس ضمن میں معمولی سی بے اعتدالی اور طے شدہ طریقہ کار سے تھوڑا سا انحراف بھی نظام کائنات کو درہم برہم کرنے کے لئے کافی ہے۔

Marfat.com

تمہید

یہ مقالہ ذیل کے امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ احتساب، مفصل تشریح۔

۲۔ موجودہ دور میں احتساب کی ضرورت۔

۳۔ بے لاگ احتساب کے اجزائے ترکیبی۔

۴۔ اقسام احتساب۔

۵۔ اجتماعی احتساب کے مختلف پہلو۔

۶۔ بے لاگ احتساب کی درخشاں مثالیں۔

فطرت کے قائم فرمودہ نظام کے تحت کرۂ ارض پر فساد کا پھیلنا اور زمین پر بسنے والی مخلوق کا جبر وتشدد اور ظلم وستم کا شکار ہونا یہ سب انسان کی پیدا کردہ برائیوں، سیاہ کاریوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس قاعدے کی رو سے جب کبھی انسان اپنے فرائض سے روگردانی کرتا ہے، اپنے خالق و مالک کی جانب سے اپنے اوپر عائد کردہ ذمہ داریوں سے اعراض کرتا ہے اور اپنے اوپر واجب دوسروں کے حقوق سے احتراز کرتا ہے تو پھر تباہی کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز ہو جاتا ہے، اور آہستہ آہستہ خرابیاں اس مقام تک پہنچ جاتی ہیں جہاں سے واپسی کا راستہ تک باقی نہیں رہتا اور انسان کو ہوش اس وقت آتا ہے جب اس کے لئے کرنے کو کچھ باقی نہیں بچتا، عمل کا وقت گزر چکا ہوتا ہے، اب فقط نتائج کا ظہور باقی رہتا ہے۔

اس کے برعکس اگر انسان اپنی زندگی گزارنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں جاری رکھے، فرائض وحقوق کی پابندی اور نواہی ومنکرات سے اجتناب کرے، اور وقتاً فوقتاً اپنا محاسبہ کرتا رہے تو دنیا کے نظام کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا اور زمین بھی فساد وتضاد کے عمل سے محفوظ رہتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

Marfat.com

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

بحر و بر میں فساد ظاہر ہو گیا لوگوں کی اپنی ہاتھ کی کمائی (اعمالِ بد) کے باعث، تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزا چکھا دے، ممکن ہے لوگ (راہِ راست پر) واپس لوٹ آئیں۔(۱)

یہ فساد صرف اس لئے پھیلا، یہ طوفان فقط اس لئے بپا ہوا کہ اللہ اس کے ذریعے مخلوق کو ان کی بداعمالیوں کا مزا چکھانا چاہتا ہے، تاکہ جن کی قسمت میں ہدایت ہو وہ غلط راستے سے لوٹ کر راہِ راست اور صراطِ مستقیم پر واپس آ جائیں۔(۲)

اس ابدی حقیقت کا نہ انکار ممکن ہے نہ اس سے انحراف کی کوئی صورت ہے کہ فطرت کے اصول اور قوانین اٹل ہیں اور تا ابد رہنے کے لئے ہیں، ان میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی ممکن نہیں، یہ ضابطے ہر چیز پر محیط ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ بھی ان اصول وضوابط کی حدود سے باہر نہیں، ان میں توازن ہے، اعتدال ہے ایک نظم وضبط ہے۔ کائنات کے عناصر کا یہ اعتدال ہی ہے جو اسے برقرار رکھے ہوئے ہے ورنہ اس ضمن میں معمولی سی بے اعتدالی اور طے شدہ طریقہ کار سے تھوڑا سا انحراف بھی نظام کائنات کو درہم برہم کرنے کے لئے کافی ہے۔ ستاروں کی روشنی، چاند وسورج کا حساب، ایام کی تبدیلی، موسموں کا تفاوت، مزاجوں کا اختلاف، علاقوں کا فرق سب ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ کیونکہ قدرت کے طے فرمودہ طریقہ کار کے تحت ہیں، فرمانِ خداوندی ہے!

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝

اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے میزان (عدل) قائم کی۔ تاکہ تم

---

(۱) روم: ۴۱ (۲) ملاحظہ کیجئے آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ)/ روح المعانی/ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۸۵ء/ ج ۲۱/ ص ۴۸، ☆ ابن کثیر، الحافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل، (م ۷۷۴ھ)/ تفسیر القرآن العظیم/ عیسیٰ البابی الحلبی، مصر/ ج ۳/ ص ۴۳۵، ☆ سید امیر علی ملیح آبادی (م ۱۹۱۹ء)/ مواہب الرحمٰن/ مکتبہ رشیدیہ، لاہور/ ج ۲۱/ ص ۵۲-۵۳

Marfat.com

تو لنے میں بے اعتدالی نہ کرو۔(۳)

ہر معاشرہ اگرچہ مختلف عناصر سے مرکب ہوا کرتا ہے لیکن ان عناصر میں افراد کی اہمیت و حیثیت امتیازی ہوتی ہے، یہ وہ اکائی ہے جو معاشرے کی سمت متعین کرتی ہے، اسی پر معاشرے کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا انحصار ہوتا ہے، اس کے برخلاف اگر یہ اکائی ہی فساد و تضاد کی شکار ہو جائے تو پھر پورا انسانی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہو جاتا ہے۔(۴) اس لئے معاشرے کی اصلاح کی درست صورت یہی ہے کہ اصلاح کا عمل فرد سے شروع کیا جائے۔ سابقہ تمام پیغمبروں اور انبیائے کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ کار رہا، اور آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی پہلی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا۔ اور چونکہ اصلاح معاشرے کے لئے احتساب لازمی عنصر ہے، اس لئے احتساب کا آغاز بھی فرد ہی سے ہوگا، اور یہی آغاز معاشرے کی تعمیر و ترقی کا سنگ بنیاد بھی ثابت ہوگا۔ انشاءاللہ۔

حکومت اور اس کے ذیل میں آنے والے تمام ادارے اور ان کو تفویض ہونے والی تمام ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کی امانت ہیں، اس امانت میں من مانے تصرف کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کی متعین فرمودہ حدود کے اندر رہ کر قومی مفاد اور مصالح میں خرچ کرنے کی اجازت ہے، جن لوگوں کو یہ امانتیں سپرد ہوتی ہیں وہ خدا کے حضور اس کے جوابدہ ہیں، بدعنوانی اور لوٹ مار کا آغاز وہیں سے ہوتا ہے جہاں جواب دہی اور امانت داری کے تصور کا اختتام ہوتا ہے، اسلام نے اسی بنا پر پہلے نمبر پر خود احتسابی کو لازمی قرار دیا ہے، تاکہ خوفِ آخرت اور خدا کے حضور جواب دہی کا تصور قوی رہے، اور دوسرے مرحلے میں حکمرانوں پر اور ہر اس شخص پر محاسبے کا فریضہ عائد کیا ہے جو کسی بھی درجے میں ذمہ دار اور مسئول ہیں۔

ذیل کی سطور میں احتساب کی تشریح کے بعد احتساب کے اجزائے ترکیبی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ احتساب کے اسلامی طریقہ کار پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

---

(۳) رحمٰن: ۷، ۸

(۴) سید عزیز الرحمٰن/تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت/زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۶ء/ص ۱۴، ۱۵

Marfat.com

احتساب مفصل تشریح

لغوی معنیٰ

ح، س، ب مادے کے الفاظ بہت سے معانی میں استعمال ہوتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ باب نصر سے حسبہ، حساباً و حسباً، حِسْبَاناً اور حَسبۃ و حِسَابَۃً کے معنی شمار کرنے اور گننے کے ہیں (۵)

۲۔ باب سمع اور حَسِبَ سے حِسبانا و مَحْسَبَۃً و مَحْسِبَۃً کے معنی گمان کرنے اور خیال کرنے کے ہیں۔ (۶)

۳۔ باب کرم سے حَسْباً و حسابَۃً کے معنی ہیں شریف الاصل ہونا۔ (۷)

۴۔ اسی طرح حَسَّبَہُ کے معنی تکیہ دینے کے ہیں اور اگر حسبہ المیت کہا جائے تو میت کو کفن دینے اور دفنانے کے معنی ہوں گے۔ (۸)

۵۔ اور اَحْسَبہ کے معنی ہیں کسی کو خوب دینا، مثلاً کہا جاتا ہے اعطیٰ فاحسب، اس نے دیا اور خوب دیا۔ (۹)

۶۔ حَاسَبَہُ مُحَاسبۃً و حِسَابًا حساب کی جانچ پڑتال کرنا۔ (۱۰)

۷۔ تَحَاسُباً، آپس کے حساب کی جانچ پڑتال کرنا، آپس کا حساب درست کرنا۔ (۱۱)

۸۔ احتساب عربی میں طلبِ اجر کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۵) لوبس معلوف/ المنجد عربی/ مطبعہ کاثولیکیہ، بیروت ۱۹۴۷/ص ۱۲۷، (۶) ایضاً (۷) ایضاً (۸) ابن المنظور/ لسان العرب/ نشر ادب الحوزہ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ/ ج ۱، ص ۳۱۵ ☆ لوبس معلوف/ النجد/ محولہ بالا (۹) ایضاً (۱۰) لسان العرب/ ج ۱، ص ۳۱۵، ☆ المنجد/ ص ۱۲۷ (۱۱) لسان العرب/ ایضاً

Marfat.com

من صام رمضان ایماناً و احتساباً (۱۲) یعنی طلباً لوجه الله تعالیٰ و ثوابه

۹۔احتسب ان معانی میں بھی مستعمل ہے،(i) احتسب الامر ،شمار کرنا،گمان کرنا، (ii)احتسب ماعند فلان ،دوسروں کے پاس موجود چیز کا حساب،شمار،آزمائش کرنا، (iii) احتسب علیه الامر ،امرمنکر سے منع کرنا، (iv) احتسب به، قناعت کرنا، (v) احتسب عنه،رک جانا باز رہنا۔(۱۳)

موجودہ مفہوم

اردو میں احتساب کے معنی حساب، جانچ پڑتال اور آزمائش کے ہیں۔(۱۴) آج کل کا مروجہ مفہوم بھی یہی ہے اور غالبًا اس کا تعلق احتسب ماعند فلان سے ہے، جس کے مفہوم میں احتساب کے موجودہ معانی شامل ہیں۔

---

(۱۲)مکمل حدیث اس طرح ہے،(عن ابی هریرةؓ) ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من صام رمضان إیمانا و احتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه، و من قام لیلة القدر ایماناً و احتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے رکھے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جس شخص نے لیلۃ القدر کو ایمان کی حالت میں ثواب کی غرض سے رات بھر عبادت کی اس کے (بھی) سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔مسلم ابوالحسین بن حجاج القشیری (م ۲۶۱ھ)/ الصحیح / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/ ج۱ص ۴۲۴/ رقم ۷۶۰، ☆ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، (م ۲۵۶)/ الصحیح / مصطفی البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۳ء/ کتاب الصوم، باب ۶، ☆ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی (م ۲۷۵)/السنن / دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج ۱ص ۵۱۰، رقم ۱۳۷۲، ☆ نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب (م۳۰۳)/ السنن/ کتاب الصیام باب ثواب من قام رمضان وصامه ایمانا واحتسابا .

(۱۳) بلیاوی، ابوالفضل عبدالحفیظ/ مصباح اللغات/ مکتبہ برہان دہلی، ۱۹۵۰ء/ص ۱۲۸

(۱۴) فیروزالدین، مولوی/ فیروز اللغات اردو، جامع / فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور/ص ۳۷۔

Marfat.com

موجودہ دور میں احتساب کی ضرورت

احتساب کی ضرورت سے کوئی باعزت اور متمدن معاشرہ انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ ترقی پذیر ہو یا ترقی یافتہ، احتساب کی ضرورت واہمیت ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں!

> احتساب ایک سنہری زنجیر ہے، جس میں تمدن، اخلاق، مذہب اور معاشرت کی تمام جزئیات جکڑی ہوئی ہیں، اگر اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے تو دفعتاً نظامِ عالم کی ایک ایک کڑی درہم برہم ہو جائے، اسی غرض سے دنیا نے احتساب کو مختلف صورتوں میں قائم رکھا، خاندانوں اور کنبوں نے مختلف رسم و رواج اختیار کئے، جن کی خلاف ورزی موجبِ ملامت بلکہ بعض اوقات قومی جرم خیال کی جاتی ہے، سلطنتوں نے قوانین بنائے جو انسان کو ایک خاص نظام کے ماتحت ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع دیتے ہیں، حکما نے فلسفۂ اخلاق ایجاد کیا جو اخلاقی قوانین کی پیروی پر جمعیت بشری کو مجبور کرتا ہے (۱۵)

جیسا کہ تحریر ہوا احتساب کی ضرورت ہر متحرک، فعال اور مستحکم معاشرے میں ہوتی ہے اور در حقیقت وہی قوم کامیاب بھی ہے جو ہمہ وقت اپنے احتساب پر مستعد و تیار رہتی ہے۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

لیکن جہاں یہ معاملہ ہو کہ ہر آنے والا دن صورتِ حالات کے مخدوش تر ہونے کی گواہی دے رہا ہو وہاں احتساب سے روگردانی آخری موقع کھو دینے کے مترادف ہوتی ہے، ہمارے ملک اور معاشرے کا اس وقت یہی عالم ہے، اس کی وضاحت کے لئے ذیل کے نکات پر غور کیجئے:

۱۔ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملک میں مقیم پاکستانیوں کی بیرونِ ملک بینکوں

---

(۱۵) ابوالکلام آزاد، مولانا/ رسولِ رحمت/ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور/ ترتیب مولانا غلام رسول مہر/ ص ۶۹۹،

Marfat.com

میں رکھی ہوئی رقوم کا تخمینہ ۵۰ بلین ڈالر ہے۔ جبکہ کچھ عرصے قبل ایک امریکی سفارت کار کا یہ بیان اخبارات کی زینت بن چکا ہے کہ پاکستان سے ۱۰۰ بلین ڈالر کی رقم لوٹ کر بیرونِ ملک منتقل ہو چکی ہے۔

۲۔ ملک کو بدعنوانی، دھوکہ دہی، اسمگلنگ، اسراف اور نااہلی و بددیانتی کی وجہ سے ہونے والے سالانہ نقصان کا تخمینہ ۶۰۰ بلین روپے، جس کی مختصراً تفصیل یہ ہے، ☆ ٹیکس چوری اور ٹیکس نظام میں دیگر گھپلوں سے سالانہ نقصان ۲۰۰ بلین روپے، ☆ ۱۰۰ بلین روپے کے ترقیاتی بجٹ میں بدعنوانی سے نقصان ۶۰ بلین روپے سالانہ، ☆ بینکوں کے پھنسے ہوئے قرضوں کی رشوت، سیاسی دباؤ اور بدعنوانی کی بنا پر عدمِ وصولی سے نقصان ۱۵ بلین روپے سالانہ، ☆ پبلک سیکٹر میں بدعنوانی، فضول خرچی، نااہلی و بددیانتی سے حکومت کو پہنچنے والا نقصان ۱۰۰ بلین روپے سالانہ ☆ غیر ترقیاتی اخراجات میں بدعنوانی اور اسراف کی وجہ سے نقصان ۱۵ بلین روپے سالانہ، وغیرہ۔

۳۔ سات برسوں میں بیرونی کرنسی کے کھاتوں کی تقریباً ۱۰ بلین ڈالر کی رقم کو بلا اختیار شاہ خرچیوں اور غیر ضروری درآمدات وغیرہ میں خرچ کرنا، جو کہ خیانت کی بدترین مثال ہے۔ (۱۶)

۴۔ گزشتہ حکومت کے ۳۲ رماہ کے دورِ اقتدار میں غیر ملکی قرضوں کی مد میں ۱۵ ارب ڈالر کا ریکارڈ اضافہ۔

۵۔ سالانہ بدعنوانی (Corruption) کا تخمینہ ۲۰۰ ارب روپے ہے جس میں ۴۰ ارب روپے سرکاری ملازمین کی بدعنوانی اور ۱۴۰ ارب روپے ٹیکس چوری کی نذر ہوتے ہیں۔

۶۔ 145 رارب روپے کے قرضے ناکافی ثبوت، ریکارڈ غائب ہونے اور سیاسی اثر و رسوخ کی بناء پر ناقابلِ واپسی تصور کئے جا چکے ہیں۔ (۱۷)

۷۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ۷۰ فیصد بیوروکریٹ رشوت لیتے ہیں۔ (۱۸)

۸۔ اور انسٹیٹیوٹ آف کاسٹ اینڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنٹس پاکستان کی رپورٹ کے مطابق

---

(۱۶) ڈاکٹر شاہد حسین صدیقی/ معشیت کی جھلکیاں/ روزنامہ جنگ کراچی/ ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء

(۱۷) روزنامہ جنگ کراچی/ ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء (۱۸) روزنامہ جنگ، کراچی/ ۲۴ دسمبر ۱۹۹۹ء

Marfat.com

پاکستان میں ہر سال ۶/کھرب سے زیادہ کی مالی بدعنوانی ہوتی ہے، جس میں ہر سال ڈھائی کھرب روپے کے ٹیکس چوری ہوتے ہیں۔ جبکہ سرکاری اداروں کی بدانتظامی اور خورد برد میں ایک کھرب روپے، سالانہ ترقیاتی اور غیر ترقیاتی پروگراموں میں ۵۷ارب اور سرکاری بینکوں و مالیاتی اداروں میں ہر سال ۲۵اارب روپے نااہلی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ (۱۹)

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں تصور کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے لئے اس وقت بے لاگ احتساب کس قدر ناگزیر ہو چکا ہے۔ رہا اسلامی تعلیمات اور سیرتِ طیبہ سے حاصل ہونے والی ہدایات کا معاملہ تو ان کی روشنی میں بھی احتساب ہر حکومتِ وقت کی اولین ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

احتساب کے اجزائے ترکیبی

احتساب کوئی مفرد چیز نہیں متعدد امور سے مرکب ایک مکمل نظام کا نام ہے۔ جو نظامِ حکومت کا حصہ ہے، اس کے اجزائے ترکیبی میں نظامِ حکومت وسلطنت کے تمام اہم اجزا شامل ہیں۔ جن پر کسی حکومت کے استحکام کا مدار ہوتا ہے، کیونکہ ایک مستحکم حکومت ہی ایک مضبوط نظامِ احتساب کی بنیاد رکھ سکتی ہے۔ یہ وہ امور ہیں جو ہر حکومت کے لئے ضروری ولابدی ہیں، ان سے اعتنا کئے بغیر کسی حکومت کے لئے استحکام حکومت اور احتسابِ مسلسل کی منزل کا حصول ممکن نہیں، نیز ان نکات پر اگر عمل کر لیا جائے تو کافی حد تک احتساب کی ضرورت خود ہی پوری ہو جاتی ہے، ذیل میں ان کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے، ساتھ ساتھ احتساب کے ساتھ ان کے ربط وتعلق کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

عدل

عدل عربی زبان کا لفظ ہے اس کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں، علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی

---

(۱۹) روزنامہ جنگ، کراچی/۴ فروری ۲۰۰۰ء

Marfat.com

کمی بیشی نہ ہو، اسے عدل کہا جاتا ہے۔(۲۰) ابن منظور کے بقول عدل حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا نام ہے اور یہ جور کی ضد ہے۔(۲۱)

نسفی نے کہا ہے کہ عدل آپس کے حقوق میں تسویہ و برابری، ظلم کو ترک کرنے اور ہر حق دار تک اس کا حق پہنچانے کا نام ہے۔(۲۲)

ابن فارس کہتا ہے **العدل، الحکم بالا ستواء**۔(۲۳) عدل برابری کے حکم کو کہتے ہیں۔ایک معنی یہ کئے گئے ہیں **ھو التوسط بین طرفی النقص** (۲۴) دو مخالف انتہاؤں کے بالکل درمیان میں ہونا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدل، اعتقاد، عمل اور خلق میں اعتدال اور میانہ روی کا نام ہے۔(۲۵) اس قول کی تشریح بیضاوی کے ہاں ملتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ''عدل تمام امور میں توسط اور میانہ روی کا نام ہے اعتقاداً بھی جیسے خدا کے انکار اور شرک کے درمیان توحید متوسط کا اقرار یعنی صرف ایک خدا کی شہادت اور جبر وقدر کے عقائد کے مابین کسبِ متوسط کا اقرار، اور عملاً بھی جیسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب کئے جانے والے فرائض کی میانہ روی کے ساتھ ادائیگی، نہ تو مکمل روگردانی نہ اتنا غلو کہ رہبانیت کا آغاز ہو جائے، اور خُلقاً بھی جیسے بخل واسراف کے مابین جود وسخاوت کا راستہ''۔(۲۶)

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ عدل افراط وتفریط کی دونوں جانبوں کے مابین میانہ روی کی رعایت رکھنے کو کہتے ہیں۔(۲۷) ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ عدل دراصل تسویہ و برابری اور

---

(۲۰) راغب اصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمد (م ۵۰۳)/ المفردات فی غریب القرآن/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۶۱ء/ ص ۳۲۵ (۲۱) ابن منظور/ لسان العرب/ ج ۱۱ ص ۴۳۰

(۲۲) نسفی، ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود/ مدارک التنزیل/ دار احیاء الکتب العربیہ/ ج ۲ ص ۲۹۷

(۲۳) ابن فارس، ابو الحسن احمد/ معجم مقاس اللغہ/ عیسیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۶۱ھ/ ج ۴ ص ۲۴۶ (۲۴) ایضا

(۲۵) حسنین محمد مخلوف/ کلمات القرآن/ مکتبہ عبدالمجید مرزا، مکہ مکرمہ/ ص ۲۲۹ (۲۶) بیضاوی، قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر، (م ۷۹۱)/ تفسیر القرآن الکریم/ مکتبہ جمہوریہ مصریہ، مصر/ ص ۳۰۳

(۲۷) آلوسی، / روح المعانی / ج ۱۴/ ص ۲۱۷، عدل کی تشریح کے ضمن میں تفاسیر کے جو حوالے اوپر گزرے یہ سورۃ نحل کی آیت ۹۰ کے ذیل میں اور اس کی تفسیر وتشریح کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔

Marfat.com

مساوات و انصاف کا نام ہے، ابن العربی نے عدل کے دائرۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ان تمام اقوال کا مفہوم جمع کر دیا ہے، اس اعتبار سے ان کا قول جامع ترین ہے، وہ فرماتے ہیں۔

عدل کا دائرہ بندے اور خدا، انسان اور اس کی ذات، انسان اور مخلوقِ خدا تک وسیع ہے، بندے اور خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسان خدا کے حق اور اس کی رضا کو اپنے حق اور اپنی پسند سے مقدم تصور کرے، خدا کے ہر حکم پر عمل اور ہر نہی سے اجتناب کو اپنا مقصدِ زندگی سمجھے۔ انسان اور نفس کے مابین عدل یہ ہے کہ نفس کو مہلکات سے روکا جائے اور ''نھی النفس عن الھوی'' کے خدائی حکم کے تحت اللہ کی اتباع کے ذریعے نفس کو قناعت پسند بنائے۔ اور انسان اور مخلوقِ خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسانیت کی خیر خواہی اختیار کرے، خیانت سے اجتناب کرے، دوسروں کے لئے اپنی طرف سے ہر اعتبار سے انصاف کی فراہمی کو لازم گردانے، برائی سے ہر حالت میں بچے خواہ وہ قولاً ہو فعلاً ہو یا سراً ہو یا جہراً، مخلوق کی جانب سے پیش آنے والے مصائب کو برداشت کرے۔ (۲۸)

خلاصہ یہ ہے کہ عدل اس کا نام ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں میزانِ صداقت اور میزانِ عمل کسی جانب بھی جھکنے نہ پائے، بلکہ صرف وہی بات کہی جائے اور فقط وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر پورا اترے اور جس میں افراط و تفریط کا شائبہ تک نہ ہو۔

کسی بھی مسلم ریاست اور مستحکم حکومت کے لئے نظام عدل و انصاف کا قیام ابتدائی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر کوئی سلطنت اور مملکت استحکام حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کا تعلق براہ راست عوام سے ہے، جب تک ریاست میں بسنے والے تمام افراد کو بلا تفریق اور بلا تاخیر انصاف مہیا نہیں کیا جائے گا اور ان سے عدل و مساوات پر مبنی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا اس وقت تک انہیں ذہنی طور پر آسودہ نہیں کیا جا سکتا اور جب تک وہ ذہنی طور پر کسی حکومت سے مطمئن اور متفق نہیں ہوں گے اس وقت تک وہ حکومت سے تعاون نہیں کریں گے اور عدم اطمینان

---

(۲۸) قرطبی، ابو عبد اللہ محمد الانصاری/ الجامع لاحکام القرآن/ ج ۱۰/ ص ۱۶۶

Marfat.com

اور عدمِ تعاون کی یہ فضا داخلی انارکی اور عدمِ استحکام کو جنم دیتی ہے۔ (۲۹)

ایسی فضا میں احتساب کا نظام بھی قابلِ افتخار کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا، اسے بھی عدمِ تعاون پر مبنی عوامی رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ نظام احتساب عوامی تعاون کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

شورائیت کے حکم پر عمل

احتساب کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حکمران شورائیت کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہوں، تاکہ احتساب کے عمل میں کسی جانبداری کا شائبہ نہ پایا جا سکے، اور نہ کسی کو اس عمل کی غیر جانبداری مشکوک بنانے کا موقع مل سکے۔ شورائیت کی اسلام میں اس قدر تاکید ہے کہ آپ ﷺ کو بھی جن کا ہر عمل سرتاپا وحی تھا۔ (۳۰) یہ حکم دیا گیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

اور (اے نبی ﷺ) ان (صحابہ کرامؓ) سے معاملات میں مشاورت کیجئے۔ (۳۱)

اور مسلمانوں کے معاملات کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا گیا

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

اور ان (مسلمانوں) کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ (۳۲)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من أراد أمراً فشاور فيه امرءاً مسلماً وفقه الله لأرشد أموره (۳۳)

جس شخص نے کسی امر کا ارادہ کیا پھر اس بارے میں کسی مسلمان فرد سے

---

(۲۹) سید عزیز الرحمٰن/ استحکام پاکستان سیرت طیبہ کی روشنی میں/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۷ء/ ص ۲۸ (۳۰) النجم آیت ۳،۴ (۳۱) آل عمران: ۱۵۹ (۳۲) الشوریٰ: ۳۸ (۳۳) ہیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر (م ۸۰۴) / مجمع الزوائد/ دار الفکر، بیروت ۱۹۹۴ء/ ج ۸ ص ۱۸۱، رقم ۱۳۱۵۸

Marfat.com

مشورہ کیا تو تعالیٰ اللہ اسے بہترین کام کی توفیق دے گا۔

ابن المنذر نے حسن سے اور عبد بن حمید اور بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے۔ فرمایا:

ماتشاور قوم قط الاھدوا و ارشد امرھم ثم تلا وامرھم شوریٰ بینھم (۳۴)

جس قوم نے بھی مشورہ کیا اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے صحیح راستے کی ہدایت ملے گی اور ان کا معاملہ درست ہو جائے گا۔ پھر آپ نے آیت وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ تلاوت فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمیں آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی حکم ہو نہ ہم نے آپ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا!

اجمعوا له العابدین من امتی و اجعلوا بینکم شوریٰ ولا تقضوہ برأی و احد (۳۵)

میری امت کے عابدین کو جمع کرنا اور اس معاملے کو مشورے کے لئے ان کے سامنے پیش کرنا اور کسی ایک کی رائے پر فیصلہ مت کرنا۔ (بلکہ باہمی رضامندی سے اجتماعی فیصلہ کرنا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ

اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اپنی یا کسی اور شخص کی امارت کے لئے دعوت دے تو تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم اسے قتل نہ کرو۔ (یعنی اسے قتل کر ڈالو) (۳۶)

ان احادیث سے اندازہ ہوگا کہ اسلام میں شورائیت کا حکم کس قدر اہمیت رکھتا ہے، اس

---

(۳۴) آلوسی/ روح المعانی/ ج ۲۵/ ص ۴۶ (۳۵) محولہ بالا

(۳۶) علی متقی، علاؤ الدین الہندی (م ۹۷۵)/ کنز العمال/ التراث الاسلامی/ ج ۵، رقم ۲۵۷۷

Marfat.com

لئے احتساب کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

منصفانہ قوانین کا اجرا

بے لاگ احتساب کے کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ریاست میں رائج تمام قوانین منصفانہ اور عادلانہ ہوں، ان میں زیادتی، جبر اور ظلم کا عنصر شامل نہ ہو، کیونکہ اگر یہ قوانین انصاف کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے مدون اور جاری کئے جائیں گے، تو ایک تو انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوسکیں گے اور یہ عوام الناس میں بے چینی پھیلنے کا سبب بنے گا، دوسرے عوام کا اعتماد بھی اداروں پر قائم نہیں رہ سکے گا اور نتیجتاً وہ قانون سے فرار کی راہیں تلاش کرنے لگیں گے یہ بھی عدمِ استحکام کا سبب بنے گا، ایسی صورت میں احتساب کا عمل کامیاب نہیں ہوسکتا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ بے لاگ اور منصفانہ احتساب کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

جمہوری حکومتوں میں قانون سازی کی ذمہ داری اسمبلی کے پاس ہوتی ہے اور وہی مقننہ کے فرائض انجام دیتی ہے، لیکن اسلامی ریاست میں اس کا کردار کافی محدود ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاں دیگر امور کی طرح حکمرانی اور امورِ ریاست سے وابستہ تمام معاملات اور اصول وضوابط مرتب وطے شدہ ہیں اور ان میں کوئی ابہام اور کسی قسم کی کمی موجود نہیں ہے، اس لئے ان میں ترمیم وتنسیخ کی بھی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

اور کسی مومن مرد وعورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادے تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہ جائے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ (۳۷)

(۳۷) الاحزاب: ۳۶

Marfat.com

لیکن وہ نئے امور جن کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی ہدایت نہ ملتی ہوان کے بارے میں مسلمان اہلِ علم کو باہمی مشاورت سے فیصلہ کرنے کا حکم ہے، اسی لئے اجتہاد کی بھی اجازت ہے، جیسا کہ ماقبل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔(۳۸)

مگر اس کے لئے دو بڑی اہم شرطیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ یہ قانون سازی ایسے ہاتھوں سے انجام پائے جو اجتہاد کے سلسلے میں عائد کی جانے والی کڑی شرائط پر پورا اترتے ہوں اور دوسری اہم شرط یہ ہے کہ ان کے مدون کردہ قوانین اسلام کے مروجہ اصولوں اور متفقہ قوانین سے متصادم نہ ہوں۔

قوانین پر بلا تخصیص عمل درآمد

بے لاگ احتساب کے ضمن میں قوانین کا بلا امتیاز نفاذ اور ان پر بلا تخصیص عمل درآمد بھی ایک اہم ضرورت ہے، کیونکہ اگر قوانین کا نفاذ بھی کسی وجہ سے طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جائے اور مساوات برقرار نہ رہے تو احتساب کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ عوام الناس کی نظر میں اس کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کی غیر جانبداری کا تصور ختم ہو جاتا ہے جو احتسابی عمل کے لئے بے حد ضروری ہے، آنحضور ﷺ نے اس سلسلے میں بھی درخشاں مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ آپ کی مدینہ منورہ آمد سے قبل وہاں آباد یہود کے قبائل بنونضیر اور بنو قریظہ میں عزت وشرف کا بالکل غیر فطری اور نہایت غیر معقول طریقہ کار رائج تھا، جس کے مطابق بنو قریظہ کا کوئی شخص بنونضیر کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو قصاصاً قاتل کو بھی مارا جاتا، لیکن اگر کوئی بنونضیر کا فرد بنو قریظہ کے کسی شخص کو مار ڈالتا تو اس کا صرف خون بہا سو وسق کھجور کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا، قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ کے سامنے جب اس قسم کی صورتِ حال پیش آئی تو آپ ﷺ نے اس غیر فطری اور غیر منصفانہ طریقے کو ختم فرما دیا اور توریت ہی کے حکم کے بموجب تمام قبائل میں برابر کا قصاص جاری فرما دیا۔(۳۹)

---

(۳۸) ملاحظہ کیجئے حوالہ ۳۵ (۳۹) ابوداود/ السنن/ ج ۴ ص ۱۶۵، رقم ۴۴۹۴، ☆ نسائی/ السنن/ کتاب القسامہ، باب تاویل قول اللہ تعالیٰ وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط

Marfat.com

آپ ﷺ نے قوانین کے بلاامتیاز نفاذ کے سلسلے میں ہمیشہ اہم اقدامات کئے اور ریاست کے تمام اراکین پر بغیر تخصیص کے انہیں لاگو کیا، اور اس بارے میں نہ کسی کی سفارش قبول کی نہ رعایت سے کام لیا، بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا، وہ گرفتار ہوئی، چونکہ اس کا تعلق بڑے خاندان سے تھا اس لئے یہ کوشش کی گئی کہ اس پر حدِ سرقہ جاری نہ ہو، آپ ﷺ سے بہت قربت رکھنے والے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سفارش کروائی گئی، مگر آپ ﷺ نے اس تعلق خاطر کے باوجود نہ صرف ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی بلکہ ان پر غصے کا اظہار فرمایا اور فرمایا:

اے اسامہ کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟

اور پھر لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا، اس میں فرمایا:

تم سے پہلے کی امتیں اس لئے تباہ ہوگئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو درگزر کرتے اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا آدمی جرم کر بیٹھتا تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ (۴۰)

یہاں آخری جملہ خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہے، درس یہ دینا مقصود ہے کہ اسلامی نظام چونکہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ ہے اس لئے اس میں ترمیم و تنسیخ اور تبدیلی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں، نہ اس کے اجراء و نفاذ میں کسی قسم کی تخصیص روا رکھی جا سکتی ہے۔

اہل و دیانت دار اہل کاروں کا تقرر

غیر جانبدارانہ احتساب کے لئے یہ شرط بھی اہم ہے کہ حکومتی مناصب پر ان افراد کا تقرر کیا جائے جو اہل دیانت و امانت بھی ہوں اور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے درکار مکمل اہلیت کے بھی حامل ہوں، نااہل اور بددیانت افراد کا تقرر استحکامِ حکومت کے لئے بھی مضر ہے اور عملِ احتساب کے لئے بھی، کیونکہ نااہل افراد نہ تو دیانت داری کے تصور کا پاس رکھ سکتے ہیں نہ ان میں

(۴۰) بخاری/الصحیح/ ج ۴ص ۱۲۲/ کتاب الحدود، باب کراھیة الشفاعة فی الحد،

☆ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن (م ۲۵۵)/ السنن/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ ج ۲ص ۲۲۷، رقم ۲۳۰۲،

Marfat.com

یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ ایمان داری سے اپنے فرائض انجام دے سکیں، جس کے نتیجے میں احتساب کی روح مجروح ہوتی ہے اور اس کا پورا عمل شدید متاثر ہوتا ہے، اس لئے دیانت دار افراد کا تقرر بھی ضروری ہے اور اہم مناصب پر فائز افراد میں اہلیت کا پایا جانا بھی اہم ہے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں پہلوؤں کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص کو اللہ ایک رعیت دے (اسے لوگوں کا حاکم یا ذمہ دار بنائے)
پھر وہ مرے اور جس دن مرے اس دن اپنی رعایا پر خیانت کرتے ہوئے
مرے تو اللہ اس کے لئے جنت کو ضرور حرام کردے گا۔ (۴۱)

عہدے داروں کے تقرر کے بعد اگر ضرورت سمجھے تو حکمران یا ان کا نمائندہ ان کا امتحان بھی لے سکتا ہے، تاکہ ان کی تقرری کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہوجائے، آنحضرت ﷺ کا یہی طریقہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے مامور کر کے روانہ فرمایا تو روانگی کے وقت ان کی تبحر علمی، شرعی امور سے واقفیت اور اسلامی تعلیمات سے آگہی کا امتحان لیا اور جب آپ ﷺ مطمئن ہوگئے تو اس پر تحسین فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (۴۲) آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خود کسی ذمہ داری کے لئے پیش کرتا ہے تو یہ اس کے نااہل ہونے کی علامت ہے، اسے قطعاً کوئی ذمہ داری نہیں سونپی جائے گی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إنا، والله! لا نولي على هذا العمل احداً سأله، ولا احدا حرص عليه (۴۳)

---

(۴۱) بخاری/ کتاب الاحکام، باب من استرعیٰ رعیۃ فلم ینصح ☆ مسلم/ الصحیح / ج ۱ ص ۱۱۷، رقم ۱۴۲
☆ احمد بن محمد بن حنبل، ابوعبداللہ الشیبانی (م ۲۴۱)/ المسند / داراحیاء التراث العربی، بیروت ۹۳ء،/ ج ۵ ص ۶۶۰، رقم ۱۹۷۸۰، (۴۲) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/ تاریخ الرسل والملوک / دارالمعارف، مصر ۱۹۶۰ء/ ج ۲ ص ۱۰۴ ☆ ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی/ الکامل فی التاریخ / دار صادر، بیروت، ۱۹۶۵ء/ ج ۱ ص ۴۳۹
(۴۳) مسلم/ ج ۳ ص ۲۲۳، رقم ۱۷۳۳ ☆ بخاری/ کتاب الاحکام، باب ۷

Marfat.com

ہم خدا کی قسم، کسی ایسے شخص کو عامل (ذمہ دار) مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرتا ہے، نہ کسی ایسے شخص کا تقرر کرتے ہیں جو اس کا حریص ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ مجھے عامل نہیں مقرر کرتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یا اباذر، انک ضعیف، و انها امانة، و انها یوم القیامة خزی و ندامة، الا من اخذها بحقها و ادی الذی علیه فیها (۴۴)

اے ابو ذر! تم کمزور ہو، اور یہ عہدے امانت ہیں، اور یہ عہدے روز قیامت رسوائی اور ندامت کا باعث ہوں گے، سوائے اس کے جس نے یہ عہدے حق طریقے پر حاصل کئے اور اس سلسلے میں اپنے آپ پر عائد ہونے والے حقوق ادا کئے۔

اس روایت سے کئی ایک باتیں واضح ہوتی ہیں ا۔عہدے امانت ہیں، ۲۔کمزور لوگوں کا تقرر مناسب نہیں، ۳۔اس امانت کی عدم ادائیگی روزِ قیامت رسوائی وندامت کا سبب ہوگی۔

اور ایک روایت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدے طلب کرنے والے کو خائن قرار دیا ہے، خائن بھی وہ جس سے بڑھ کر کوئی خائن نہیں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اخونکم عندنا من طلبه (۴۵)

بلاشبہ ہمارے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ خائن وہ ہے جو ذمہ داری خود طلب کرتا ہے۔

اقسامِ احتساب

قرآن وسنت کی روشنی میں احتساب کی دو قسمیں ہیں، ا۔انفرادی احتساب اور ۲۔اجتماعی احتساب۔انفرادی احتساب، خود احتسابی کا نام ہے، اگرچہ موضوعِ بحث صرف اجتماعی

(۴۴) مسلم/ ج ۳ ص ۲۲۴، رقم ۱۸۲۵ (۴۵) ابوداؤد/ السنن/ ج ۳ ص ۶۱، رقم ۲۶۱۰۔

Marfat.com

احتساب ہی کا احاطہ کرتا ہے، لیکن ایک مثالی اسلامی معاشرے میں حکمرانوں کی دوسری عمدہ صفات کے ساتھ ساتھ خود احتسابی پر بھی زور دیا جاتا ہے، یہ عمل ان کی کارکردگی جانچنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ نیز چونکہ کوئی بھی حکمران، حکمران بننے سے پہلے اسی معاشرے کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے جہاں دوسرے افراد کے لئے اپنے آپ کو مسلسل خود احتسابی کے عمل سے گزارنا لازمی امر ہے وہیں اس عمل کی ذمہ داری حکمرانوں پہ زیادہ شدت سے عائد ہوتی ہے، کیونکہ وہ صرف اپنے اعمال کے ذمہ دار نہیں پوری سلطنت کے مسؤل بھی ہیں، اور ان کے ذمہ صرف اپنے فرائض کا محاسبہ نہیں اپنے ماتحتوں اور ریاست کے تمام ذمہ داروں اور عہدے داروں کا احتساب بھی ہے جو اجتماعی احتساب کا حصہ ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

الا کلکم راع، وکلکم مسؤل عن رعیتہ، فالأمیر الذی علی الناس راع، وھو مسؤل عن رعیتہ، والرجل راع علی اھل بیتہ، وھو مسؤل عنھم، والمرأة راعیة علی بیت بعلھا و ولدہ، وھو مسؤلة عنھم، والعبد راع علیٰ مال سیدہ، وھو مسؤل عنہ، الا فکلکم راعٍ، و کلکم مسؤل عن رعیتہ (۴۶)

آگاہ ہو جاؤ، تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت (اس کے زیرِ اثر افراد) کی بابت سوال ہوگا، پس جو لوگوں کا امیر ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا، اور ہر شخص اپنے اہلِ خانہ کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا، اور عورت اپنے شوہر کی اولاد اور کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا، اور غلام (یا ملازم) اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، سو آگاہ ہو جاؤ! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے

---

(۴۶) مسلم/ ج ۳ ص ۲۲۵، رقم ۱۸۲۹ ☆ ابوداؤد/ ج ۳ ص ۶۰، رقم ۲۹۲۸ ☆ بخاری/ کتاب الاستعراض، باب العبد راع فی مال سیدہ، وکتاب الجمعہ، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن
☆ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹)/ الجامع السنن/ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج ۳ ص ۲۶۹، رقم ۱۷۱۱

Marfat.com

اور ہر ایک سے اس کی رعیت کی بابت سوال ہوگا۔

یہاں پہلے خود احتسابی کے حوالے سے گفتگو ہوگی پھر اجتماعی احتساب اور اس کے مختلف پہلوؤں کے متعلق بات ہوگی، کیونکہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

احتساب کی ترتیب اصلاحِ نفس سے شروع ہوکر بالترتیب محتسب کے قبیلے اور قوم تک منتہی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرضِ احتساب اسی ترتیب سے ادا فرمایا ہے۔(۴۷)

خود احتسابی

خود احتسابی ایک ضروری وصف ہے، خصوصاً اسلام میں اس کی بہت اہمیت ہے، قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چاہئے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے آگے آئندہ کل (قیامت) کے لئے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔(۴۸)

یعنی قبل اس کے کہ تمہارا روزِ قیامت محاسبہ کیا جائے تم اپنے آپ کا خود احتساب کرو اور غور کرو کہ اس روز کے لئے جب تم اپنے رب کے حضور پیش کئے جاؤ گے، تم نے نیک اعمال کا کیا کچھ ذخیرہ کر رکھا ہے؟ اور جان لو کہ تمہارا پروردگار تمہارے تمام حالات اور اعمال سے بخوبی آگاہ ہے، اس سے نہ کوئی بڑا عمل مخفی ہے نہ کوئی چھوٹی چیز۔(۴۹)

آپ ﷺ نے فرمایا:

موتوا قبل ان تموتوا وحاسبوا قبل ان تحاسبوا (۵۰)

---

(۴۷) ابوالکلام آزاد/ رسولِ رحمت/ ص ۱۰۷ (۴۸) الحشر: ۱۸ (۴۹) ابن کثیر/ التفسیر/ ج ۴ ص ۳۴۲

(۵۰) عجلونی/ کشف الخفاء/ مکتبہ دار التراث، بیروت/ ج ۲ ص ۴۰۲

Marfat.com

ماروا پنے آپ کو (یعنی اپنے نفس کو) اپنی موت سے پہلے اور اپنا احتساب
کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

یعنی مرنے سے قبل اپنا محاسبہ کرو اور خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو متواتر گزارتے رہو تاکہ تمہارے اعمال درست رہیں۔

خود احتسابی کی دو جہتیں ہیں۔

ا۔ ہر شخص کو خواہ کوئی سیاسی وسماجی حیثیت رکھتا ہو یا نہیں ہمہ وقت خود احتسابی کے عمل سے گزرتے رہنا چاہیے۔

۲۔ خصوصاً حکمرانوں کو اور ان لوگوں کو جو کسی بھی نوعیت کی عوامی یا قومی ذمہ داریاں رکھتے ہوں، اس کی اہمیت کا احساس ہونا چاہیے، اس لئے بھی کہ حکمران طبقہ عام طور پر اپنے آپ کو جواب دہی کی ذمہ داری سے ماورا تصور کرتا ہے، حالانکہ رسولِ خدا ﷺ کے قولِ مبارک کلکم مسؤل عن رعیتہ (۵۱) کے مطابق جس شخص کو شریعتِ مقدسہ نے جس قدر اختیارات دیئے ہیں اسی قدر اس سے جواب طلبی بھی ہوگی۔

نیز اس لئے بھی حکمرانوں میں خود احتسابی کا جذبہ زیادہ ہونا چاہیے کہ الناس علی دین ملوکھم کے بہ مصداق عوام میں وہی خواہشیں، تمنائیں اور عادات پرورش وفروغ پاتی ہیں جو ان کے حکمرانوں کا طریقہ و وطیرہ ہوتی ہیں، اس لئے اگر عام لوگوں میں ایمانداری و اخلاقِ حسنہ کو فروغ دینا ہے تو حکمرانوں میں اِن صفات کو پیدا کرنا ہوگا، جس کی صحیح صورت خود احتسابی ہی ہے، خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اعلم ان العامل اذا زاغ زاغت رعیتہ، واشقی الناس من
شقیت بہ رعتیہ (۵۲)

جان لو کہ جب حاکم کج روی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی رعایا بھی کج رو ہو جاتی
ہے اور جس حاکم کی وجہ سے اس کی رعایا کج رو ہو وہ بدترین انسان ہے۔

---

(۵۱) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۴۶

(۵۲) مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی،/ اسلام کا نظامِ امن/ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۱ء/ص ۶۵

Marfat.com

حضور ﷺ نے خود احتسابی کے قرآنی حکم پر اس طرح عمل کیا اور اپنی تربیت و تعلیم کے ذریعے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی صورت میں ایسی قوم تیار کی، جس کا ہر لمحہ خود احتسابی کی دولت سے مالا مال تھا، اور جس کا ہر عمل ان کی قوتِ احتساب کا معلن و شاہد تھا، خلیفہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارِ خلافت سنبھالتے ہی جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ قیمتی الفاظ بھی شامل تھے۔

یا ایھا الناس! انما انا متبع، ولست بمبتدع، فان انا احسنت فاعینونی، وان انا زُغت فقومونی (۵۳)

اے لوگو! میں دین میں نئے طریقے وضع کرنے والا نہیں ہوں، میں تو (حضور ﷺ کے طریقے اور سنت کی) اتباع کرنے والا ہوں، سو اگر تم دیکھو کہ میں خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں تو مجھ سے تعاون کرو اور اگر دیکھو کہ میں راہِ حق سے بھٹک رہا ہوں تو مجھے سیدھا کرو

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ایھا الناس! انی قدولیت علیکم ولست بخیر کم، فان رأیتمونی علی حق فاعینونی، وان رأیتمونی علی باطل فسددونی، اطیعونی ما اطعت اللّٰہ فیکم، فاذا عصیتہ فلا طاعۃ لی علیکم (۵۴)

اے لوگو! مجھے تمہارا والی مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، سو اگر تم مجھے حق پر دیکھو تو میری اعانت کرو اور اگر باطل پر دیکھو تو مجھے درست کرو، میری اطاعت اس وقت تک کرو جب تک میں تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اس کی نافرمانی

(۵۳) ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴)/ کتاب الاموال/ مکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، مصر/ص ۵ (۵۴) احمد زکی صفوت/ جمہرۃ خطب العرب/ مکتبہ علمیہ، بیروت/ص ۱۸۰۔ تھوڑے فرق سے یہ روایت ابن ہشام کے ہاں بھی ہے، ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویہ/ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء/ ج ۴ ص ۲۶۲

Marfat.com

کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں ہے۔

غور کیا جائے تو یہ چند مختصر مختصر جملے آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہر صاحبِ اختیار کے لئے مثالی اسوہ اور نمونہ ہیں، اور اگر انہیں ہمہ وقت سامنے رکھا جائے تو قدم ڈگمگانے کا سوال ہی باقی نہ رہے۔

یہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا انداز نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک بار کسی مسئلے پر مشورہ لیتے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا تھا:

ولست ارید ان تتبعوا هذا الذی اهویٰ (۵۵)

میرا یہ ارادہ نہیں ہے کہ جو میں چاہتا ہوں اسے تم (بے چون و چرا) تسلیم کرلو

اس طرزِ عمل کی مثالیں ان ہی دو جلیل القدر خلفائے راشدین تک محدود نہیں ہیں، آپ ﷺ کی تربیت کے نتیجے میں خود احتسابی کا جو جذبہ بیدار ہوا تھا اس کے شواہد اور ثبوت تاریخ و سیر میں جا بجا نظر آتے ہیں، طوالت کا خوف ان کی تفصیل کے بیان سے مانع ہے۔(۵۶)

اجتماعی احتساب

احتساب کی بیان کردہ تقسیم کے بموجب دوسری قسم اجتماعی احتساب ہے، یہ درحقیقت حاکم وقت کی ذمہ داری ہے، اس کا فرض ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا وقتاً فوقتاً احتساب کرتا رہے، اس قسم کو ہم نے سہولت کے لئے چند عنوانات میں تقسیم کیا ہے، یہ وہ شعبے ہیں جن میں احتساب کی فوری ضرورت ہے، ذیل میں اختصار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انہی کا بیان کیا جاتا ہے۔

---

(۵۵) ابو یوسف/کتاب الخراج/ص ۱۴

(۵۶) اس قسم کے واقعات حضرت ابوبکر صدیق سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہم تک اور اس دور کے دوسرے حکمرانوں اور ذمہ داروں کی زندگی میں کثرت سے موجود ہیں، بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی بھی ان واقعات سے مرصع ہے، چند واقعات اس مضمون میں آگے بھی بیان ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

اجتماعی احتساب کے مختلف پہلو

حکمرانوں کا احتساب

حکمرانوں سے ہماری مراد وہ افراد ہیں جو مختلف اوقات میں یہاں حکمرانی کے منصب پر فائز اور سیاہ وسفید کے مالک رہے ہیں، باقی موجودہ حکمران خواہ وہ کوئی ہوں ان کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کا خلاصہ خود احتسابی کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

حکمرانوں کے احتساب کا مسئلہ ہمارے ہاں کی موجودہ صورت حال کے پیشِ نظر کافی پیچیدہ ہو چکا ہے، ماقبل میں پاکستان میں قائم ہونے والے بدعنوانیوں کے ریکارڈوں کی بابت عرض کیا جا چکا ہے۔(۵۷) چند مزید جھلکیاں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔سابقہ حکمرانوں کے ۳۲ ر سالہ دور حکومت میں غیر ملکی قرضوں میں 15 ر ارب ڈالر کا اضافہ ہوا۔(۵۸)

۲۔سابقہ حکمرانوں ہی نے تیل کی قیمتوں میں مسلسل کمی کے باوجود پاکستان میں اس کی قیمت کم نہ کر کے عوام کو دو سال کے دوران ۵۱، ارب روپے کے فائدے سے محروم رکھا۔(۵۹)

۳۔سابقہ دورِ حکومتوں نے مجموعی طور پر صرف تین سال کے مختصر سے عرصے مین غیر ملکی دوروں پر ملکی خزانے کے ۵۱ کروڑ روپے خرچ کر ڈالے۔تفصیلات کے مطابق سابقہ حکومت نے ۲۴ ر فروری ۹۷ء سے ۱۱ ر اکتوبر ۹۹ء کے دوران غیر ملکی دوروں پر ۳۰ کروڑ روپے خرچ کئے، اور اس سے قبل کی حکومت نے ۲۴ ر فروری ۹۷ء سے قبل ایک سال کی قلیل ترین مدت میں ۲۱ کروڑ روپے خرچ کر ڈالے، ان میں سفری اخراجات، روزانہ الاؤنس، کار رینٹ، تحائف اور وفد کے ارکان کی رہائش کے اخراجات شامل ہیں۔یہ وفود سیاسی افراد پر مشتمل ہوتے تھے، اور اہلِ خانہ اور اقربا کو بھی نوازا جاتا تھا۔ان اخراجات میں وہ رقوم شامل نہیں ہیں جو ۹۵ء میں اس وقت کی وزیر

---

(۵۷) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۶۔۱۷۔۱۸۔۱۹ (۵۸) روزنامہ جنگ کراچی، ۱۰ ر نومبر ۱۹۹۹ء

(۵۹) روزنامہ جنگ کراچی، ۲۰ ر دسمبر ۱۹۹۹ء

Marfat.com

اعظم نے واشنگٹن میں اپنی تشہیر پر خرچ کی تھیں۔ (۶۰)

اور دوسری جانب ملاحظہ کیجئے کہ آپ ﷺ کی ہدایات کیا تھیں؟ اور اسلامی تعلیمات کے حامل حکمرانوں کا طرزِ عمل کیا تھا؟ یاد رہے کہ خلفائے راشدین اور دیگر اسلامی سربراہان کا طرز کوئی ان کا اپنا پسند فرمودہ نہیں تھا، انہوں نے وہی کچھ کیا جو ہادیٔ اعظم ﷺ نے انہیں تعلیم فرمایا تھا۔ اور جس طرز پر خود آپ ﷺ نے اپنی زندگی بسر کی تھی۔

آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے لئے مقرر فرمایا تو انہیں یہ زریں ہدایت بھی فرمائی تھی فرمایا:

ایاک والتنعم، فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین (۶۱)

عیش پسندانہ زندگی سے احتراز کرنا، کیونکہ اللہ کے بندے عیش پسند نہیں ہوتے۔

آپ ﷺ کی اپنی عملی حیاتِ طیبہ بھی اس قول مبارک کی تفسیر تھی۔ (۶۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی اچھا کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ اہلِ خانہ نے میٹھا کھانے کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ میں بیت المال سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا، اور جب اہلیہ محترمہؓ نے پیٹ کاٹ کر ایک مدت میں کچھ رقم جمع کی تو بیت المال کے منتظم کو لکھ بھیجا کہ اتنی رقم میرے وظیفے سے کم کرلی جائے، کیونکہ اس سے کم میں بھی گزارا ہو جاتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بچی ہوئی رقم بھی بیت المال کو واپس کردی۔ (۶۳)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں اور عمال کو یہ ہدایات دے کر روانہ فرمایا

(۶۰) روزنامہ جنگ کراچی، ۲/مارچ ۲۰۰۰ء

(۶۱) احمد/ المسند/ ج ۶ ص ۳۲۲، رقم ۲۱۶۰۰ ☆ ہیثمی/ مجمع الزوائد/ ج ۱۰ ص ۴۳۹، رقم ۱۷۸۳۵

(۶۲) ملاحظہ کیجئے کتبِ سیرت میں موجود آپ ﷺ کی سادہ زندگی کے عملی نمونے، زرقانی، محمد بن عبدالباقی/ شرح المواہب اللدنیہ/ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۴ ص ۳۰۵ تا ۳۶۸ و ج ۵ ص ۲ تا ۵۵ ☆ شبلی نعمانی/ سیرت النبی/ دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۵ء/ ج ۲/ ص ۱۹۹ تا ۲۰۵ ☆ سید فضل الرحمن/ ہادیٔ اعظم/ ادارہ مجددیہ کراچی، ۱۹۹۱ء/ ص ۳۲۹، ۳۳۰ و ۳۳۳، ۳۳۴

(۶۳) رفیق بک/ اشہر مشاہیر اسلام/ ج ۱ ص ۹۳

Marfat.com

کرتے تھے:

لا ترکبوا برذونا، ولاتا کلوا نقیا، ولاتلبسوا رقیقا، ولا تغلقوا ابوابکم دون حوائج الناس، فان فعلتم شیئاً من ذالک فقد حلت بکم العقوبة (۶۴)

عمدہ ترکی گھوڑے پر سوار مت ہونا، میدہ استعمال نہ کرنا، باریک پوشاک مت پہننا، اور نہ ضرورت مندوں پر اپنے دروازے بند کرنا، اگر ان میں سے کوئی بات کی تو تمہارے لئے سزا حلال ہو جائے گی۔

ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح تعیش پسندی کی جڑ کاٹ ڈالی، ان کا منشا فقط یہ تھا کہ حکمران عامۃ الناس سے بڑھ کر معیارِ زندگی نہ اپنالیں، اس صورت میں ایک غیر قدرتی طبقاتی تقسیم قائم ہو جائے گی، اور حکمران خادم بننے کی بجائے مخدوم بن جائیں گے۔ جبکہ اسلام کا مقصود تو ایسا حاکم ہے جو خود تو تکالیف برداشت کرلے، مگر عوام پر مشکلات کا سایہ بھی نہ پڑنے دے۔

اس قول کی تشریح کرتے ہوئے علامہ طیبی لکھتے ہیں:

ترکی گھوڑے کی سواری سے روکنا درحقیقت تکبر سے روکنا ہے، اور میدے کے استعمال کرنے اور باریک لباس پہننے سے منع کرنا اصل میں عیش پسندی اور اسراف سے منع کرنا ہے، او دروازے بند کرنے سے روکنا دراصل لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں ایسی سستی وغفلت سے منع کرنا ہے جس میں سارا وقت اپنے لئے مخصوص ہو جائے (۶۵)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف ان ہدایات پر ہی اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ جب کبھی انہیں یہ اطلاع ملی کہ کسی عہدے دار نے ان ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے تو انہوں نے فوری

---

(۶۴) خطیب عمری، ولی الدین محمد بن عبداللہ، (م ۷۴۳) / مشکوۃ المصابیح / کتاب الامارۃ، باب ما علی الولاۃ من التیسیر، فصل ثالث

(۶۵) ملا علی قاری، علی بن سلطان محمد (م ۱۰۱۴ھ) / المرقاۃ المفاتیح / مجلس اشاعت المعارف ملتان، ۱۹۶۷ء / ج ۷ ص ۲۳۶

Marfat.com

تادیبی کارروائی کی۔(۶۶)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی جنہیں عمر ثانی کہا جاتا ہے اس سلسلے میں خلفائے راشدین کے صحیح معنی میں جانشین نظر آتے ہیں، انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ غلط طور پر رواج پا جانے والی شاہی تزک و احتشام کی روایات کو یکسر موقوف کرنے کا اعلان کیا، اپنی جاگیر مسلمانوں کو واپس کر دی، اپنی اہلیہ کا زیور تک بیت المال میں داخل کر دیا، اس وقت ان کے دو وقت کھانے کا خرچ دو درہم سے زیادہ نہ تھا۔(۶۷)

حکمرانوں کے فرائض میں جیسا کہ یہ ہے کہ وہ اپنا رہن سہن سادہ رکھیں، اور اپنے ماتحتوں کے طرزِ زندگی اور عوام الناس کے ساتھ ان کے طرزِ عمل پر نظر رکھیں اور ان کا احتساب کرتے رہیں، وہیں ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ عامۃ الناس کی دیکھ بھال اور ان کے روزمرہ کے امور و معاملات میں شرکت کریں اور انہیں یہ احساس نہ ہونے دیں کہ حکمران کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں، یہ ریاست کے استحکام کے لئے بھی بے حد ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ملاحظہ کیجئے، آپ اپنے پاس آنے والے وفود سے پوچھا کرتے تھے کہ تمہارا امیر کیسا ہے؟ کیا وہ تمہارے بیماروں کی عیادت کرتا ہے؟ کیا کوئی غلام بیمار ہوتا ہے تو اس کی عیادت کے لئے جاتا ہے؟ کمزوروں کے ساتھ وہ کیسا سلوک کرتا ہے؟ بے کسوں کے دروازوں پر بیٹھنے میں وہ اپنی ہتک تو محسوس نہیں کرتا؟ اگر انہیں جواب نفی میں ملتا اور معلوم ہوتا کہ وہ ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے فوراً معزول کر دیتے تھے۔(۶۸)

ہمیں اپنی زندگیوں کا ان ہدایات کی روشنی میں جائزہ لینا ہوگا اور حکمرانی کے منصب پر فائز افراد کو ان تعلیمات کے مطابق اپنا اور دوسرے حکمرانوں کا احتساب کرنا ہوگا، ''بے لاگ احتساب'' کا ہم سب سے یہی مطالبہ ہے۔

---

(۶۶) چنانچہ تاریخ کی مشہور روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد گورنری میں اپنے لئے ایک محل بنوایا ہے، جس کی وجہ سے عوام کو دقت ہوتی ہے تو آپؓ نے فوراً وہ محل جلوا دیا، ابن تیمیہ/ الحسبۃ فی الاسلام/ ص ۵۹ (۶۷) ابوالحسن علی ندوی/ تاریخ دعوت و عزیمت/ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی،/ ج ۱ ص ۳۵-۳۶ (۶۸) اشہر مشاہیر اسلام/ ج ۲ ص ۳۹۳

Marfat.com

نوکرشاہی (Bureaucracy) کا احتساب

نوکرشاہی کا احتساب بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق نوکر شاہی کا ۷۰ فیصد حصہ رشوت لینے میں ملوث ہے۔ (۶۹) اسی رپورٹ میں ان کے معیارِ زندگی کے حوالے سے بھی باتیں کہی گئی ہیں، (۷۰) اس لئے ضروری ہے کہ ان کا رہن سہن اور عادات واطوار خالص اسلامی طرزِ زندگی کے مطابق ڈھالی جائیں، اور ان کا مکمل اور کھرا و کڑا احتساب کیا جائے۔ آیئے سیرتِ طیبہ سے اس ضمن میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے اس سلسلے میں ہدایات دیتے ہوئے فرمایا!

من ولاه الله عزوجل شيئا من امر المسلمين فا حتجب دون حاجتهم وخلتهم و فقرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلته و فقره (۷۱)

جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ ان کی ضرورت و حاجت اور فقر کے وقت ان پر بند کر لے تو اللہ اس کی ضرورت، حاجت اور فقر کے وقت اس کے لئے اپنے دروازے بند کر لے گا۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت سنی تو ایک شخص کو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ (۷۲)

آپ ﷺ حکمرانوں اور عملے کی تندخوئی اور سختی کو بھی سخت ناپسند فرماتے تھے، آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے:

اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی شعبے کا نگران بنایا جائے اور پھر وہ

---

(۶۹) روزنامہ جنگ کراچی/۲۴ دسمبر ۱۹۹۹ء (۷۰) ایضاً

(۷۱) ابوداؤد/ السنن/ ج ۳ ص ۶۸، رقم ۲۹۴۸، ورواہ الترمذی بمعناہ، ج ۳ ص ۶۴، رقم ۱۳۳۷

(۷۲) ابوداؤد ایضاً، ترمذی ایضاً

Marfat.com

لوگوں پر بے جا سختی سے پیش آئے تو تو بھی اس کے ساتھ سختی کر، اور جو نرمی اور ملاطفت کا معاملہ کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما۔ (۷۳)

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص عوام کی خدمت کے لئے متعین کیا جائے اور پھر وہ لوگوں کی اتنی حفاظت نہ کرے جتنی اپنے گھر والوں کی کرتا ہے تو وہ شخص جنت کی بو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (۷۴)

اس خیانت، عوام کی رقوم میں ناجائز تصرف اور عوام پر ہونے والی بے جا سختی کو روکنے کے لئے سخت احتساب کی ضرورت ہے، اور اسلام نے اس کا طریقہ کار بھی وضع فرما دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سد باب کس خوبی سے فرمایا تھا۔ بلاذری کا بیان ہے:

کان عمر بن الخطاب یکتب اموال اعماله اذاولاهم ثم یقاسمهم مازاد علی ذالک (۷۵)

یعنی جب کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تھے تو اس کے مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کروا کر رکھ لیتے تھے، پھر اگر اس کی مالی حالت میں اس دوران اضافہ ہوتا تو زائد رقم اس سے لے لیتے تھے۔ غور فرمائیے کہ کیا اس سے بہتر احتساب کا طریقہ ممکن ہے؟ اور کیا یہ آج ہمارے لئے قابل عمل نہیں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا انہوں نے تمام عمال کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حج کے موقع پر حاضر ہوں، وہ تمام لوگوں کی موجودگی میں یہ اعلان کرتے تھے کہ اگر کسی کو کسی عامل کے بارے میں کوئی شکایت ہو تو بیان کرے۔ چنانچہ جو شکایات پیش ہوتیں ان کی تحقیقات کے بعد ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ (۷۶) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی جانب سے ہر حج کے موقع پر اعلان ہوتا تھا کہ جو کسی کے ظلم کی اطلاع یا نیک مشورہ دے گا اسے سو

---

(۷۳) اسلام کا نظام امن/ص ۷۳ (۷۴) ایضاً

(۷۵) بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر/فتوح البلدان/مصر ۱۹۰۱ء/ص ۲۱۹

(۷۶) شبلی نعمانی/الفاروق/مکتبہ صدیقیہ ملتان ۱۹۵۲ء/ص ۳۲۵

Marfat.com

دینار سے تین سو دینار تک انعام ملے گا۔(۷۷)بدعنوانی کے سدِ باب اور اس کا سراغ لگانے کے لئے آج بھی اس تجویز پر عمل پیرا ہو کر بہتر نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کا احتساب

اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں خصوصاً پولیس کا کردار ہمارے ہاں ناقابلِ اطمینان اور سخت متنازع ہو چکا ہے، گزشتہ اور اس سے پیوستہ دورِ حکومتوں میں ''پولیس مقابلے'' سخت قومی و بین الاقوامی تنقید کا نشانہ بنے رہے، اور بعض اوقات ان کی بازگشت اعلیٰ عدلیہ تک میں سنی گئی، آج بھی ان کے بارے میں تحقیقات کرانے کے عندیئے مل رہے ہیں، اور حال ہی میں لاہور ہائی کورٹ کے ایک فاضل جج نے ایک مقدمے میں سخت ترین ریمارکس دیئے اور ڈی آئی جی لاہور کے سامنے فاضل جج نے کہا آپ کے ماتحت شہریوں کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں جو جانوروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔انہوں نے یہ تک کہا کہ قانون اجازت دیتا تو انسانیت کی تذلیل کرنے والے پولیس افسران کو زندہ جلانے کا حکم دیتے۔(۷۸)

اس سے صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، یقیناً اب اس معاملے میں کڑے احتساب میں اب مزید تاخیر نہیں کی جاسکتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون کے نفاذ کے ذمہ داروں کو بھی اس بارے میں بڑی واضح ہدایات جاری فرمائی ہیں۔

حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا ایک بار شام میں کچھ لوگوں پر سے گزر ہوا، جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل ڈالا جارہا تھا، معلوم ہوا کہ یہ سخت عذاب ان سے خراج وصول کرنے کے لئے انہیں دیا جارہا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔فرمایا:

ان اللہ یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا (۷۹)

---

(۷۷) تاریخ دعوت وعزیمت/ ج ۱ ص ۳۸ (۷۸) روزنامہ جنگ کراچی/ ۳/مارچ ۲۰۰۰ء

(۷۹) مسلم/ ج ۴ ص ۱۹۲، رقم ۲۶۱۳ ☆ کتاب الاموال/ ص ۴۲، رقم ۱۱۰

Marfat.com

بلاشبہ اللہ انہیں عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

پولیس وغیرہ کے جبر وتشدد کے بہت سے اسباب ہیں، ماضی میں اس کا اظہار جزیئے اور خراج وغیرہ ٹیکس کی وصولی میں زبردستی و جبر کے ذریعے ہوتا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بار جزیئے کا مال کثرت سے آیا، انہوں نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے (اس قدر مال وصول کر کے) لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیا ہوگا، عاملین بولے کہ نہیں خدا کی قسم ہم نے یہ مال ان کی سہولت اور خوش دلی سے وصول کیا ہے، حضرت عمرؓ نے پھر دریافت کیا، کیا بغیر کوڑے مارے اور بغیر لٹکائے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ''تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے میری حکومت کو جبر وتشدد سے محفوظ رکھا۔(۸۰) پولیس کی زیادتیوں میں ناجائز دباؤ، رشوت اور دوسرے خلاف قانون امور بھی ہیں جن کی شریعت میں واضح ممانعت کی گئی ہے۔(۸۱)

ان روریات ونصوص کی روشنی میں ہمیں پولیس کے نظام کا جائزہ لے کر اس کا احتساب کرنا ہوگا اور اس میں اصلاحات کرنی ہوں گی۔

نظامِ محصولات کا احتساب

نظامِ محصولات دو پہلوؤں سے احتساب کا متقاضی ہے، ایک تو اس اعتبار سے کہ صحیح طور پر محصولات ادا نہیں کئے جاتے، اور ان کے حصول میں بہت سی خرابیاں درآئی ہیں، اس مسئلے کا دوسرا غور طلب پہلو یہ ہے کہ جو حاصل شدہ ٹیکس ہیں وہ بھی ملکی اور ریاستی ضرورتوں پر پوری طرح خرچ نہیں ہوتے، اور یا تو بالا ہی بالا صرف کر دئے جاتے ہیں یا اعلیٰ پیمانے پر ہونے والی بدعنوانی کی نظر ہو جاتے ہیں، اس کی چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں، ٹیکس چوری کے متعلق کچھ عرصے قبل یہ خبر اخبارات کی زینت بنی تھی کہ سالانہ 140 ارب روپے ٹیکس چوری کی نظر ہو جاتے ہیں۔(۸۲) جبکہ انسٹیٹیوٹ آف کاسٹ اینڈ منیجمنٹ اکاؤنٹنٹس پاکستان کی رپورٹ میں ٹیکس چوری ہونے والی رقم کا تخمینہ سالانہ ڈھائی کھرب روپے لگایا گیا ہے۔(۸۳) اسلام جہاں اس

(۸۰) ایضاً/ص ۴۳، رقم ۱۱۴

(۸۱) رشوت کی ممانعت کے لئے ملاحظہ کیجئے: ترمذی/ج ۳ ص ۶۵، رقم ۱۳۴۱

(۸۲) روزنامہ جنگ کراچی، ۱۰ر نومبر ۱۹۹۹ء (۸۳) ایضاً، ۴ر فروری ۲۰۰۰ء

Marfat.com

بات پر زور دیتا ہے کہ حکومتِ وقت کی اطاعت کی جائے اور اس کے احکامات کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔(۸۴) جس میں حکومت کی جانب سے لگائے جانے والے ٹیکس اور دیگر انتظامی اقدامات بھی شامل ہیں۔(۸۵) صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں:

واما النوائب فان اريد بها مايكون بحق ككرى النهر المشترک واجر الحارس والموظف لتجهيز الجيش وفداء الأسارىٰ وغيرها جازت الكفالة بهاعلى الاتفاق(۸۶)

وہ محصول (ٹیکس) جو واقعتاً ضرورت کے لئے عائد کیا جائے مثلاً مشترکہ مقاصد میں استعمال ہونے والی نہر کھودنے کے لئے یا پہرہ داروں کی تنخواہوں کے لئے، یا فوج کی تیاری کے لئے یا قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو بالاتفاق اس کی اجازت ہے۔

وہیں اجازت مذکورہ تصریح کے مطابق ریاست کی ضروریات کے لئے ہے، اسراف اور حکومتی مناصب پر فائز افراد کی عیش پسندانہ زندگی اور اللوں تللوں میں اڑانے کے لئے نہیں، اس مقصد کے لئے عائد ہونے والا ٹیکس سراسر ظلم اور ناجائز ہے، صاحبِ ہدایہ نے اپنے مذکورہ بیان کے فوراً بعد اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔(۸۷) اور شمس الائمہ رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے امراء کا ذکر کرتے ہوئے یہ تک فرمادیا کہ

---

(۸۴) دیکھئے القرآن، سورۂ نساء آیت ۵۹، وغیرہ، یہ مضمون متعدد احادیث میں بھی بیان ہوا ہے، ملاحظہ کیجئے مشکوۃ/کتاب الامارہ

(۸۵) ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، (م ۸۶۱ھ)/ فتح القدیر/ مطبعہ کبریٰ الامیریہ، مصر، ۱۳۱۶ھ/ ج ۵ ص ۴۳۲، ابن ہمام کے الفاظ یہ ہیں، لانها واجبة على كل مسلم موسر بايجاب طاعة ولى الامر فيما فيه مصلحة المسلمين، ان ٹیکسوں کی ادائیگی ہر طاقت رکھنے والے مسلمان پر اس لئے ضروری ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت ان امور میں واجب ہے، جن میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔

(۸۶) مرغینانی، برہان الدین علی بن ابی بکر، (م ۵۹۳) / الھدایہ/ امین کمپنی جامع مسجد دہلی، ۱۳۵۸ھ/ ج ۳ ص ۱۰۹ (۸۷) مرغینانی/ محولہ بالا

Marfat.com

لیکن ہمارے زمانے میں چونکہ عموماً یہ محصول ظلماً وصول کئے جاتے ہیں اس لئے اس ظلم کے ازالے کا جس کو جتنا موقع ملے اتنا ہی بہتر ہے۔(۸۸)

اس لئے جہاں بلا امتیاز سب سے ٹیکس کی وصولیابی ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ٹیکسوں کا نظام شفاف اور ٹیکسوں کی شرح حقیقت پسندانہ بنائی جائے، جس میں ظلم کا پہلو موجود نہ ہو، نیز ان کے استعمال میں بھی احتیاط کا مظاہرہ کیا جائے، کیونکہ یہ قومی امانت ہیں، پھر ٹیکس وصول کرنے والوں کی جانب سے اس سلسلے میں غبن کرنا اور اس میں خورد برد کرنا بھی بہت بڑا جرم ہے، آپ ﷺ نے اس کی سخت سزا بیان فرمائی ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے یمن کی جانب بھیجا میرے روانہ ہونے کے بعد ایک شخص کو مجھے بلانے کے لئے روانہ کیا، جب میں آ گیا تو فرمایا تمہیں پتہ ہے میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟ پھر فرمایا: میری اجازت کے بغیر کبھی کسی سے کوئی چیز مت لینا، کیونکہ یہ خیانت ہے اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اسے قیامت کے دن لے کر آئے گا، میں نے تمہیں یہی بتانے کے لئے بلایا تھا اب جاؤ۔(۸۹)

این جی اوز کا احتساب

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ سماجی ترقی میں این جی اوز کا بڑا کردار ہے، ان غیر سرکاری رضا کار تنظیموں نے پاکستان کی ترقی اور تعمیر میں کافی کوششیں کی ہیں، مگر ہر شعبے کی مانند اس اہم شعبے میں بھی بدعنوان عناصر کی کمی نہیں بلکہ ان کا مسئلہ تو اس لئے بھی زیادہ سنگین ہو چکا ہے کہ اس میں ملک دشمن اور مذہب مخالف سرگرمیوں میں مصروف افراد بھی موجود ہیں، ایک رسالے نے کچھ عرصے قبل اپنے اداریئے میں ان کی بدعنوانیوں کے یہ نکات شمار کرائے تھے۔

۱۔حاصل ہونے والے فنڈ کا بیشتر حصہ ہضم کر جاتے ہیں۔

۲۔انسانی حقوق کے نام پر کام کرنے والی بہت سی تنظیمیں قرآن وسنت کے صریح احکامات کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں ملوث ہیں۔

---

(۸۸) فتح القدیر/ ج ۵ ص ۴۳۳ (۸۹) ترمذی/ ج ۳ ص ۶۵، رقم ۱۳۴۰

Marfat.com

۳۔ بعض تنظیمیں قومی وحدت اور ملکی سالمیت کے خلاف کام کرنے والوں اور بین الاقوامی تخریب کاروں کی پناہ گاہ بن چکی ہیں۔

۴۔ مسیحی مشنریاں مسلمانوں کو غیر مسلم بنانے میں مصروف ہیں۔

۵۔ بعض تنظیمیں سیاسی و مذہبی جماعتوں اور صحافیوں میں بدعنوانی پھیلانے میں سرگرم ہیں۔(۹۰) اسی دوران ایک اہم خبر بھی اخبارات کی زینت بنی کہ عراق میں امریکہ نے اقوام متحدہ کے ذریعے جاسوسی کروائی، اقوامِ متحدہ براہ راست یا بالواسطہ بے شمار ادارے کنٹرول کر رہی ہے، بالواسطہ کام کرنے والوں میں این جی اوز بھی شامل ہیں، جنہیں زیادہ تر فنڈ اقوامِ متحدہ ہی دیتی ہے، ان انکشافات نے اقوامِ متحدہ اور این جی اوز کے کردار کو سراسر مشکوک بنا دیا ہے۔(۹۱)

یہ حالات ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہیں، ہمیں کوشش کرنی ہوگی کہ ان تنظیموں کا بے لاگ احتساب کیا جائے اور کھرے اور کھوٹے کی پہچان کی جائے، یہ ایک صبر آزما کام ہے، کیونکہ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف پنجاب میں ۴۰؍ ہزار سے زائد این جی اوز رجسٹرڈ ہیں۔(۹۲) خصوصاً ملک اور اسلام مخالف سرگرمیوں کا فوری محاسبہ ضروری ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں منافقین کا ایک سازشی گروہ موجود تھا جس نے اسلام مخالف قوتوں سے ساز باز کر کے اسلام اور آنحضرت ﷺ کو نقصان پہنچانے کی مذموم کوششیں کیں، منافقین کی سازشوں اور قبیح عادات کا ذکر قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔(۹۳) منافقین نے مسلمانوں کے راز کفار و مشرکین کو فراہم کرنے کی بھی کوششیں کیں اور متعدد مواقع پر کفار کو مسلمانوں کے خلاف اقدامات پر ابھارا، چنانچہ مشہور یہودی سردار کعب بن اشرف انہی میں سے ایک تھا، مسلمانوں کو جب غزوۂ بدر میں فتح ہوئی تو اسے سخت صدمہ پہنچا، کچھ عرصے بعد وہ مکہ روانہ ہوا، جہاں وہ عبدالمطلب بن ابی وداعہ کے ہاں ٹھہرا، اس نے بدر میں مارے جانے

---

(۹۰) پندرہ روزہ الشریعہ، گوجرانوالہ/ الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ/ ۱۶؍ جنوری ۱۹۹۹ء (۹۱) روزنامہ اوصاف اسلام آباد/ ۹؍ جنوری ۱۹۹۹

(۹۲) پیر سید محمد بنیامین رضوی/ الشریعہ، گوجرانوالہ/ ۱۶؍ جنوری ۱۹۹۹ء/ ص ۱۰

(۹۳) ملاحظہ کیجئے سورۂ بقرہ، آلِ عمران، توبہ، منافقون

Marfat.com

والے مشرکین مکہ کے مرثیے لکھے اور متعدد طریقوں سے انہیں مسلمانوں پر حملے پر اکسایا۔(۹۴) اس نے بہانے بہانے سے آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی بھی سازش کی۔(۹۵) جس کے نتیجے میں اس کو قتل کیا گیا۔(۹۶) اس طرح آپ ﷺ نے اس سازش کا خاتمہ کیا جو ریاست اور مسلمانوں دونوں کے لئے نقصان دہ تھی۔

اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر حیی بن اخطب نے سازش کر کے اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو سبز باغ دکھا کر جس نے حضور اکرم ﷺ سے امن و صلح کا معاہدہ کیا ہوا تھا، اس معاہدے کو ختم کرا دیا۔(۹۷) آپ ﷺ نے ان تمام اندرونی سازشوں کا جس طرح مقابلہ کیا وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور ہمیں اس سے یہی تعلیم ملتی ہے کہ بیرونی خطرات کے ساتھ ساتھ اندرونی خطرات سے بھی غافل نہیں رہنا چاہئے، ہمیں این جی اوز کے معاملات کا بھی اسی تناظر میں جائزہ لینا ہوگا۔

معاشی معاملات کا احتساب

معاشی زندگی بھی ہم سے بھرپور توجہ کا تقاضہ کر رہی ہے، کیونکہ آج غربت اور کمزور مالی حالت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، کساد بازاری بھی انتہا پر ہے اور پورا معاشی ڈھانچہ ہم سے احتسابِ مسلسل اور اصلاحِ مکمل کا متقاضی ہے، غربت و فاقہ کشی کس حد تک بڑھ چکی ہے اس کے اندازے کے لئے یہی کافی ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں خودکشی کے واقعات میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے، اور ان میں اکثر کا سبب غربت تھی، دیکھا جائے تو اس کا بڑا سبب معاشیات کے حوالے سے ہمارا غیر حقیقت پسندانہ نظریہ اور ہمارے غیر اسلامی معاشی اصول ہیں، جن کی وجہ سے ہم مسلسل مالی مشکلات اور معاشی وسائل کی کمی کا شکار ہیں، ہماری ان کوتاہیوں میں سرِفہرست سودی کاروبار ہے، جس کے بارے میں واضح ارشادِ ربانی ہے کہ

---

(۹۴) ابن ہشام/ ج ۳ ص ۱۳۹، ☆ ابن سید الناس، ابوالفتح محمد بن محمد، م ۷۳۴ھ/ عیون الاثر/ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۹۲ء/ ج ۱ ص ۴۴۸

(۹۵) ابن حجر العسقلانی، م ۸۵۲/ فتح الباری/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ ج ۷ ص ۴۲۸

(۹۶) فتح الباری/ محولہ بالا ☆ ابن ہشام/ محولہ بالا (۹۷) ابن ہشام / ج ۳ ص ۲۶۱

Marfat.com

اگر تم سودی کاروبار ترک نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے
جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (۹۸)

ہمارے ہاں بازاروں میں جو برائیاں عام طور پر رائج ہیں، ان میں دھوکہ دہی اور ملاوٹ عام ہے، اس کی آپ ﷺ نے سخت ممانعت فرمائی اور اسے غیر اسلامی فعل قرار دیا، ایک بار آپ ﷺ کا بازار سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے غلے کے ایک ڈھیر کا معائنہ کیا تو اس میں خراب گندم ملی ہوئی محسوس ہوئی، آپ ﷺ نے مالک کو سخت سرزنش کی اور فرمایا کہ

مسلمانوں کے باہمی معاملات میں دھوکہ دہی نہیں ہونی چاہئے، جس نے
ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (۹۹)

ہمارے ہاں ناپ تول میں کمی کا بھی بہت رواج ہو چکا ہے، بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ اسے برائی ہی تصور نہیں کیا جاتا، حالانکہ قرآنِ کریم نے اس پر سخت وعید فرمائی ہے، ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝١ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝٢ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝٣

ہلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے، وہ لوگ کہ
جب ناپ کر لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا
تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ (۱۰۰)

آپ ﷺ نے ان برائیوں کے انسداد اور سدِ باب کے لئے باقاعدہ بازاروں کے نگران افراد کا تقرر فرمایا تھا جو بازاروں میں جا کر وہاں کی صورت حال کا جائزہ لیتے تھے، چنانچہ حلبی نے بیان کیا ہے کہ بازاروں کے احتساب کے لئے آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد سعد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے بازار میں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مدینہ

---

(۹۸) البقرہ: ۲۸۹، پوری آیت یوں ہے فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ و رسول

(۹۹) دارمی/ السنن/ ج ۲ ص ۳۲۳، رقم ۲۵۴۱

☆ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی (م ۴۵۸)/ السنن الکبریٰ/ دار الفکر، بیروت ۱۹۹۶ء/ ج ۸ ص ۹۵ رقم ۱۰۵۵۹

(۱۰۰) المطففین: ۱ تا ۳

Marfat.com

منورہ کے بازار میں مقرر فرمایا تھا۔ (۱۰۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مارکیٹ انسپکٹر کا تصور سب سے پہلے آپ ﷺ نے ہی پیش فرمایا تھا۔

احتساب کی درخشاں مثالیں

احتساب کے عنوان پر گفتگو ختم کرتے ہوئے مناسب ہے کہ اسلامی احتساب کی چند درخشاں مثالیں بھی پیش کر دی جائیں، تاکہ ہمارے لئے عادلانہ، منصفانہ اور بے لاگ احتساب کے قیام کے لئے اسوۂ حسنہ اور خلفاء راشدین کے طرزِ عمل سے صحیح نمونۂ عمل سامنے آ سکے، اور غیر جانبدارانہ نظام احتساب کے بنیادی خطوط واضح ہو سکیں۔

۱۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک بار آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لئے اپنا عامل مقرر کر کے روانہ کیا، جب مال وصول کر کے وہ لوٹا تو آپ ﷺ نے رقوم کا حساب طلب کیا، اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ تو آپ ﷺ کا مال ہے یعنی وصول ہونے والے صدقات ہیں اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا:

فهلا جلست في بيت ابيك وامك حتىٰ تاتيك هديتك، ان كنت صادقاً

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہے، یہ ہدیہ وہیں تمہارے پاس آ جاتا؟

پھر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس عمل کی سخت مذمت فرمائی۔ (۱۰۲)

۲۔ فتح مکہ کے بعد جب طائف فتح ہوا تو اس میں صخر نامی ایک رئیس کا بڑا ہاتھ تھا، انہوں نے ہی اہلِ شہر کو مصالحت پر آمادہ کیا تھا، مگر اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ سے شکایت کی کہ صخر نے میری پھوپھی پر قبضہ کر رکھا ہے، آپ ﷺ نے صخر کو حکم

---

(۱۰۱) حلبی، علی بن برہان الدین، م ۱۰۴۴ھ/ انسان العیون/ دار المعرفہ، بیروت/ ج ۳ ص ۴۲۴

(۱۰۲) بخاری/ الصحیح/ ج ۴/ ص ۱۴۶

Marfat.com

دیا کہ ان کی پھوپھی واپس کر دیں، پھر بنو سلیم آئے کہ صخر نے ہمارے زمانہ کفر میں ہمارے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لا چکے ہیں، اب ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلا دیں، آپ ﷺ نے صخر کو چشمہ بھی واپس کرنے کا حکم دیا، راوی کا بیان ہے کہ صخر نے دونوں حکم منظور کیے مگر آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر شرم سے سرخی آ گئی کہ دونوں معاملوں میں انہیں شکست ہوئی اور فتح طائف کا انہیں کوئی صلہ نہیں ملا۔ (۱۰۳) مگر اس کے باوجود احتساب کے تقاضے آپ ﷺ نے پورے کئے اور متاثرین کو فوری انصاف فراہم کیا۔

۳۔شاہِ غسان جبلہ بن ایہم نے ایک مرتبہ ایک عام عرب کو تھپڑ مار دیا، یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ اگرچہ بادشاہ تھا مگر انہوں نے فیصلہ سنا دیا کہ یا تو تم اسے راضی کرو ورنہ وہ بدلہ لے گا، یہ فیصلہ شاہ غسان پر بہت شاق گزرا، اس نے کہا کیا آپ کے نزدیک عام عرب اور ایک بادشاہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا، ''نہیں قطعاً نہیں، اسلام نے تم دونوں کو یکساں مقام عطاء کیا ہے۔'' (۱۰۴)

۴۔ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی اور مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کر نماز پڑھانے لگے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور سوال کیا کہ کیا آپ کو علم نہیں کہ عہد نبوت میں لوگوں کو اس سے روکا جاتا تھا؟ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بولے کہ ہاں آپ نے کہا تو مجھے یاد آیا۔ (۱۰۵)

۵۔اسی طرح حضرت ابوتمیمہ کا معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس دوران اگر کوئی آیت سجدہ آ جاتی تو اسی وقت سجدہ تلاوت ادا کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو آپ نے منع فرمایا اور انہیں یہ بات بتائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ وہ نماز کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ہرگز سجدہ نہ کرتے تھے۔ (۱۰۶)

---

(۱۰۳) شبلی نعمانی / سیرت النبی / ج ۲ / ص ۱۸۵

(۱۰۴) رفیق بک / اشہر مشاہیر الاسلام / ج ۲ / ص ۲۸۲،

(۱۰۵) ابوداؤد / ج ۱ / ص ۲۳۴۔ رقم ۵۹۷ (۱۰۶) ابوداؤد / ج ۱ / ص ۵۲۶۔ رقم ۱۴۱۵

Marfat.com

اختتام

جو کچھ اوپر بیان ہوا، وہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اگر ہم غیر جانبدارانہ، منصفانہ و عادلانہ اور بے لاگ احتساب کا ایک مکمل نظام قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے سیرتِ طیبہ اسوۂ حسنہ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں مکمل اور مفصل راہنمائی موجود ہے، ضرورت صرف خلوصِ نیت اور یقینِ کامل کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہونے کی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

Marfat.com

پاکستان کے لیے
مثالی نظامِ تعلیم کی تشکیل
تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس ۲۰۰۲ء

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

آپ کی تعلیمات اور اندازِ تعلیم و تربیت کا بہ غور جائزہ لینے والے اہلِ علم و دانش بخوبی جانتے ہیں کہ جدید دور کی تعلیمی نفسیات کے انگنت پہلو آپ ﷺ کی تعلیمات ہی سے ماخوذ اور آپ ﷺ کے اندازِ تربیت ہی سے مستفاد ہیں، یہی تمام تعلیمات ہمارے لئے ایک مثالی نظامِ تعلیم و تربیت کی بنیاد بن سکتی ہیں، اور انہی پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے سزاوار و مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف عمل کی ہے، اگر جذبہ عمل موجود نہ ہو تو خوبصورت ترین الفاظ اور قیمتی مفاہیم بھی خوشنما مگر کاغذی گلدستے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، جن سے چند لمحوں کے لئے نظروں کو تو بہلایا جاسکتا ہے، مگر ان سے کسی طرح کے فائدے کے حصول کی امید رکھنا کارِ عبث اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

Marfat.com

تمہید

ابتدائے آفرینش سے یہ سنت اللہ چلی آرہی ہے کہ عالمِ آب وگل میں کارِ زیست کو صحیح خطوط پر استوار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ مختلف انبیا و مرسلین علیہم السلام مبعوث فرماتا رہا ہے، ان انبیاء کا مقصدِ واحد انسانوں کی تعلیم وتربیت تھا۔ یہ سلسلہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آمد اور بعثت مبارکہ پر ختم ہوا، حضور اکرم ﷺ کے بارے میں قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

جیسا کہ ہم نے تم میں سے ایک رسول تمہارے لئے بھیجا، جو تمہیں ہماری آیات (قرآن حکیم) پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب (قرآن کریم) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔(۱)

قرآن وحکمت کی یہ تعلیم اسلام کے نظامِ تعلیم کی اساس اور اس کا بنیادی جز ہے، یہی وہ کڑی ہے جو اسلامی اور غیر اسلامی نظامِ تعلیم کے مابین مابہ الامتیاز ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے، اور آپ کے بارے میں فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

اور آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔(۲)

اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور پوری حیاتِ طیبہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کا عملی حصہ انہی مقاصد کے لئے وقف رہا، اور آپ کے فیضانِ نظر، اور شبانہ روز کاوشوں کے زیرِ اثر عرب کا چپہ چپہ، جہاں آپ ﷺ کی آمد اور بعثت باسعادت سے قبل جہالت کی ظلمت

(۱) البقرہ:۱۵۱ (۲) سبا:۲۸

Marfat.com

اور کفر کی ضلالت چھائی ہوئی تھی، یکا یک نورِ ایمانی اور علم کی تابانی سے جگمگا اٹھا، اور صدیوں کی دھندلحوں میں چھٹ گئی، برسوں کی گمراہی ایام میں دور ہوگئی، اور گمراہی وتاریکی کا ہر عنوان روشنی، ہدایت ورہنمائی سے مبدل ہوگیا۔

آپ ﷺ کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے کو حاوی ہیں، وہاں کسی قسم کا فرق وامتیاز نہ تھا، ہر مسئلے اور ہر معاملے میں رائے واضح، موقف دوٹوک اور مقصد نہایت روشن تھا۔ آپ کی تعلیمات اور اندازِ تعلیم وتربیت کا بہ غور جائزہ لینے والے اہلِ علم ودانش بخوبی جانتے ہیں کہ جدید دور کی تعلیمی نفسیات کے انگنت پہلو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی سے ماخوذ اور آپ ﷺ کے اندازِ تربیت ہی سے مستفاد ہیں۔ اس بنا پر یہی تمام تعلیمات ہمارے لئے ایک مثالی نظامِ تعلیم وتربیت کی بنیاد بن سکتی ہیں، اور انہی پر عمل پیرا ہوکر ہم دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں کے سزاوار ومستحق ٹھہر سکتے ہیں۔

ضرورت صرف عمل کی ہے، اگر جذبہ عمل موجود نہ ہوتو خوبصورت ترین الفاظ اور قیمتی مفاہیم بھی خوشنما مگر کاغذی گلدستے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، جن سے چند لمحوں کے لئے نظروں کو تو بہلایا جاسکتا ہے، مگر ان سے کسی طرح کے فائدے کے حصول کی امید رکھنا کارِ عبث اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں چند ضروری تمہیدی مباحث کے علاوہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک مثالی اسلامی تعلیمی نظام کی تشکیل کے لئے ضروری بنیادی خدوخال نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی، اور غور کیا جائے گا کہ ان مقاصد کا حصول کس طرح ممکن ہے۔

جبکہ مقالے کے آخری حصے میں انہی کی روشنی میں چند تجاویز پیش کی جائیں گی، جن میں واضح کیا جائے گا کہ ایک مثالی اسلامی تعلیمی نظام کی تشکیل کے حصول کا کیا طریقہ کار ہے؟

اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ، آمین۔

Marfat.com

علم

علم کے معنی معلومات اور مدرکات یعنی جاننے اور پہچاننے کے ہیں، یہ باب سمع سے ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے رجل عالم و علیم ۔(۳) اس کی جمع علوم اور عالم کی جمع علماء و علام آتی ہے(۴) لفظ علم کی نسبت جب انسان کی طرف کی جائے اور یوں کہا جائے علم الرجل تو معنی ہوں گے، حصلت له حقیقة العلم (اسے علم کی حقیقت حاصل ہوگئی) اور اگر یہ کسی شئی یا امر کی طرف منسوب ہو اور یوں کہا جائے ،علم علم الشئی یا علم الامر تو اس وقت معنی ہوں گے کہ عرفه و تقینه (اسے اس چیز کی معرفت اور کامل یقین حاصل ہوگیا)۔(۵)

علم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ علیم، عالم اور علام ہے۔(۶) اللہ تعالیٰ کی یہ صفات قرآنِ حکیم میں بھی بیان ہوئی ہیں: هو الخلاق العلیم (۷) عالم الغیب و الشهادة (۸) علام الغیوب (۹) معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بما کان و یکون کو اس کے ہونے سے قبل ہی جاننے والا ہے، اور اس سے اس کائنات کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں، وہ تمام اشیا کے چھوٹے بڑے، ظاہری و باطنی ہر طرح کے حقائق کا جاننے والا ہے،(۱۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

> لیس العلم بکثرة الحدیث و لکن العلم بالخشیة (۱۱)
>
> علم کثرت سے احادیث (اور اسلامی احکام) جاننے کا نام نہیں، علم تو خشیت الٰہی کا نام ہے۔

اور امام زہری کے بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید اس فرمانِ خداوندی سے ہوتی ہے:

---

(۳) فیروز آبادی/ القاموس المحیط/ دار الفکر، بیروت/ ج ۴ ص ۱۵۳ (۴) ایضاً

(۵) لوئس معلوف/ المنجد/ مطبعه کاتولیکیه، بیروت، ۱۹۴۷ء/ ص ۵۵ (۶) ابن المنظور/ لسان العرب/ نشر ادب الحوزہ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ/ ج ۱۲/ ص ۴۱۶ (۷) الحجر: ۸۶ (۸) الحشر: ۲۲

(۹) المائدہ: ۱۰۹ (۱۰) لسان العرب/ محولہ بالا (۱۱) ایضاً

Marfat.com

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

بلاشبہ اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علما ہی ڈرتے ہیں۔ (۱۲)

اسی طرح امام مالک سے بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

ليس العلم بكثرة الروايات، انما العلم نور يجعله الله تعالىٰ في القلب (۱۳)

علم کثرت سے روایات جاننے کا نام نہیں، بلاشبہ علم تو ایک نور ہے جو اللہ دل میں القا فرماتے ہیں۔

اور حضرت مسروق کا قول ہے:

كفىٰ بالمرء علما ان يخشىٰ الله، و كفىٰ بالمرء جهلا ان يعجب بعلمه (۱۴)

کسی شخص کے عالم ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہو، اور کسی شخص کی جہالت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے علم پر ناز کرتا ہو۔

جبکہ بعض علما کے بقول عالم کی تعریف یہ ہے:

اجهل الناس من ترك مايعلم، و اعلم الناس من عمل بمايعلم (۱۵)

سفیان بن عیینہ سے عالم اور جاہل کی تعریف اس طرح منقول ہے، فرمایا لوگوں میں سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو اس پر عمل نہ کرے جو وہ جانتا ہے، اور لوگوں میں سب سے بڑا عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل پیرا

---

(۱۲) الفاطر: ۲۸ (۱۳) مولانا سید محبوب حسن واسطی/ حضور ﷺ کا تعلیمی انقلاب/ شش ماہی السیرہ عالمی/ مدیر سید فضل الرحمٰن، شمارہ ۳، جون ۲۰۰۰ء/ ص ۸۰

(۱۴) دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن/ السنن/ قدیمی کتب خانہ، کراچی/ ج ۱ ص ۱۰۴، رقم ۳۱۴

(۱۵) ایضاً ص ۱۰۶، رقم ۳۳۰

Marfat.com

ہو۔(۱٦)

راغب اصفہانی علم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

العلم ادراک الشئ بحقیقتہ، وذالک ضربان، احد هما ادراک ذات الشئ و الثانی الحکم علی الشئ بوجود الشئ، هو موجود له، اونفی شی، هو منفی عنه (١٧)

علم کسی شئی کی حقیقت کے ادراک کا نام ہے، اور یہ دو طرح ہے، ایک ذاتِ شئی کا ادراک اور دوسرے کسی چیز پر کسی دوسری چیز کی موجودگی کے باعث حکم لگانا، جواس کے لئے موجود ہے، یا اس کی نفی کرنا، جواس سے منفی ہے،

ارسطو کہتا ہے کہ علم ادراکِ کلی کا نام ہے، وہ کہتا ہے:

العلم ادراک کلی ای ادراک الماهیة التی هی کلیة بالقوة وتصیر کلیة بالفعل متیٰ التفت العقل الی جزئیاتها الحقیقیة و الممکنة(١٨)

علم ادراکِ کلی نام ہے، یعنی اس ادراکِ ماہیت کا نام ہے جو کلیتاً بالقوۃ موجود ہے، اور جسے اس وقت بالفعل بنایا جا سکتا ہے، جب کہ عقل انسانی اس کی حقیقی وامکانی جزئیات کی جانب ملتفت ہو جائے۔

ملاعلی قاریؒ اس کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

العلم نور فی قلب المؤمن مقتبس من مصابیح مشکوة النبوة من الاقوال المحمدیة والا فعال الاحمدیة والا حوال المحمودیة یهتدی به الی الله و صفاته وافعاله واحکامه (١٩)

---

(۱٦)ایضاً (۱۷)راغب اصفہانی/المفردات/مصطفیٰ البابی الحلبی مصر،۱۹٦۱ء/ص ۳۴۳

(۱۸)یوسف خیاط، ندیم مرعشلی/المصطلحات العلمیہ والفنیہ/نشرادب الحوزہ، قم ایران،۱۴۰۵ھ/ ج ۲ ص ۱۷۴ (۱۹)ملاعلی قاری/مرقاۃ المفاتیح/مکتبہ امدادیہ، ملتان/ ج ۱ ص ۲٦۴

Marfat.com

علم وہ نور ہے جو قلبِ مومن میں موجزن ہوتا ہے، اور مشکوۃ نبوت کے چراغوں سے آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور احوال کی صورت میں ماخوذ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی صفات، افعال واحکام کی جانب رہنمائی کرتا ہے

تعلیم

لفظ تعلیم اسی مادے علم سے باب تفعیل سے ہے، اس کے معنی ہیں علم دینا، اور دوسروں کو سکھانا، اس کے معنوی مفہوم میں بار بار اور کثرت سے خبر دینا شامل ہے، جس سے اس کا مفہوم متعلم کے ذہن میں محفوظ ہو جائے۔(۲۰)

پروفیسر سید محمد سلیمؒ فرماتے ہیں کہ تعلیم لکھنے اور پڑھنے کا نام نہیں، اس کو تو خواندگی (Literacy) کہتے ہیں، یہ تو ایک قسم کی ہنرمندی اور کاریگری ہے، یہ تو دنیا کی تمام قوموں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے، تعلیم صنعت وحرفت کا نام بھی نہیں ہے، اس کو کاردانی اور کارآموزی (Instruction) کہتے ہیں۔ تعلیم محض سائنس اور آرٹس کی معلومات حاصل کرنے کا بھی نام نہیں ہے، یہ معلومات کی ذخیرہ اندوزی ہے۔ تعلیم خواندگی، ہنرمندی معلومات اندوزی سے بہت ارفع اور اعلیٰ شئی ہے، تعلیم ایک خاص نظریۂ حیات کو فروغ دینے کا نام ہے، مخصوص اندازِ فکر ونظر اختیار کر لینے کا نام ہے، انسانی زندگی کے مختلف مظاہرات کو ایک خاص انداز سے برتنے کا نام ہے، مظاہر کائنات کو ایک خاص رخ سے دیکھنے کا نام ہے، تعلیم قومی نظریہ حیات سے طالب علموں کے ذہنوں کو مزین کر دینے کا نام ہے۔(۲۱)

تعلیم کے لئے انگریزی میں لفظ ایجوکیشن (Education) استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی میں تعلیم وتربیت اور تہذیب شامل ہیں۔(۲۲) اور اس کا مصدر ایجوکیٹ (Educate) ہے۔ جس کے معنی ہیں تربیت دینا (۲۳) یہ اصل میں لاطینی زبان کے لفظ (Edex) بہ معنی نکالنا

---

(۲۰) پروفیسر خورشید احمد/ اسلامی نظام حیات/ جامعہ کراچی، کراچی، ۹۳ء/ص ۴۲۲

(۲۱) پروفیسر سید محمد سلیمؒ/ مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں؟/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۹۱ء/ص ۲۸

(۲۲) Baba-e-urdu the students` standard english urdu dictionary/ Anjuman taraqqi e urdu Karachi. 710, P-362

(۲۳) ایضاً

Marfat.com

اور (Duler-Dul) بہ معنی راہنمائی سے ماخوذ ہے، (۲۴) اور اس کے معنی معلومات جمع کرنے اور مخفی صلاحیتوں کو نکھارنے کے بنتے ہیں۔ انسائی کلوپیڈیا آف ڈیکشنریز کے بقول تعلیم انسانی ذہن اور مختلف اعضا کو مہذب و تربیت یافتہ بنانے کا نام ہے۔ (۲۵) اس تشریح کی روشنی میں جان ملٹن کی تعریف ملاحظہ کیجئے، وہ کہتا ہے۔

> میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے، جو انسان کو بحالت جنگ و امن اپنی اجتماعی و نجی زندگی کے فرائض دیانت و مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ (۲۶)

تعلیم کی اہمیت اسلام کی نظر میں

اسلام تعلیم کو جو اہمیت دیتا ہے، وہ کسی اور چیز کو نہیں دیتا، تعلیم بنیادی انسانی ضروریات میں سے ہے، اور اس کی کثیر الجہت اہمیت خود اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے بھرپور توجہ کا مستحق قرار دیا جائے۔ ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہونے کے ناتے بھی ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ تعلیم کو بھرپور اہمیت دیں۔ کیونکہ ایک نظریاتی ریاست کو بیک وقت دو محاذوں پر نبرد آزما ہونا پڑتا ہے، ایک تو فوجی دفاع کا محاذ دوسرا نظریاتی سرحدوں کا محاذ، دوسرے محاذ میں اس ریاست کے نظریات کے تناظر میں تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی، مذہبی و دینی روایات، افکار و اقدار اور اعتقادات کا تحفظ شامل ہے۔ یہ محاذ اس لئے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس پر حملہ خواہ باہر سے ہو یا اندر سے، اس کا مقابلہ جدید عصری شعور سے بہرہ ور اور اپنی دینی و مذہبی و ثقافتی تعلیمات و روایات سے مکمل طور پر بہرہ مند افراد ہی کر سکتے ہیں، جس کے لئے تعلیم از بس ضروری ہے۔ اور اسی سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ ہمیں نظامِ تعلیم کس نوع کا درکار ہے؟

علم کا حصول تخلیق انسانی کا ایک اہم جز ہے، یہی وہ جوہر ہے جس کی بنا پر انسان کو نوری

---

(۲۴) Shipley, Joseph T,/ Dictionary of word origins ames. lows.

(۲۵) Webster Encyclopedia of dictionarlies new P 114.

(۲۶) John Milton/ A reqagitica American edeition vol. 1, P 121 and other prose works every man`s library. P 46

Marfat.com

مخلوق فرشتوں پر بھی فضیلت عطا ہوئی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝

اور (اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، انہوں نے (فرشتوں نے) کہا کہ کیا اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں اپنی تسبیح کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بیشک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں، جن کو تم نہیں جانتے۔ اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو تمام کام سکھا دیئے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ۔ (۲۷)

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم انسان کے خمیر ہی میں ڈال دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اسے وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں، جن کے بل پر اس کو دائمی فضیلت اور دوسری تمام مخلوقات پر اس کی حاکمیت قائم ہو سکتی ہے۔ (۲۸)

اسلام نے علم کو بہت بلند درجہ عطا کیا ہے، قرآنِ حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(۲۷) البقرہ: ۳۰، ۳۱

(۲۸) سید عزیز الرحمٰن/تعمیر شخصیت وفلاح انسانیت/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۹۶ء/ص ۱۷، ۱۸

اللہ تعالیٰ نے اس کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے بھی، اور اہل علم نے بھی، اور اللہ تعالیٰ معبود بھی اس شان کا ہے کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والا ہے۔(۲۹)

امام غزالیؒ یہاں اہلِ علم کو فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ لانے کی حکمت بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

فانظر کیف بدء سبحانہ و تعالیٰ: بنفسہ وثنیٰ بالملائکۃ وثلث باھل العلم وناھیک بھذا شرفا وفضلا وجلاء و نبلا (۳۰)

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنی ذات سے کلام کا آغاز فرمایا، پھر فرشتوں کا ذکر کیا، اور تیسرے مرتبے میں اہل علم کا ذکر کیا، اور شرف وفضل اور بزرگی واصالت کے لئے اتنا کافی ہے۔

ذیل میں چند عنوانات کے تحت اسلام کی نظر میں تعلیم کی اہمیت ومقام کا جائزہ لیا جاتا ہے

تعلیم خود مقصود ہے

اسلام کی نظر میں تعلیم خود مقصود ہے، اسلام وہ واحد مذہب ہے، جو تعلیم کو وسیلہ اور سبب نہیں بلکہ خود مطلوب ومقصود قرار دیتا ہے، اور اس کے حصول کو ایک دینی فرض کے طور پر مسلمانوں پر لازم کرتا ہے، ایک ایسے فرض کے طور پر جو دیگر فرائض کی طرح ہم پر لازم ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں۔(۳۱)

دنیا نے علم کو ہمیشہ وسیلہ سمجھا، مگر مسلمانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے علم کو کبھی وسیلہ نہیں سمجھا، بلکہ مقصد سمجھا، علم دین وسیلہ نہیں بلکہ مقصد ہے، اس کو کسی وسیلے کے لئے حاصل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض ہے، مسلمانوں نے کبھی بھی علم کو اس لئے

---

(۲۹) آل عمران: ۸ (۳۰) امام غزالی/ احیاعلوم الدین/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۹ء/ ج اص ۱۱

(۳۱) خطاب، طلبائے دیوبند، ۱۹۵۵ء

Marfat.com

حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعے سے معیشت حاصل کریں گے، یا کسی سرکاری منصب پر فائز ہوں گے، مسلمانوں نے ذریعہ معیشت کسی اور چیز کو بنایا، اور علم کو صرف علم کیلئے سیکھا، اور اسی کو اپنا مقصد بنایا۔ (۳۲)

تعلیم، بنیادی ضرورت

اسلام پہلا مذہب اور تمدن (Culture) ہے، جس نے تعلیم کو ہر انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے، جبکہ اس سے قبل یہ تصور موجود نہ تھا، بلکہ ہر معاشرہ اور قبیلہ صرف اپنے اعلیٰ طبقے کی تعلیم پر قانع تھا، اور وہ قبیلے کے سردار اور امراء وغیرہ اور مذہبی پیشواؤں کی تعلیم و تربیت کو ضروری قرار دیتا اور اس کا اہتمام کرتا تھا، عام افراد اس تعلیمی نظام سے خارج سمجھے جاتے تھے، انہیں طبقۂ اشرافیہ کی طرح تعلیم حاصل کرنے کا حق نہ تھا۔ (۳۳) یہاں تک کہ یونان اور چین کے ہاں بھی، جنہوں نے علم وتمدن کے میدان میں نمایاں بلکہ غیر معمولی ترقی کی، تمام انسانوں کی تعلیم کا کوئی تصور نہ تھا، بلکہ وہ اہل علم کے ایک خاص طبقے کی تعلیم کے محرک اور داعی تھے، افلاطون بھی فلاسفہ اور اہل نظر کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازتا ہے۔ (۳۴)

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے بلا تفریق طبقات و قبائل و بلا تخصیص مرد و زن سب کے لئے بلا امتیاز و بلا اختصاص عام تعلیم کا آوازہ بلند کیا، اور نبی امی صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (۳۵)

علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یعنی تعلیم ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب، مرد عورت اور کالے گورے ہر ایک پر فرض ہے،

---

(۳۲) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی/ مولانا ابوالکلام آزاد/ ص ۷۶

(۳۳) Encyclopedia of Britanica1984 pp 6/317.318

(۳۴) اسلامی نظریۂ حیات/ ص ۴۲۰ (۳۵) ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی/ السنن/ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۸، / ج ۱/ ص ۹۷، رقم ۲۲۴، ☆ ہیثمی، نورالدین علی بن ابوبکر/ مجمع الزوائد/ ج ۱ ص ۳۳۲، رقم ۴۷۲، ۴۷۴، ☆ طبرانی/ المعجم الکبیر/ رقم ۱۰۴۳۹،

Marfat.com

اس باب میں نہ تو طبقۂ فکر کی تخصیص ہے نہ کسی اور بنیاد پر اسلام نے کسی بھی نوعیت کے امتیاز کو درست سمجھا ہے۔

تعلیم فرض ہے

جیسا کہ تحریر ہوا، تعلیم چونکہ ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسی لئے ہر ایک پر اس کا حصول فرض ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ

اور وہ وقت یاد کرو، جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ اس (کتاب) کا مطلب لوگوں سے ضرور بیان کرنا اور چھپانا مت۔ (۳۶)

ان آیات میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے ذریعے اہل کتاب کے علماء سے یہ عہد لیا تھا کہ جو احکام اور شہادتیں کتاب اللہ میں ہیں، ان کو صاف صاف، کسی قسم کی کمی بیشی کے بغیر لوگوں تک پہنچائیں گے، اور ان کی اشاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے، یہاں مسلمان اہل علم کو بھی تنبیہ ہے کہ علوم دینی کے فروغ میں (جو ان پر فرض ہے) کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں، نہ انہیں چھپائیں۔ (۳۷) اسی طرح حدیث میں علم کے حصول کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ (۳۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اچھا ادب (سکھانے) سے بہتر عطیہ (تحفہ) نہیں دے سکتا۔ (۳۹) یہ اہتمام اس لئے ہے کہ تعلیم اسلام کی نظر میں فرض ہے، اور اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کیا جائے گا، اور اس کا پہلا قدم گھر سے

---

(۳۶) آل عمران: ۱۸۷ (۳۷) ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل/ التفسیر/ عیسیٰ البابی الحلبی، مصر/ ج ا ص ۴۳۶، ☆ قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پاتی/ تفسیر مظہری/ مجلس اشاعت العلوم، حیدرآباد دکن/ ج ۲ ص ۱۹۴

(۳۸) ملاحظہ کیجئے، حوالہ نمبر ۳۵

(۳۹) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ/ الجامع السنن/ دارالفکر، بیروت ۹۴ء/ ج ۳ ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹، ☆ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین/ شعب الایمان/ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء/ ج ۲ ص ۲۵۶

Marfat.com

والدین کی نگرانی میں بچپن ہی میں اٹھایا جائے گا، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ قرآن جانے اور دینی مسائل سمجھے۔ (۴۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا

علم سیکھو اور اسے لوگوں تک پہنچاؤ۔ (۴۱)

تعلیم، انسانی ترقی کا ذریعہ

قرآن کے بقول تعلیم انسانی ترقی کا ذریعہ ہے، قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (۴۲) عظمت وجلال ربانی سے متاثر ہونا اور اس کے اثر سے ہیبت ماننا خشیت کا مفہوم ہے، عظمت وجلال ربانی سے متاثر ہو کر اس کی بارگاہ میں جھکنا ایمان کی قوت کا اعلیٰ ثمرہ ہے، قرآن مجید کی مختلف آیات میں کہیں مغفرت اور اجر کریم کا، کہیں ہدایت پانے اور ہدایت قبول کرنے کا، اور کہیں رضائے الٰہی کے حاصل ہونے کا ذریعہ اس خشیت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہی بلند مراتب میں انسان کی بہبود اور سعادتِ ابدی منحصر ہے، ان سعادتوں کے مظہر ''خشیتِ الٰہی'' کو جب علم والوں کے ساتھ مخصوص فرما دیا گیا تو منطقی طور پر ساری انسانی سعادتیں علم کے دامن سے وابستہ ہو گئیں۔ (۴۳)

قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿۲۰﴾
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ

اور برابر نہیں اندھا و بینا، اور نہ ظلمتیں اور نور، اور نہ سایہ اور دھوپ، اور

---

(۴۰) قرطبی/ الجامع لاحکام القرآن/ ج ۳ ص ۱۲۱ (۴۱) دارمی/ ج ۱/ ص ۸۴، رقم ۲۲۱، ☆ الدار قطنی، علی بن عمر/ السنن/ مدینہ منورہ/ ج ۴ ص ۸۲ (۴۲) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۲

(۴۳) مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی/ مسلمانوں کی قدیم تعلیم کا نصب العین/ مشمولہ سہ ماہی اسلام اور عصر جدید/ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، انڈیا/ ج ۳۲/ ش مئی ۴، اکتوبر ۲۰۰۰ء/ ص ۸، ۹، بہ تصرف قلیل

Marfat.com

برابر نہیں زندہ اور مردہ۔(۴۴)

معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں علم بینائی ہے، روشنی ہے، سایہ اور حیات ہے، جبکہ اس کے مقابل جہالت، اندھاپن ہے، تاریکی ہے، تپش ہے اور موت ہے۔ غالباً اس سے زیادہ مؤثر پیرایۂ بیان علم و جہل کے تقابل کا ہو ہی نہیں سکتا۔(۴۵)

تعلیم، رفع درجات کا سبب

تعلیم رفع درجات کا سبب بھی ہے، انسان کا جب اہل علم میں شمار ہوتا ہے، وہ علم سے بہرہ ور ہو کر اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے (اپنے ظرف اور اس کی توفیق کے بقدر) متصف ہوتا ہے۔ تو اس کے درجات بڑھا دیئے جاتے ہیں، اس کا مرتبہ بلند کر دیا جاتا ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور جن کو علم دیا گیا ان کے درجات بلند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے جو تم کرتے ہو۔(۴۶)

اس آیت میں انسان کی ترقی مدارج کے دو ذریعے بیان فرمائے ہیں،

۱۔ایمان اور ۲۔علم۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور علم دونوں دوش بہ دوش مل کر انسان کو ترقی کی منازل طے کراتے ہیں۔(۴۷)

تعلیم کی اہمیت، احادیث کی روشنی میں

تعلیم کی اہمیت کو احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک جہانِ معنی اور ایک گنجینۂ علم و حکمت سے انسان آشنا ہوتا ہے۔ احادیث میں تعلیم کو انسان کی اوّلین ضرورت اور اس کا حصول بڑی فضیلت کا باعث قرار دیا گیا ہے، چند احادیث ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

---

(۴۴) الفاطر: ۱۹ تا ۲۲ (۴۵) اسلام اور عصر جدید/ص ۸، ۹، بہ تصرف قلیل

(۴۶) المجادلہ: ۱۱ (۴۷) اسلام اور عصر جدید/ص ۸

Marfat.com

۱۔ تعلیم دینے والے یعنی معلم اور استاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خیر کی تعلیم دینے والے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ، فرشتے، اہلِ آسمان، اہل زمین، حتی کہ چونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں، دعائے خیر کرتی ہیں (۴۸)

۲۔ طالب علم کو یہ بشارت سنائی:

فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔(۴۹)

۳۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے عالم کو چاند سے تشبیہ دی، فرمایا:

عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت، علما تو انبیا کے وارث ہیں۔(۵۰)

۴۔ آپ ﷺ نے طلب علم میں سرگرداں افراد کو جنت کی بشارت سنائی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کوئی راستہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔(۵۱)

۵۔ اور طالب علم کو ایک یہ بشارت سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہے، جب تک لوٹ نہ آئے۔(۵۲)

---

(۴۸) ترمذی/ ج ۴/ص ۳۱۴

(۴۹) ترمذی ایضاً/ص ۳۱۲، رقم ۲۶۹۱ ☆ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی/ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج ۳ ص ۳۱۳، رقم ۳۶۴۱ ☆ ابن ماجہ/ ج ۱/ص ۹۶، رقم ۲۲۳

(۵۰) ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، محولہ بالا، (۵۱) ترمذی/ ج ۴/ ص ۲۹۴، رقم ۲۶۵۵ ☆ حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، نیسابوری/ المستدرک/ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۹۰ء/ ج ۱ص ۱۶۵

(۵۲) ترمذی/ص ۲۹۵، رقم ۲۶۵۶

Marfat.com

۶۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے طلبِ علم کو بھوک سے تعبیر فرمایا، فرمایا:

لوگوں میں سب سے زیادہ بھوکا طالب علم ہے، اور سب سے زیادہ پیٹ بھرا وہ ہے جسے علم کی طلب نہ ہو۔ (۵۳) (یعنی اصل بھوک علم کی بھوک ہے)

۷۔ ہر خیر کا حامل یا عالم ہے یا طالب علم، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرمایا:

یا تو عالم بن یا طالب علم، اس کے علاوہ بھلائی کی کوئی صورت نہیں (۵۴)

۸۔ ایک روایت میں عالم کو عابد پر فضیلت دیتے ہوئے فرمایا:

دین کی سمجھ رکھنے والا شخص شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (۵۵)

۹۔ اور ایک مقام پر فرمایا:

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی کم تر شخص پر۔ (۵۶)

۱۰۔ طالب علم کے رزق کی ذمے داری اللہ تعالیٰ کی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص علم طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا کفیل بن جاتا ہے۔ (۵۷)

۱۱۔ حصولِ علم کو آپ ﷺ نے کفارۂ گناہ قرار دیا، فرمایا:

جو شخص علم حاصل کرتا ہے، اس کا یہ عمل اس کے (عمل) ماضی کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (۵۸)

۱۲۔ عالم کی موت کو آپ ﷺ نے ایک بہت بڑا سانحہ قرار دیا، فرمایا:

عالم کی موت سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جس کو بند نہیں کیا

---

(۵۳) علی متقی الہندی/ کنز العمال/ احیا التراث الاسلامی، بیروت/ رقم ۲۸۶۸۴

(۵۴) داری/ص ۱۰۹، رقم ۳۳۷ (۵۵) ابن ماجہ/ ج ۱/ص ۹۶، رقم ۲۲۲

(۵۶) ایضاً ص ۳۱۳، رقم ۲۶۹۴ ☆ داری/ص ۱۰۰، رقم ۲۸۹ (۵۷) کنز العمال/ رقم ۲۸۷۰۱

(۵۸) ترمذی/ص ۲۹۵/ رقم ۲۶۵۷

Marfat.com

جا سکتا، خواہ لیل ونہار کتنے ہی بدل جائیں۔(۵۹)

۱۳۔ راہِ علم میں محرومی بھی باعث ثواب ہے، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا:

جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا اور اسے حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو حصے ثواب لکھے گا، اور جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا اور اسے حاصل نہ کر سکا تو اس کے لئے ایک حصہ ثواب ہوگا۔(۶۰)

یہ چند احادیث کا انتخاب پیش کیا گیا، ورنہ تو صرف اسی موضوع پر احادیث کی بڑی بڑی کتب موجود ہیں۔جن سے اسلام میں علم وتحصیل علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے،(۶۱)

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اسلام نے علم کی اہمیت کو سمجھایا اور ذہنوں میں راسخ کیا ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔اسلامی تعلیمات نے حصول علم کی ایک ایسی تڑپ اور لگن مسلمانوں میں پیدا کی جس نے انہیں ملکوں پھرنے اور محض علم کی خاطر صحروں شہروں خاک چھاننے کا شائق بنا دیا تھا۔اسی شوق نے ان سے وہ کارنامے منسوب کیے، جن کی بازگشت آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ہمیں بار بار سنائی دیتی ہے۔

اس عنوان پر گفتگو کا اختتام ابن شہاب زہریؒ کے اس قول پر کرتے ہیں، امام مالک ان سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم اگر کوئی شخص دین کے معاملے میں مجھ سے مشورہ کرے، اور میں غور وفکر کے بعد اسے راہِ حق بتا دوں، تا کہ اس کے دین کی اصلاح ہو جائے، تو میرے نزدیک یہ ایک سو غزوات میں شرکت سے بہتر ہے۔(۶۲)

---

(۵۹) مجمع الزوائد/ ج ۱ص ۴/۳۷/ رقم ۹۸۴، دارمی/ ج ۱ص ۱۰۶/ رقم ۳۲۴

(۶۰) مجمع الزوائد/ ج ۱ص ۳۳۰/ رقم ۵۰۲ ☆ کنز العمال/ رقم ۲۸۸۳۸

(۶۱) ملاحظہ کیجئے، مولانا محمد شہاب الدین ندوی/ اسلام میں علم کا مقام ومرتبہ/ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۹۴ء (۶۲) مولانا عبد القیوم حقانی/ سراغ زندگی/ القاسم اکیڈمی، نوشہرہ، ۲۰۰۱ء/ ص ۱۰۰

Marfat.com

مقاصدِ تعلیم

اب اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ اسلام کے مقاصد تعلیم کیا ہونے چاہئیں؟ اگرچہ اوپر کی گفتگو میں اس جانب چند اشارے تو ہوئے، مگر اس موضوع کو منقح کر کے زیادہ وضاحت سے پیش کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کی روشنی میں ایک مثالی اور مستند نظامِ تعلیم کی تشکیل کی جا سکے، لیکن تعلیم کے اغراض و مقاصد پر غور کرنے سے قبل ضروری ہے کہ یہ دیکھیں کہ خود انسان کیا ہے؟ اور اسلام اسے کیا حیثیت دیتا ہے، جس کے لئے تعلیم کی بات کی جا رہی ہے۔

انسان کیا ہے؟

قرآن حکیم میں ارشاد مبارک ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝

ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا۔ (۶۳)

ابن العربی فرماتے ہیں:

لیس اللّٰہ تعالیٰ خلق احسن من الانسان فان اللّٰہ خلقه حیا عالما مریدا امتعلما سمیعا بصیرا مدبرا حکیماً (۶۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان سے بڑھ کر کوئی خوبصورت چیز پیدا نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا، اسے حی، عالم، قادر، صاحب ارادہ، متعلم، سننے والا، صاحب بصیرت، مدبر اور حکیم بنایا۔

اور قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر بیرونی جہان کی تمام خصوصیات ودیعت رکھی گئی ہیں، اس میں عالم روح کے نازک حقائق بھی موجود ہیں اور عالم خلق کے اہم عناصر بھی، اسی طرح نفس ناطقہ بھی موجود ہے، جو خود عالم عناصر کی پیداوار ہے، انسان کی

---

(۶۳) التین: ۴ (۶۴) قرطبی/ الجامع الاحکام القرآن/ بہ ذیل آیت، تفسیر سورۃ التین

Marfat.com

اسی جامعیت کے سبب کائنات کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں، اس کے اندر ملکی صفات بھی موجود ہیں، اور درندوں کی خصوصیات بھی، چو پاؤں کی کیفیتیں بھی پائی جاتی ہیں اور شیطانی خبائث بھی۔ یہ ان صفاتِ کاملہ الٰہیہ سے متصف ہے جو حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور محبت سمیت صفاتِ الٰہیہ کا پرتو ہیں، یہ نورِ عقل سے مزین ہے، یہ انوارِ ظلی اور انوارِ حقانیہ وذاتیہ کا مورد ہے، انہیں خصوصیات کے سبب اسے خلعت خلافت عطا کی گئی اور اسی سبب سے اسے اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (۶۵) (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) فرمایا گیا۔ (۶۶)

جو صفات اوپر بیان ہوئیں، یہ تمام صفات انسانوں میں پیدائشی طور پر موجود ہیں۔ مگر بالقوہ، بالفعل نہیں، ان میں مفید اور مثبت صفات کو روبہ عمل لانا، اور انہیں متحرک کرنا، نیز منفی صفات اور ان کے مقتضائے عمل کو دبانا ہی منشائے خداوندی ہے۔ یہی حکم خداوندی بھی ہے، اور یہی غرض وغایت اولین بھی۔ اس لئے نظامِ تعلیم بھی ایسا ہونا چاہئے جو انسان کو خصوصاً ایک مسلمان کو ان صفات حسنہ کا حامل بنا سکے، اور صفات سیئہ سے مجتنب رکھ سکے۔ اس کی روشنی میں ہی اسلام کے مقاصد تعلیم متعین کئے جا سکتے ہیں۔

اس کے برعکس مغربی و یونانی غیر مسلم مفکرین انسان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ انسان ایک ایسی مشین ہے، جس میں روح ہے، ارسطو

۲۔ انسان ایک وحشی ہے، البتہ اسے سکھایا جا سکتا ہے۔ ڈیکارٹ

۳۔ انسان دو ٹانگوں والا جانور ہے، روسو

۴۔ انسان ایک دوسرے کے لئے بھیڑیا ہے۔ ہابز

۵۔ انسان کو بدمعاش ہی تصور کرنا چاہئے۔ ہیوم

۶۔ انسان ایک اعلیٰ درجے کا حیوان ہے۔ ڈارون

۷۔ انسان ایک ایسا حیوان ہے، جس کی جنسی جبلت منحرف ہو کر تباہی مچا دیتی ہے۔ فرائڈ

۸۔ انسان ایک ایسا جانور ہے جس کو عقل وخرد سے بیگانہ کر کے دنیا میں پھینک دیا گیا

---

(۶۵) البقرہ: (۶۶) تفسیر مظہری / ج ۱۰ ص ۲۹۷

Marfat.com

ہے، سارتر (۶۷)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان ماہرین کا عطا فرمودہ نظام کیا ہوگا؟ اور وہ کس حد تک حضرت انسان کے لئے مفید ہوگا، انسان کیا ہے؟

جب تک یہ متعین نہ کر لیا جائے کہ ایک مسلمان کا مقصد حیات کیا ہے؟ اس وقت تک مقاصدِ تعلیم متعین نہیں ہو سکتے، اسی بنا پر ایک مسلمان کا نظریہ تعلیم اور مقصد تعلیم ایک غیر مسلم سے قطعی مختلف ہوگا، اس فرق کو ملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہے کہ فکری لغزش کی بنیاد یہیں سے پڑتی ہے، اور مقاصد تعلیم کے متعین کرنے میں خطا و لغزش کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے، اس لئے اختصار کے ساتھ پہلے اسلام کے مقصدِ حیات کو متعین کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسلام کی نظر میں ایک انسان کا مقصدِ حیات بالکل واضح ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، یہی اس کا اصل وظیفۂ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس غرض سے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (۶۸)

۲۔ انسان کو ہر ہر قدم اور ہر ہر گام پر یہ یقین رکھنا ہوگا کہ ہر طرح کی ترقی اور ہر نوعیت کی عمدہ صلاحیتوں کے باوجود اصل اقتدار اللہ ہی کا ہے۔ فرمایا:

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ ہر چیز پر اقتدار رکھتا ہے۔ (۶۹)

۳۔ اسی طرح ہر طرح کا اختیار اور حکم اللہ ہی کا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ۭ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا إِلَّآ إِيَّاهُ ۭ

اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (۷۰)

---

(۶۷) موسیٰ خان جلالزئی/ تاریخ و فلسفہ تعلیم و تربیت/ مجید بک ڈپو، لاہور، ۹۲ء/ ص ۳۱

(۶۸) ذاریات: ۵۶ (۶۹) الکہف: ۴۵ (۷۰) یوسف: ۴۰

Marfat.com

نیز فرمایا:

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

آ گاہ ہو جاؤ کہ بس اسی کا حکم ہے، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔(۷۱)

۴۔ انسانوں کو حکم ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مکمل پیروی کریں، انہیں اپنی خواہشات پر چلنے کی اجازت نہیں، فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔(۷۲)

۵۔ ایمان والوں کو چاہئے کہ دین کا نفاذ کریں۔ حکم ہے:

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

دین کو قائم کرو، اور اس میں متفرق نہ ہونا۔(۷۳)

۶۔ ہر معاملے میں عدل سے کام لینے اور اپنی خواہشات کو پس پشت ڈالنے کی تاکید ہے۔

داؤد علیہ السلام کو حکم ہوا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تم لوگوں کے مابین حق کے ساتھ حکومت کرو، اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا، کہ وہ تمہیں راہ خدا سے بھٹکا دے گی۔(۷۴)

۷۔ ہر معاملے میں تقویٰ کو اولیت ہے۔ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

---

(۷۱) الانعام:۶۲ (۷۲) البقرہ:۲۰۸ (۷۳) الشوریٰ:۱۳ (۷۴) ص:۲۶

Marfat.com

اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسے کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔(۷۵)

۸۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکی اطاعت ہی ہر چیز پر مقدم ہے۔فرمانِ حق ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کی نافرمانی سے بچے گا، سو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔(۷۶)

۹۔خدا کی نظر میں کامیاب صرف وہی ہے جو اس کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

سو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ان پر نہ خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔(۷۷)

۱۰۔یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اور اس کے مالک اس کے نیک بندے ہیں:

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

بلاشبہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں۔(۷۸)

۱۱۔اس زمین پر اقتدار کا حقدار وہ ہے جو اقامت دین کا فریضہ انجام دے، فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، اور نیکیوں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے منع کریں گے، اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔(۷۹)

اسلام کے اس مقصدِ حیات کو سامنے رکھتے ہوئے ہی ہمیں اسلام کے مقاصد تعلیم کو واضح

(۷۵)آل عمران:۱۰۲ (۷۶)النور:۵۶ (۷۷)البقرہ ۳۸ (۷۸)الانبیا:۱۰۵ (۷۹)الحج:۴۱

Marfat.com

طور پر متعین کرنا ہوگا۔

مقاصدِ تعلیم

اسلام کی نظر میں مقاصد تعلیم نہایت واضح ہیں، وہ انسان کو فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ انسان کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ اس کائنات کے لئے ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو، اور اس کو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کے مواقع مل سکیں۔ ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت مقاصد تعلیم پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

معرفت و ہدایت الٰہی

اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان کو معرفت الٰہی حاصل ہو، تاکہ اسے ہدایت الٰہی نصیب ہو اور وہ دونوں جہانوں کی بھلائیاں سمیٹ سکے، لہٰذا انصابِ تعلیم و نظامِ تعلیم کی تشکیل میں اس نکتے کو سامنے رکھنا ہوگا، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾

رحمٰن کے بارے میں اہل علم سے سوال کرو۔ (۸۰)

ہدایت یافتہ لوگ قرآن کریم کی نظر میں کون ہیں؟ فرمایا:

فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾

پس آپ خوشخبری سنا دیں میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں، پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور یہی لوگ عقل والے ہیں۔ (۸۱)

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

افضل ترین علم اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی نفع دے جاتا ہے، مگر جہالت کے ساتھ زیادہ عمل بھی فائدہ نہیں دے

---

(۸۰) الفرقان: ۵۹ (۸۱) الزمر: ۱۷، ۱۸

Marfat.com

سکتا۔(۸۲)

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت

تعلیمی مقاصد میں سے سرِ فہرست یہ ہے کہ ہماری تعلیم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کرے، اور ہمیں اس جانب راغب کرے، کیونکہ ایک مسلمان کی پوری زندگی کا محور یہی ہے اور اسی میں اصلی، دائمی و حقیقی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۷۱﴾

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، سو وہی عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوا۔(۸۳)

قرآن و سنت کی صحیح فہم

ہماری تعلیم کا بنیادی مقصد قرآن و سنت یعنی دین کی صحیح فہم اور سمجھ ہونا چاہئے، کیونکہ یہی مطلوب ہے، اور اسی پر انسانی زندگی اور دونوں جہانوں کی کامیابی کا مدار ہے۔ فرمانِ نبوت ہے:

اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔(۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اس عبادت میں کوئی خوبی نہیں جو علم کے بغیر ہو، اور اس عمل میں کوئی خوبی نہیں جس میں فہم (سمجھ بوجھ) نہ ہو، اور اس قرأت میں کوئی خوبی نہیں جو غور وفکر سے خالی ہو۔(۸۵)

اس لئے ہمارے نصاب کو اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کرنی چاہئے۔

---

(۸۲) کنز العمال/ رقم ۲۸۹۴۰ (۸۳) الاحزاب: ۷۱

(۸۴) مسلم، ابوالحسن بن حجاج/ الصحیح / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۸۰ء/ ج ۲ ص ۱۰۵، رقم ۱۰۰ (۱۰۳۷)

☆ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم/ الصحیح / کتاب العلم، باب ۱۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۱، حدیث ۲

(۸۵) دارمی/ ص ۱۰۱/ رقم ۲۹۷

Marfat.com

تکمیل حیات و تعمیر کردار

اسلام تکمیلِ حیات اور تعمیر سیرت و کردار پر بہت زور دیتا ہے، اس لئے اس کی خواہش ہے کہ تعلیمی نظام بھی اس ضرورت کو احسن طریقے سے پورا کرے، اور تعلیمی اداروں سے باہر آنے والی نسل بھی ایسی ہو جس کا کردار خود غلط کارروں کی درستگی و ہدایت کا سبب بنے، نہ یہ کہ ان کے لئے الگ سے (حصول تعلیم کے بعد) تعلیم و تربیت کے حوالے سے محنت کی ضرورت پڑے۔ اسی طرح اسلام زندگی کے لوازم اور مسرتوں کو ترک کرنے کا نام نہیں، وہ تو ان کی تکمیل کا داعی ہے، اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ انسان زندگی کی کشاکش کے درمیان مکمل حق و انصاف کے ساتھ زندگی گزارے۔(۸۶)

چنانچہ تربیت و تعمیر اخلاق و کردار کی ضرورت بیان کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

> تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہئے کہ نوجوان ذہن کے علم کی پیاس بجھا دے، بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہئے۔(۸۷)

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ کردار کے بنیادی رجحانات کی اساس زندگی کے ابتدائی دور ہی میں پڑ جاتی ہے، اس دور میں تعلیمی ادارے ایک انسان کے کردار کی تعمیر میں اہم حصہ ادا کرسکتے ہیں، اس لئے یہ کام تعلیم کا ہے کہ وہ انسانی کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے(۸۸) اور طالب علم کو تکمیلِ حیات کا درس دے۔

علوم کا سرچشمہ

اسلامی تعلیم کا ایک بنیادی و اساسی تصور یہ ہونا چاہئے کہ تمام علوم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، علم الاشیاء بھی اسی کا عنایت کردہ ہے، اور علم الھدایۃ بھی اسی کی جانب سے ہے۔ سو ہر معاملے میں اسی کی ذات کی جانب ہمیں دیکھنا ہوگا، اور ہر مسئلے میں اس کی طرف ہمیں نگاہ کرنی

---

(۸۶) البقرہ: ۲۰۸ (۸۷) احیا علوم الدین/ ج ۱/ کتاب العلم

(۸۸) پروفیسر خورشید احمد/ اسلام کا نظریہ تعلیم/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۹۱ء/ ص ۲۲

Marfat.com

ہوگی، اسی سے راہنمائی لینی ہوگی، اور اسی کے احکامات پر پوری زندگی چلنا ہوگا۔ علم کا تعلق صرف لوازمِ حیات ہی سے نہیں، مقاصدِ حیات سے بھی ہے، بلکہ اول الذکر آخر الذکر کے تابع ہے، اسی کو فوقیت ہے، یہی وہ اسلامی مزاج ہے، جس پر عمل پیرا ہوکر کامیابی کی راہیں فراخ ہوسکتی ہیں۔

معاشرتی تقاضوں کا فہم

اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کو بھرپور انداز میں رواں دواں وسرگرم دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے ہمارا نظامِ تعلیم نوجوانوں کو مطالباتِ زندگی کی تکمیل کے لئے تیار کرے، انہیں معاشرے کی گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کے لائق بنائے، اور انہیں ان کے مذہبی، تہذیبی، معاشی ومعاشرتی فرائض سمجھائے، اور ان کے حقوق سے آگاہ کرے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت کا تصور نہیں، اس کا دعویٰ ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ O (۸۹) نہ وہ ترکِ دنیا کا درس دیتا ہے، وہ تو دنیا وآخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ (۹۰)

ضروریاتِ زندگی

ہر انسانی معاشرے کو بہت سی اقتصادی، سماجی، معاشی، سائنسی اور فنی ضروریات پیش آتی ہیں، اسلام ہر انسانی ضرورت کو پورا کرنا چاہتا ہے، وہ کسی انسانی ضرورت کی نفی نہیں کرتا، صرف راہِ اعتدال اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، بلکہ ہر وہ علم وفن جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو، اسلام کی نظر میں اس کا حصول فرض کفایہ ہے، یعنی ایک گروہ ہمہ وقت ایسا تعلیم وتربیت یافتہ موجود رہنا چاہئے جو اس انسانی ضروریات کی تکمیل کرے، اس فہرست میں تمام وہ علوم وفنون شامل ہیں، جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو۔ (۹۱) اس لئے ہمارے تعلیمی نظام کو ان ضروریاتِ زندگی کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے، بلکہ تعلیمی نظام کو ان لوازمِ حیات کی تکمیل کے لئے مثبت محور پر کام کرنا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مقاصد سے ہم آہنگ نظامِ تعلیم ہی اسلامی مقاصد کا ترجمان ہوگا، اور وہی نظام اولادِ آدم کے لئے رحمت ثابت ہوگا۔ اس لئے سائنس وانفارمیشن ٹیکنالوجی،

(۸۹) عجلونی/کشف الخفا/دالتراث الاسلامی بیروت/ج ۲ص ۵۲۸ (۹۰) البقرہ:۲۰۱

(۹۱) احیاء علوم الدین/ج ا ص ۲۳

Marfat.com

معاشیات وسیاسیاست اور بین الاقوامی معاملات سمیت تمام اہم اور ضروری علوم وفنون کا حصول بلکہ ان میں کامل مہارت کا پیدا کرنا مقصود ہے، اور اس وقت تک فرضِ کفایہ ہے، جب تک مسلمان ان علوم میں اعلیٰ مہارتوں کے ساتھ خود کفالت حاصل نہیں کر لیتے۔

مقاصدِ تعلیم مشاہیر وماہرین تعلیم کی نظر میں

مقاصد تعلیم کے حوالے سے اسلام کا نقطہ نظر واضح کرنے کے بعد مزید توضیح کے لئے ہم ذیل میں مقاصدِ تعلیم، نصاب کی ضرورت، اساتذہ کے معیار، نظامِ تعلیم اور نظریۂ تعلیم کے سلسلے میں مسلم مشاہیر، مفکرین وماہرین تعلیم کی آرا کا انتخاب پیش کرتے ہیں۔

ا۔امام غزالیؒ

دینی اور شرعی تعلیم نصاب کا لازمی حصہ ہیں، اس طرح کہ مذہب کے عام اصول سے بحث کی جائے، تاکہ طالب علم کے دماغ میں مذہب کے وہی اصول ذہن نشین ہوں، جن کا تعلق ایمان، عبادات، اعمال اور اخلاق سے ہے، جن کے بغیر بااصول زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ (۹۲)

۲۔ابن خلدون

درس قرآن ہر مسلم بچے کی تعلیم کا ایک ضروری جز ہے۔ پہلے بچے کو عربی پڑھائی جائے، اس کے بعد ریاضی وہندسے کی مشق کرائی جائے، پھر قرآن کی تعلیم دی جائے۔ (۹۳)

۳۔مولانا اعزاز علیؒ

بنیادی چیز یہ ہے کہ خورد کا یا تلمیذ کا تعلق استاذ سے قوی ہو، اس میں ادب بھی ہو، تعظیم بھی ہو، اعتمادِ کامل بھی ہو، اس میں جتنی کمی پڑے گی، استعداد میں اتنی ہی کمی پڑے گی۔ (۹۴)

---

(۹۲) پروفیسر ضیاء الدین احمد/ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، ۹۵ء/ص ۸۴، بہ اختصار

(۹۳) ایضاً/ص ۹۷

(۹۴) ماہنامہ البلاغ، کراچی مدیر اعلیٰ، مفتی محمد تقی عثمانی/ بابت جمادی الاخرۃ، ۱۴۱۵ھ/ص ۱۸ تا ۲۴

Marfat.com

۴۔مولانا سلیم اللہ خاں

معاشرے میں اثر رکھنے والی قوتوں میں اہم قوت تعلیم و تربیت ہے، لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نظریاتی مملکت پاکستان میں وہی غلامانہ ذہنیت والا نظامِ تعلیم و تربیت جاری ہے، اور نہ صرف جاری ہے، بلکہ اس کی دامے درمے سخنے حوصلہ افزائی کی جارہی ہے، اس کے برعکس وہ نظامِ تعلیم جس نے پچھلے تاریک دور میں بھی امت مسلمہ کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا تھا، اور جو آج بھی ایک کٹر نظریاتی مسلمان پیدا کرنے میں سو فیصد کامیاب ہے، چاروں طرف سے طنز، طعنہ، تنقید اور نفرت کا نشانہ بن رہا ہے۔(۹۵)

۵۔قائد اعظم محمد علی جناحؒ

ہم نے اپنے ذمے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا کام لیا ہے کہ ہم انہیں پستی اور سرنگوں حالت سے نکالیں اور سربلند کریں، یہ کام صرف الفاظ اور نعروں سے نہ ہوگا۔ ہمارے سامنے تشکیل و تعمیر کا کام ہے۔(۹۶) آپ کو اپنے ذاتی اور انفرادی مفادات کو ہمارے ان الفاظ کے آگے قربان کر دینا چاہئے، ہمارے الفاظ یہ ہیں، ایمان، اتحاد اور تنظیم (۹۷) اپنی تعلیم و تربیت اس طرح کریں کہ جب آپ پر ذمے داری آئے تو زندگی کے حوادث کا دلیری، حوصلے اور جرأت و اعتماد کے ساتھ مقابلہ کرسکیں۔(۹۸)

۶۔علامہ یوسف قرضاوی

ہم نے اسلامی علوم میں موضوع کے لحاظ سے بڑی عمدہ کتابیں لکھیں، تاہم ان کتابوں کو ایسا استاد میسر نہیں آیا، جو انہیں تروتازگی کے ساتھ زندہ و جاوید طلبا تک پہنچا سکے۔ بلکہ ہمیں تو ایسے مردہ دل اساتذہ ملے جنہوں نے زندہ موضوعات کو مردہ بنادیا، اور جمود سے اس کی حرارت پر ایسی

---

(۹۵) سہ ماہی وفاق، ملتان/ مدیر ابن الحسن عباسی/ شمارہ ۲، بابت شوال، ۱۴۲۱ھ/ص ۵

(۹۶) پیغام، سرحد مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے نام، ۱۲/جون ۱۹۴۵ء/ ماہنامہ افکارِ معلم، لاہور، مدیر ظفر حجازی/ اگست ۹۷ء/ص ۲۴ (۹۷) ایضاً، ڈھاکہ یونیورسٹی طلبا کے نام، جنوری ۱۹۴۲ء/ ایضاً/ص ۲۳

(۹۸) مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے نام، مئی ۱۹۴۵ء/ ایضاً/ص ۲۳

Marfat.com

افسردگی طاری کر دی جس نے بھڑکتی ہوئی چنگاریوں کو خاکستر بنا دیا۔(۹۹)

۷۔نواب محسن الملک سیّدمہدی علی خاں

ہمارا یہ ہرگز مقصد نہیں ہے کہ ہم انگریزوں کی کورانہ تقلید کریں، اپنے بچوں کو صرف وہ تعلیم دلائیں جو فقط دنیا کے لئے مفید ہو، اور جس سے وہ صرف گورنمنٹ کی ملازمت کے لائق ہو جائیں بلکہ ہمارا مقصد اس سے ارفع واعلیٰ ہے ہم اس قسم کی تعلیم کو ہرگز تعلیم بھی نہیں کہتے۔ ہمارے نزدیک تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے صرف چند پیشوں کے کام کرنے کی لیاقت حاصل ہو۔ بلکہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ تمام قوتیں جو خدا نے انسان میں رکھی ہیں وہ نمو پائیں اور نہ صرف ان ہی قوتوں کو نمو دیا جائے جو ہماری جسمانی آسائش کے کام آئیں بلکہ روحانی قوتوں کا کام میں لانا اور دماغ کو غذا پہنچانا تعلیم کا اصلی مقصود ہے۔(۱۰۰)

۸۔جسٹس سیّدامیرعلی

تعلیم ایک ذریعہ ہونا چاہئے، تہذیب نفس اور تزکیۂ اخلاق کا۔ تربیت تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے۔ بغیر تربیت کے تعلیم غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہوتی ہے۔ مغرب میں تعلیم وتربیت دوش بدوش چلتی ہیں میرے نزدیک کوئی تعلیم مکمل یا جامع نہیں کہلائی جاسکتی جس کا مقصد کیریکٹر کی اصلاح ودرستی نہ ہو، لیکن کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس سلسلۂ تعلیم میں جو اس ملک میں مروج ہے کیرکٹر کی اصلاح، اخلاقی قویٰ کی تربیت اور نفس کی تہذیب ملحوظ رکھی جاتی ہے۔(۱۰۱)

۹۔جسٹس سرشاہ سلیمان

مسلمانوں کی تعلیم کا مقصود دنیاوی ہونے سے زیادہ تر روحانی تھا۔ اس کی غرض یہ نہ تھی کہ لوگوں کو حرف شناس بنائے بلکہ اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ وہ ایسے صحیح مسلمان تیار کرے جن پر اسلامی روحانیت کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہو۔ اس کے نصاب کا نمایاں اور غالب جزو دینیات تھا۔ اس کے مطالعہ کی غرض یہ تھی کہ طلبا کو بتلایا جائے کہ انسان اور خدا کے متعلق جو ان کے فرائض ہیں

(۹۹) یوسف قرضاوی/ قیمۃ الامۃ الاسلامیہ بین الامم/ ص ۴۷ (۱۰۰) محمد حسین خان زبیری/ مشاہیر کے تعلیمی نظریئے/ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی/ ص ۵۶ (۱۰۱) ایضاً/ ص ۵۸، ۵۹

Marfat.com

وہ کیونکر ادا کیے جائیں، ''عرفان حق'' و ''خدمت خلق'' اس کا اساسی اور بنیادی تخیل تھا۔ (۱۰۲)

۱۰۔مولوی فضل الحق

ہندوستان میں ہمارا تعلیمی مقصود یہ تھا کہ طالب علم کے قوائے ظاہری و باطنی کو مرتب و منظم کر کے اس کے اخلاق و عادات میں شگفتگی و رفتگی اور نظم پیدا کیا جائے اور اسے انسان کامل بننے کی راہ پر لگا دیا جائے، ایسا انسان جو صفات صوری اور کمالات معنوی میں ارتقا حاصل کر کے فلاح دنیوی اور نجات اخروی کا مستوجب اور دوسروں کے لئے موجب رحمت و سعادت ہو۔ اس تمام خاکے کا مرکز مذہب ہے۔ (۱۰۳)

۱۱۔سر ابراهیم رحمت الله

تعلیم کا آخری مطمحِ نظر علم بغرض علم ہونا چاہئے۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ان ہی معنوں میں حصول تعلیم کی تلقین کی ہے، جب کہ انہوں نے فرمایا کہ علم حاصل کرو، کیونکہ جو علم حاصل کرتا ہے خدا کے راستے میں نیک کام کرتا ہے۔ جو علم کا ذکر کرتا ہے، خدا کی تعریف کرتا ہے۔ جو علم تلاش کرتا ہے، خدا کی پرستش کرتا ہے۔ جو علم سکھاتا ہے، خیرات بانٹتا ہے۔ اور جو ایسے لوگوں کو علم سکھاتا ہے، جو اس کے اہل ہیں، وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ علم حق و باطن میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ وہ ہم کو بہشت کا راستہ دکھاتا ہے۔ (۱۰۴)

۱۲۔نواب زادہ لیاقت علی خاں

ہماری دینی تعلیم ہو یا دنیاوی تعلیم ہو، ایسی ہو کہ زندگی اور زندگی کے ہر شعبے کے متعلق وسیع معنی میں وہ نقطہ نظر پیدا کر دے، جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا تھا، ان میں عالم کم تھے مگر ہر ایک مکمل مسلمان تھا، ماہر سیاست، جنرل، تاجر، مزدور، میاں، بی بی، ماں باپ اور اولاد ہر منصب کے فرائض وہ مسلمان کی حیثیت اور اسلامی نقطہ نظر سے انجام دیتے تھے، زندگی میں یہ جامعیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱۰۵)

---

(۱۰۲) ایضاً/ص ۷۲ (۱۰۳) ایضاً/ص ۷۵، ۷۶ (۱۰۴) ایضاً/ص ۷۶ (۱۰۵) سید مصطفیٰ علی بریلوی/شہید ملت لیاقت علی خان/آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۲۰۰۱ء/ص ۶۵

Marfat.com

۱۳۔ پروفیسر سید محمد سلیمؒ

تعلیم برائے عظمت رب تعالیٰ کا نظریہ وہ قوی محرک ہے، جو نوعِ انسانی کو بحیثیت کل، صرف طبقات یا گروہوں کو نہیں، شرف انسانیت سے ہم کنار ہونے کے لئے متحرک رکھتا ہے، ان کو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ کردار کا حامل بناتا ہے، اخلاق حسنہ پر عامل بناتا ہے، ایسے لوگ حصول علم کے بعد خدا ترس، بہی خواہ و ہمدرد ہوتے ہیں، یہ واحد نظریہ ہے، جو علم کی قوت حاصل ہو جانے کے بعد انسان کو اور اقوام کو خود غرضی سے اور قوموں کو کچلنے سے باز رکھتا ہے، اس نظریے کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے انسانوں کو دی ہے، یہ انسانوں کا ساختہ پرداختہ نہیں ہے، اس میں نوع انسانی کی فلاح وخیر ہے۔ (۱۰۶)

۱۴۔ علامہ سید عبداللہ یوسف علی

تعلیم کا ذکر بطور ایک غیر محسوس شے کے کرنا غلطی ہے، اس کی بنیاد ہمیشہ زندگی کے محسوس واقعات پر ہونی چاہئے اور یہی اصل تعلیم کا معیار ہے۔ تعلیم میں ہر طرح کے دماغی اور تمدنی تغیرات وتبدلات کا لحاظ ہونا چاہئے، انسانی دماغ میں جو جو خیالات ہوتے ہیں ان سب کو اس طریقہ پر ڈھالنا چاہئے کہ وہ بہترین تمدنی خوبیوں کا ذریعہ بن سکیں۔ (۱۰۷)

۱۵۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں

یہ قطعاً ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اندر قومی تعلیم کے نظام کا اہم ترین مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ۱۔ مجموعی طور پر اہل ملک کی روحانی، ذہنی اخلاقی اور جسمانی سطح بلند ہو۔ ۲۔ علم اور حکمت وفنون کی کنجی ان کے حوالے کی جائے جو قدرت پر انسان کی حکومت کو وسیع کرنے کے لئے ضروری ہے تاکہ قومی قوت وتحفظ کو استحکام ہو اور اس کرہ پر اپنے بہرہ وقسمت سے حظ وافی حاصل کر سکیں۔ ۳۔ مختلف فرقوں کے اندر رشتہ اتحاد قائم و مستحکم ہو اور ان میں ایک مشترک حب قوم وحب وطن کی روح پھونکی جائے۔ (۱۰۸)

---

(۱۰۶) پروفیسر سید محمد سلیم/ تعلیمی انحطاط کے اسباب/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۸۹ء/ ص ۱۷

(۱۰۷) مشاہیر کے تعلیمی نظریے/ ص ۶۴ (۱۰۸) ایضاً/ ص ۱۷

Marfat.com

۱۶۔مفتی محمد تقی عثمانی

محض ایک گھنٹے میں اسلامیات کے چند مبہم اسباق پڑھا دینے سے قیامت تک وہ قوم پیدا نہیں ہوسکتی جو ایک آزاد اسلامی ریاست کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرسکے، بلکہ اس کے لئے اپنی تعلیم کے پورے نظام و نصاب میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے، ایسی انقلابی تبدیلیوں کی جو ہمارے نظامِ تعلیم کو اس مہلک اور جان لیوا زہر سے پاک کرسکے جو لارڈ میکالے نے پوری قوم کو انگریزوں کا غلام بنانے کے لئے اس میں سمویا تھا۔(۱۰۹)

ان نظریات، خیالات اور آرا کا جائزہ لینے کے بعد یہ افسوس ناک حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم ان مقاصد کو پورا کرنے میں حددرجہ ناکام ثابت ہوا ہے، لہٰذا اسلامی مقاصدِ تعلیم کی روشنی میں اور ماہرینِ تعلیم کی آرا و تجاویز سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے نئے نظامِ تعلیم کا اجرا و نفاذ ناگزیر ہے، جو ہمارے ملی و قومی تقاضے کو بھی پورا کرے، اور ہماری دینی اور مذہبی، تہذیبی و ثقافتی روایات کا بھی نگہبان ہو۔

مقاصدِ تعلیم مغرب کی نظر میں

چونکہ ہمارے ہاں جو نظامِ تعلیم رائج ہے، وہ معمولی تراش خراش کے ساتھ بنیادی طور پر مغرب ہی کا عطیہ ہے، جن کی نہ رسوم و روایات ہم سے مطابقت رکھتی ہیں، نہ ان کے اور ہمارے مذہبی و اخلاقی اور تہذیبی و ثقافتی اعتقادات، خیالات و معاملات یکساں ہیں، بلکہ ان میں اس قدر تنافر، بُعد اور مغایرت ہے کہ ان میں یکسانیت اور اتفاق کی بنیاد تلاش کرنا بھی ناممکن ہے، ذیل میں چند مرکزی و نمایاں حیثیت کے حامل مغربی ماہرینِ تعلیم کے خیالات دیئے جارہے ہیں، جن کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے نظریۂ حیات و تصورِ تعلیم اور مغرب کے نظریۂ حیات و تصورِ تعلیم میں کس قدر فرق ہے؟

---

(۱۰۹) محمد تقی عثمانی/ ہمارا تعلیمی نظام/ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۱۵ھ/ ص ۴۵

Marfat.com

جان ملٹن John Milton

میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو بحالت جنگ و امن اپنی اجتماعی اور نجی زندگی کے فرائض، دیانت و مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔(۱۱۰)

جان ڈیوی John Dewey

تعلیم افراد و فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے۔(۱۱۱)

ڈاکٹر جو پارک Dr Joe Park

تعلیم رہنمائی یا مطالعے سے علم حاصل کرنے اور عادت اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے(۱۱۲)

فکٹے Fichte

تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ شہریوں کو تعلیم کے ذریعے ایسے طریقے پر ڈھال دیا جائے کہ وہ ریاست کی بلاچون و چرا اطاعت کریں۔(۱۱۳)

فریڈرک ہربارٹ Fredric Herbart

علم صرف دو ہیں، علم فطرت یعنی سائنس اور علم انسان یعنی معاشرتی علوم۔(۱۱۴)

پستالوزی Pestalozzi

تعلیم جملہ انسانی صلاحیتوں کے فطری مرحلہ وار اور ہم آہنگ و متناسب ارتقا کا نام ہے(۱۱۵)

---

(۱۱۰)John Milton/ A reopagition and other prose works P.49 of Education/ London 1960. P.81

(۱۱۱)John Dewey / Democracy of Education/ London 1960. P.81

(۱۱۲) Dr. Joe Park/ Introdudion- sclected reaclings in philosophy of education 1958. P.3

(۱۱۳)۔ پروفیسر سید محمد سلیمؒ/ مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۸۱ء/ص ۱۳۵۔

(۱۱۴)۔ایضاً (۱۱۵)۔ پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ/ فلسفہ اور تاریخ التعلیم/ لاہور، ۸۶ء/ص ۱۴۶، ۱۴۸

Marfat.com

روسو Rousseau

فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ بچے بچے ہی رہیں، قبل اس کے کہ وہ پورے پختہ فکر انسان بنیں۔(۱۱۶)

ان چند اقوال کی روشنی میں یہ بات دیکھی اور پرکھی جاسکتی ہے کہ اگر انسان کا رشتہ وحی الٰہی سے کاٹ کر اسے فکری طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے تو ان سے کس کس نوعیت کی علمی وفکری لغزشیں ہوتی ہیں۔ مقاصد تعلیم کی بحث سمیٹتے ہوئے ہم اسلامی اور مغربی فکر کا تقابل معروف ماہر تعلیم پروفیسر سید محمد سلیمؒ کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

اسلامی ومغربی افکار کا تقابل

سارا مغربی نظام افکار وتصورات خواہ فلسفہ ہو، علوم عمرانی ہو، سائنس ہو، یا ادب ہو، سب کے اندر خدا ناشناسی بلکہ خدا بیزاری کا جذبہ جاری وساری ہے۔ ان تصورات کے تحت مغربی ذہن کی تشکیل لادینی خطوط پر کی گئی ہے۔ اس وجہ سے اہل مغرب کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر لادینیت اور مادہ پرستی کی چھاپ بہت گہری ہے۔ مذہب اور اخلاق کو غیر ضروری قرار دے کر انہوں نے ردّ کر دیا ہے، جسمانی خواہشات کو حقیقت پسندی کا نام دے کر انہوں نے قبول کر لیا ہے۔ ان کی زندگی کا محور اور دائرہ کار حیوانی زندگی کی تسکین ہے۔ دین اسلام اللہ تعالیٰ کو ہی اصل حقیقت قرار دیتا ہے۔ یہ ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے وہ اس کا واحد مالک اور فرمانروا ہے۔ دنیا کا یہ عظیم کارخانہ منصوبہ خداوندی کے تحت چل رہا ہے۔ اس کے علم اور اذن کے بغیر یہاں ایک پتہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔ جب یہ عظیم منصوبہ تکمیل پذیر ہو جائے گا تب اللہ تعالیٰ اس کا جائزہ لے گا اور اس میں شامل کرداروں کی کامیابی یا ناکامی کا اعلان کرے گا۔ بلاشبہ اسلام نفس کشی، رہبانیت اور ترک دنیا کا شدید مخالف ہے، لیکن وہ اسی طرح مادہ پرستی اور خواہشات پرستی کا بھی مخالف ہے۔ اس کی نگاہ اخروی اور آفاقی ہے، مادہ پرستی اور خواہشات کا بندہ بننے سے اس کی نگاہ بہت ارفع واعلیٰ ہے۔(۱۱۷)

---

(۱۱۶) ایضاً (۱۱۷) پروفیسر سید محمد سلیمؒ/ اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات وافکار/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۸۹ء/ص ۳۸ تعلیم اور نجی شعبہ/ مضمون: پروفیسر سید محمد سلیم/ تعلیم فی سبیل اللہ کا احیا/ ص ۸۸

Marfat.com

اسلامی نظامِ تعلیم کے بنیادی خدوخال

اسلامی نظامِ تعلیم ایک ہمہ جہت تعمیری و انقلابی تعلیم کا خواہاں ہے، ایسی انقلابی تعلیم کا جس کے جلو میں سیاسی ہنگامہ خیزی اور فکری آزادروی پروان چڑھتی، بلکہ جو ہمہ نوع و ہمہ جہت مثبت وتعمیری تبدیلیوں کا سبب وذریعہ بنتی ہے، اس کے بنیادی خدوخال پیش کرنا خود ایک طویل مقالے کا موضوع ہے، ذیل میں اختصار کے ساتھ اس کے چند اہم نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

لازمی وجبری تعلیم

اسلام میں تعلیم لازمی ہے، تعلیم کی ہمہ جہت اہمیت کے پیش نظر اختیاری تعلیم کا اسلام کے ہاں کوئی تصور نہیں، تعلیم ہر ایک کے لئے ہے اور لازمی ہے، خواندگی ایسی چیز نہیں ہے جسے عوام کی مرضی پر چھوڑا جاسکے، کیونکہ ناخواندہ افراد تو علم رکھتے ہی نہیں، ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ سب علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے، یہ فریضہ تو حکومت کا ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت اجاگر کرے اور انہیں حصول علم پر آمادہ کرے، خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں ناخواندہ افراد قطعاً قابل قبول نہیں ہوسکتے۔ (۱۱۸) اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "علم کا حصول ہر ایک پر فرض ہے۔ (۱۱۹)

آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ہر نومسلم پر مختلف علوم کا جاننا ضروری تھا، جس کے لئے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے، (۱۲۰) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاص طور پر

---

(۱۱۸) سید عزیز الرحمٰن/ استحکام پاکستان، سیرت طیبہ کی روشنی میں/ زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۷ء/ص ۲۴ (۱۱۹) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم، ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۳۵

(۱۲۰) اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری/ خیر القرون کی درس گاہیں/ ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰ء ☆ محمد یاسین شیخ / عہد نبوی ﷺ کا تعلیمی نظام/ غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی، ۸۹ء ☆ پروفیسر رب نواز/ آنحضور ﷺ کی تعلیمی جدوجہد/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۲۰۰۱ء ☆ مولانا محمد عبدالمعبود/ عہدِ نبوی ﷺ میں نظامِ تعلیم/ مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ☆ پروفیسر سید محمد سلیم/ اسلام کا نظامِ تعلیم/ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۹۳ء

Marfat.com

خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی جبری تعلیم کا نظام قائم کیا تھا، اور اس کے لئے گشتی ٹیمیں مقرر کی تھیں۔ (۱۲۱) نیز انہی کے عہد میں ایسے گشتی تعلیمی دستے بھی مقرر تھے کئے گئے تھے، جو لوگوں کی تعلیمی صلاحیت کا جائزہ لیتے تھے، اور ضرورت کے مطابق ایسے افراد کو اساتذہ کے سپرد کرتے تھے۔ (۱۲۲)

مفت تعلیم

اسلام مفت تعلیم کا قائل ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں تعلیم مفت تھی، آپ نے ہر مسلمان عالم پر یہ ذمے داری عائد کی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے۔ (۱۲۳) اس لئے کتمانِ علم پر شدید وعید بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

جس سے علم کے متعلق کوئی سوال ہوا اور اس نے اسے چھپایا تو اللہ تعالیٰ
اسے روز قیامت آگ کی لگام پہنائے گا۔ (۱۲۴)

بعد کے دور میں بھی تعلیم مفت رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لئے مختلف مکاتب قائم کئے، جن کے معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں، اس دور میں سرکاری انتظام میں قرآنِ کریم کے علاوہ احادیث، سیرت و غزوات، فقہ، ادب عربی، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی تعلیم مفت ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلبا کے لئے وظائف کا بھی انتظام تھا۔ (۱۲۵)

حکومتی اہتمام کے علاوہ نجی طور پر اساتذہ بھی تنخواہ لینے سے گریز کرتے تھے اور عام طور پر

---

(۱۲۱) شبلی نعمانی / الفاروق / مکتبہ صدیقیہ، ملتان، ۱۹۵۲ء / ج ۲ / ص ۴۴۲ (۱۲۲) پروفیسر سید محمد سلیم / اسلام کا نظامِ تعلیم / ص ۸۶

(۱۲۳) احمد، ابو عبداللہ بن محمد بن حنبل الشیبانی / المسند دار احیا التراث العربی، بیروت، ۹۳ء / ج ۲ ص ۳۴۱، رقم ۶۵۰، ☆ ترمذی / ج ۴ ص ۳۰۵، رقم ۲۶۷۸، ☆ بخاری فی احادیث الانبیا، باب ماذکر عن بنی اسرائیل (۱۲۴) احمد / ج ۲ ص ۵۱۷ / رقم ۷۵۱۷ ☆ مجمع الزوائد / ج ا ص ۱۰۱، رقم ۷۴۱ ☆ طبرانی / معجم الکبیر / رقم ۱۱۳۱۰ (۱۲۵) الفاروق / ص ۴۴۲، ۴۵۰

Marfat.com

معاوضے قبول نہیں کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن ابی محمد اشعری کو گشتی معلم مقرر کر کے ان کی تنخواہ مقرر کر دی، یزید نے تنخواہ قبول کر لی، حارث نے نہ لی، حضرت عمرؒ نے فرمایا کہ یزید نے جو کچھ کیا اس میں کوئی خرابی نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ حارثؒ جیسے افراد کثرت سے پیدا کرے۔(۱۲۶)

بچوں کی تعلیم

بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں، ان کی تعلیم کا انتظام کرنا درحقیقت خود اپنے مستقبل کو سنوارنا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

> تم علم حاصل کرو، اگر تم قوم میں سب سے چھوٹے ہو تو کل دوسرے لوگوں میں (علم کی وجہ سے) تم بزرگ بن جاؤ گے۔(۱۲۷)

اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کی بھی بڑی تلقین فرمائی ہے، نیز بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے، اسی لئے حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے:

> بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے نقش بر آب۔(۱۲۸)

آپ ﷺ نے والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی تلقین کی، آپ ﷺ نے فرمایا:

> کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔(۱۲۹)

اور ایک دوسری روایت میں فرمایا:

> آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے(۱۳۰)

---

(۱۲۶) مجلّہ تعلیم/ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد/ شمارہ ۷، پاکستان میں

(۱۲۷) ابن قتیبہ/ عیون الاخبار، بیروت/ ج ۲ ص ۱۲۳ (۱۲۸) ایضاً/ ص ۱۲۴ (۱۲۹) شعب الایمان/ ج ۲ ص ۲۵۶، ☆ ترمذی/ ج ۳ ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹ (۱۳۰) ترمذی ایضاً/ رقم ۱۹۵۸ء

Marfat.com

معذوروں کی تعلیم

اسلام کی نظر میں کسی قسم کی کمی یا کمزوری اس کے فرائض کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی، ہاں کسی پر بھی اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، تعلیم کے معاملے میں بھی اسلام کا یہ اختصاص و امتیاز ہے کہ اس نے جسمانی کمزوریوں کو حسن عمل و جہد مسلسل کی دولت سے چھپا دیا اور معذوروں سے وہ کارہائے نمایاں لئے کہ صحت مند افراد رشک کر اٹھے، اس کی سب سے اہم مثال حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہے، جنہیں یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ جیسی اسلامی ریاست کے لئے اپنا قائم مقام مقرر کیا، اور انہیں یہ شرف دس بار حاصل ہوا۔ (۱۳۱) جبکہ دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو یہ اعزاز نہ مل سکا، ایک نابینا صحابیؓ اور حضور اکرم ﷺ کی نیابت کا فریضہ، تعلیم و تربیت میں اعلیٰ مدارج طے کئے بغیر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ اسلام میں معذوروں کی قدر و منزلت کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر دور میں اور ہر فن میں بڑے بڑے جلیل القدر علما نابینا اور معذور گزرے ہیں۔ (۱۳۲)

آج بھی معذوروں اور کئی وجہ سے عام جسمانی صلاحیتوں کا شکار یا محروم افراد کی تعلیم کا خاص اہتمام ناگزیر ہے۔ تاکہ وہ تعلیم پاکر اور علم و فن سے بہرور ہوکر اپنا تعمیری کردار ادا کر سکیں، اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کا سبب بن سکیں۔

---

(۱۳۱)۔ یہ واقعات ذیل کے غزوات و اسفار میں آپ ﷺ کی مدینہ منورہ سے غیر موجودگی میں پیش آئے: ملاحظہ کیجئے، ابن سعد/ الطبقات الکبریٰ/ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۷۰/ ج ۲،

۱۔ غزوہ قرقرۃ الکدر/ ص ۲۳، ۲۔ غزوہ بنی سلیم/ ص ۲۷، ۳۔ غزوۂ احد/ ص ۲۹، ۴۔ غزوہ بنی نضیر/ ص ۴۲، ۵۔ غزوۂ احزاب/ ص ۵۱،

۶۔ غزوۂ بنی قریظہ/ ص ۵۷، ۷۔ غزوۂ بنی لحیان/ ص ۶۰، ۸۔ غزوۃ الغابہ/ ص ۶۲، ۹۔ صلح حدیبیہ/ ص ۷۳، ۱۰۔ فتح مکہ/ ص ۱۰۲، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ کو غزوۂ بدر میں صرف نمازوں کی امامت کے لئے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، دیکھئے، طبقات، ص ۸/ ج ۲،

(۱۳۲)۔ دیکھئے: مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی/ نابینا علما/ مجلس نشریات اسلام، کراچی،

Marfat.com

خواتین کی تعلیم

خواتین کے لئے ایسا انتظام ضروری ہے کہ جس کے تحت وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تعلیم خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی بہ سہولت حاصل کرسکیں، اوران کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، اور خواتین کی تعلیم کا سلسلہ خالص اسلامی ماحول میں اسلامی تعلیمات کی ادنیٰ مخالفت اوران سے معمولی روگردانی کے بغیر بھی جاری رہے۔آپ ﷺ نے انہی مقاصد کے پیش نظر خواتین کی تعلیم کے لئے علیحدہ دن اور علیحدہ مقام متعین فرمادیا تھا۔(۱۳۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس سلسلے کو مزید وسعت ہوئی اور خواتین کے باقاعدہ الگ مدرسے قائم ہوئے۔(۱۳۴) ان کے دور میں خواتین کی بھی جبری تعلیم رائج ہوگئی تھی۔(۱۳۵)

آج بھی اس سلسلے میں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، مختلف حلقوں کی جانب سے ہمارے ہاں خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کا مسئلہ اٹھتا رہتا ہے، یہ مطالبہ اپنی جگہ درست ہونے کے باوجود بھی نامکمل ہے، اس مطالبے کا اصل جواز اسلام میں مخلوط تعلیم کی ممانعت ہے، یہ امر اس کا متقاضی ہے کہ صرف جامعات کی سطح پر نہیں بلکہ پرائمری کے بعد ہر درجہ اور مرحلے میں طلبا کے ادارے الگ اور طالبات کے ادارے الگ ہونے چاہئیں، جن میں صرف طلبا و طالبات ہی الگ الگ نہ ہوں، اساتذہ بھی علی الترتیب مرد اور خواتین ہوں، اور یہ مطالبہ کوئی نئی چیز نہیں، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خانؒ نے ایک موقع پر اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

> ان واہی باتوں کو مسلمان سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ تعلیم ہو، آج تک مشترکہ تعلیم کا کوئی ایسا فائدہ کسی نے بیان نہیں کیا ہے، جو دلنشین ہو۔ممکن ہے کہ مسلمانوں میں بعض افراد ایسے ہوں جو مخلوط تعلیم کے مؤید ہوں مگر مسلمانوں کی ساری قوم اس کے خلاف ہے(۱۳۶)

---

(۱۳۳)۔ بخاری، کتاب العلم و کتاب الاعتصام بالسنۃ، باب تعلیم النبی ﷺ امتہ من الرجال والنسا

(۱۳۴) اسلام کا نظامِ تعلیم/ص ۹۰ (۱۳۵) ایضا

(۱۳۶) شہید ملت لیاقت علی خاں/ص ۶۳

Marfat.com

تعلیم بالغاں

تعلیم بالغاں کی اہمیت مسلم ہے، بڑی عمر کے بہت سے افراد محض اس سبب سے حصولِ علم سے رہ جاتے ہیں کہ بچپن میں کسی مجبوری، عدم توجہی یا عدم وسائل کے سبب وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اسلام تعلیم کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے صحابہ بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں جنہوں نے نہ صرف بڑی عمر میں تحصیل علم کیا بلکہ مرتبۂ کمال کو پہنچے، یہ سلسلہ بعد کے زمانے میں بھی جاری رہا، بلکہ قرآن کریم کو بڑی عمر میں حفظ کرنے کا سلسلہ تو آج بھی جاری ہے، اور یہ قرآن کریم کی برکت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

> تم لوگ سردار بنائے جانے سے قبل علم حاصل کرو، نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ نے تو بڑی عمر میں علم حاصل کیا ہے۔ (۱۳۷)

اس لئے ہمارے ہاں بھی تعلیم بالغاں کے حلقے قائم ہونے چاہئیں، جہاں بڑی عمر کے ناخواندہ افراد دینی معلومات اور دنیاوی ضروریات کا علم اپنی ضرورت کے مطابق بہ سہولت حاصل کر سکیں۔

غیر مسلموں کی تعلیم

ایک اسلامی ریاست میں اسلامی نظامِ تعلیم کی موجودگی میں کسی غیر مسلم کو یہ اندیشہ لامحالہ ہوسکتا ہے کہ اس کی تعلیمی ضروریات کا کون کفیل ہوگا؟ لیکن یہ اندیشہ بے جا ہے۔ ایک تعلیمی نظام کیا اسلامی ریاست کے تو تمام امور ہی اسلامی نظام کے تحت چلتے ہیں، مگر خود یہ نظام تمام غیر مسلموں کو ان کے مذہبی و تعلیمی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے، اور اس کی ضمانت خود آنحضرت ﷺ نے اپنے پہلے معاہدے میثاقِ مدینہ میں غیر مسلموں کو دی ہے۔ (۱۳۸) اس لئے اسلامی نظام میں ان کے حقوق اور تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھا جانا ضروری ہے۔

---

(۱۳۷) بخاری/ کتاب العلم

(۱۳۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ الوثائق السیاسیہ/ دار النفائس، بیروت، ۸۵، ص ۵۹

Marfat.com

تخصصات

عام تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم اور خاص موضوعات پر تخصصات (Specialization) کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ خود قرآن حکیم نے اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

سو کیوں نہ نکلیں ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ تاکہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔ (۱۳۹)

اس آیت میں تخصصین فی الفقہ کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ اور ایک مقام پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے لئے متخصصین کی تیاری کی تاکید ہے، فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے۔ (۱۴۰)

اور عہد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی آپ ﷺ کی زیر تربیت بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے مختلف مضامین میں تخصص و امتیاز حاصل کرلیا تھا، جن میں سے بعض خوش نصیب ایسے تھے جنہیں اس اختصاص کی سند خود زبانِ نبوت ﷺ سے ملی، مثال کے طور پر حضرت ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کو قرأت و تجوید میں اختصاص حاصل تھا، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

سب سے بڑے قاری ابیؓ بن کعب ہیں۔ (۱۴۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضات میں امتیاز حاصل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

(۱۳۹) التوبہ: ۱۲۲ (۱۴۰) آل عمران: ۱۰۴

(۱۴۱) شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد/ معرفۃ القراالکبار/ ج ا ص ۲۹

Marfat.com

ہمارے سب سے بڑے قاضی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے قاری ابی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱۴۲)

اسی طرح علوم قرآنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امتیاز کے حامل تھے، عکرمہؒ فرماتے ہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ علم قرآن رکھتے تھے۔(۱۴۳)

اور علم تفسیر و فقہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو شہرت ملی، خود آپ ﷺ نے یہ فرما کر انہیں سند عطا کی

تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔(۱۴۴)

علم الفرائض میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے، آپ ﷺ کا قول مبارک ہے

میری امت میں علم فرائض سب سے زیادہ زید بن ثابت جانتا ہے(۱۴۵)

اور حلال و حرام کے علم میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ درجۂ امتیاز کے حامل تھے، آپ ﷺ نے فرمایا

میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے۔(۱۴۶)

عصر حاضر میں بھی ہمیں ان خصوصیات کو زندہ رکھتے ہوئے آج کی ضرورت کے مطابق مختلف علوم و فنون کے ماہر تیار کرنا ہوں گے۔ خصوصاً غیر ملکی زبانوں کے ماہرین کی تیاری ہمارے لئے ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے

من تعلم لغة قوم امن شره

---

(۱۴۲) ابن حجر عسقلانی/ تہذیب التہذیب/ بیروت/ ج ۷ ص ۳۳۷ (۱۴۳) الصابونی، محمد علی/ التبیان فی علوم القرآن/ عالم الکتب، بیروت، ۸۵ء/ ص ۶۸ (۱۴۴) احمد/ ج ا ص ۶۲۶، رقم ۳۵۵۸
(۱۴۵) کنز العمال/ رقم ۳۳۳۰۴،
(۱۴۶)۔ ڈاکٹر احمد امین/ فجر الاسلام/ بیروت، دار الکتب العربی/ ج ۲ ص ۵۷

Marfat.com

جو شخص کسی قوم کی زبان سے واقف ہو جاتا ہے وہ ان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے،

اس بنا پر ہمارے لئے دفاعی اعتبار سے بھی ان زبانوں کا جانا ضروری ہے،

ذریعہ تعلیم

ایک اہم معاملہ ذریعہ تعلیم کا ہے، اور یہ بات طے ہے کہ ذریعہ تعلیم وہی زبان بن سکتی ہے، جس پر بچہ جلد عبور حاصل کر سکتا ہو، اس پر بھی صرف مضمون کا بوجھ پڑے، اور یہ اس کی مادری یا قومی زبان ہی ہو سکتی ہے، اور موجودہ دور کے ماہرین بھی اس پر متفق ہو رہے ہیں کہ سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ تدریس طالب علم کی اپنے مادری زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں ہو سکتی (۱۴۷) ہمارے ہاں یہ شرف اردو زبان کو حاصل ہے، ہم گزشتہ ۵۵ برسوں میں لاتعداد تجربے کر کے دیکھ چکے ہیں مگر بانی پاکستان قائد اعظم کے اعلان اور سپریم کورٹ کے فیصلے کے باوجود آج تک اردو کو ذریعہ تعلیم اور دفتری زبان قرار نہیں دیا جا سکا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر قوم و قبیلے سے اس کے مخصوص لب و لہجے میں گفتگو فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان مبارک ہے:

> مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی فہم و دانش کے مطابق گفتگو کیا کروں۔ (۱۴۸)

اور ظاہر ہے کہ اس میں زبان بھی شامل ہے کیوں کہ انسان اپنی مادری زبان پر جو عبور رکھتا ہے وہ کسی دوسری زبان پر نہیں رکھتا۔

کھیل:

انسانی صحت کے لئے کھیل ضروری ہیں اور تعلیم کے لیے صحت اہم ہے، اس لیے اسلام میں صحت کی بھی اہمیت ہے اور کھیلوں کی بھی اجازت دی گئی ہے، لیکن بقدرِ ضرورت، اہل عرب کا ایک مقولہ ہے:

---

(۱۴۷)۔ محمد یاسین شیخ / عہد نبوی کا نظامِ تعلیم / کراچی، غضنفر اکیڈمی، ۱۹۸۹ء/ص ۱۷۶

(۱۴۸)۔ شامی / سبل الہدی والرشاد / ج ۲ ص ۹۴

Marfat.com

اعط الوقت حقه من اللهو المباح بقدر مایعطی الطعام من الملح (۱۴۹)

جائز کھیلوں کو اتنا وقت دو جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے۔

اس حکمت بھرے قول میں اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ جیسا کہ کھانے کی لذت نمک پر منحصر ہے اس طرح زندگی میں کھیل بھی ضروری ہیں لیکن جس طرح نمک کی زیادتی اچھے خاصے عمدہ کھانے کے لطف اور مزے کو ختم کر دینے کے لیے کافی ہے، اسی طرح کھیل کا تناسب بھی زندگی میں قدرِ ضرورت سے بڑھنا نہیں چاہیے، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں کہ بچے کی تعلیم گاہ سے واپسی پر تھوڑے بہت کھیل کی اجازت ہونی چاہے، تا کہ وہ پڑھائی کی تھکاوٹ کو دور کر سکے، لیکن یہ کھیل اتنا نہ ہو کہ بچہ کھیل ہی کھیل میں تھک جائے۔ (۱۵۰)

ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم

ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم مختلف جہتیں رکھتا ہے، لیکن اس کے دو پہلو نمایاں ہیں،

۱۔ دینی تعلیم، ۲۔ عصری تعلیم۔ جن میں عصری علوم وفنون کے تمام ادارے شامل ہیں، ذیل میں ان کی خصوصیات ونقائص کا مختصر جائزہ لیا جا رہا ہے۔

دینی تعلیم

۱۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج بھی دینی مدارس میں اسلامیات کا جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے، یونیورسٹی میں ایم اے کی سطح پر پڑھایا جانے والا نصاب اس کا صرف ایک حصہ ہے۔

۲۔ دینی مدارس میں آج کے گئے گزرے دور میں بھی استاد وشاگرد کے باہمی تعلق و احترام کی روایت موجود ہے۔

۳۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکول وکالج کے مقابلے میں ان مدارس

(۱۴۹)۔ رب نواز/ آنحضرت ﷺ کی تعلیمی جدو جہد/ لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق ۲۰۰۱ء/ ص ۳۱

(۱۵۰)۔ امام غزالی/ احیاء علوم الدین/ ج ۱، ص ۱۲

Marfat.com

کے اخراجات بے حد کم ہیں، تناسب کے اعتبار سے ان کا خرچ دس فیصد بھی نہیں، جبکہ خواندگی میں اضافے کے ضمن میں ان کی خدمات مثالی ہیں، ایک سروے کے مطابق پاکستان میں دینی مدارس کی تعداد ۳ ہزار سے زائد ہے۔(۱۵۱) جن میں کئی لاکھ طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۴۔ وسائل کی عدم فراہمی کے سبب یہ مدارس جدید سہولتوں سے محروم ہیں، ان کے طلبا کو جدید وسیع لائبریری اور کمپیوٹر جیسی بنیادی سہولتیں حاصل نہیں۔

۵۔ دینی جامعات کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے دینی روایات و خصوصیات کو غیر اسلامی تہذیبی فکری روایات واثرات سے محفوظ رکھا ہے، اور اصلاح احوال کے لئے سرگرم ہیں۔

۶۔ ملک و بیرون ملک دینی ضرورتوں کو ایک حد تک پورا کر رہے ہیں۔

۷۔ نصاب میں چند تبدیلیاں ناگزیر ہیں، جو اس مقالے میں تجاویز کے ضمن میں درج ہیں، ان کی وجہ سے ان کی فعالیت متاثر ہو رہی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ دینی جامعات کے اکثر طلبا کا مطمح نظر روزگار نہیں ہے، تعلیم سے رضائے الٰہی و خدمت دین مقصود ہے، جو فی زمانہ مادیت پرستی کے اس طوفان میں اہم بات ہے۔

عصری تعلیم

۱۔ اساتذہ و طلبا دونوں میں بعد و فاصلہ بڑھ رہا ہے، جس کا اہم سبب اساتذہ کی قابلیت میں کمی اور ٹیوشن کی روایت ہے۔

۲۔ انگریزی کو وجہ فضیلت سمجھ لیا گیا ہے، جس کی وجہ سے نہ انگریزی صحیح طرح آپاتی ہے، نہ ہی علم پر قدرت ہوتی ہے۔

۳۔ بعض علوم و فنون میں کچھ اداروں نے اپنا وجود باہر کے ممالک میں بھی منوالیا ہے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

۴۔ بہت سے شعبوں میں پاکستانی ماہرین بیرونی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں

---

(۱۵۱) روزنامہ جنگ، کراچی/۲۳، اگست ۲۰۰۱ء

Marfat.com

۵۔ پرائیوٹ اسکول و کالج طبقاتی تقسیم پیدا کر رہے ہیں۔

۶۔ ابتدائی تعلیم سے میٹرک تک پرائیویٹ اسکولوں میں نصاب باہر کا درآمد شدہ ہے، جو ہماری مذہبی، تہذیبی و اخلاقی روایات سے یکسر مختلف ہے، بلکہ ان سے متضاد ہے، فکری اعتبار سے یہ ایک خطرناک صورتِ حال ہے۔

۷۔ مشنری تعلیمی اداروں میں ہمارے ہاں خوب داخلوں کا رجحان ہے، جس کا سبب ان کی انتظامی خصوصیات ہیں، مگر ان میں عیسائیت وغیرہ کی تعلیم ہو رہی ہے۔

۸۔ عربی و فارسی زبانوں سے بے توجہی ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ ہمارے زبان و ادب کا ایک بہت وقیع وسیع سرمایہ ان میں موجود ہے۔

۹۔ امتحانات کا نظام مکمل طور پر اصلاح طلب ہے، اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور معیار جانچنے میں بھی خطا کا امکان بہت ہے۔

ان امور کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صورتحال خوش کن نہیں ہے، اور ہمیں زیادہ توجہ سے اپنے تعلیمی امور کا جائزہ لینا ہوگا۔

عمومی تجاویز برائے نصاب و نظامِ تعلیم

بحث کو سمیٹتے ہوئے ذیل میں نئے اسلامی نظام کی تشکیل کے لئے تجاویز تحریر کی جاتی ہیں، یہ تجاویز دو طرح کی ہیں، بعض کا تعلق تو اس صورت سے ہے جب کہ ایک مشترکہ نظام قائم ہوگا، جبکہ باقی تجاویز اس صورت کے لئے ہیں جبکہ اس موجودہ صورت حال کو برقرار رکھ کر ان میں اصلاح احوال کی کوشش کی جائے، ان تجاویز کا مطالعہ اسی تناظر میں کیا جائے۔

۱۔ آج کی تمام ضرورت کے مضامین مثلاً جدید فلسفہ، سائنس کے اہم اصول و مبادیات وغیرہ، اردو زبان میں منتقل کر کے پڑھائے جائیں، تا کہ وقت کم صرف ہو۔

۲۔ دینی مدارس میں مختلف تخصصات کے شعبے قائم کئے جائیں، مثلاً، ۱۔ دعوۃ، ۲۔ سیرت، ۳۔ تقابلِ ادیان، ۴۔ علوم حدیث، ۵۔ فلسفۂ جدید، ۶۔ اسلامی معاشیات وغیرہ۔

Marfat.com

۳۔ ہر سطح پر تعلیمی نظام مکمل طور پر غیر مخلوط ہو، طلبا و طالبات کے لئے ہر دو کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے الگ نصاب اور الگ تعلیمی اداروں کا انتظام کیا جائے۔

۴۔اعلیٰ تعلیم کے لئے طلبا کو باہر جانا پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک طرف اہم افرادی قوت اور اچھے ذہن باہر منتقل ہو رہے ہیں، دوسرے غیر مسلم معاشرے کے برے اور غلط مذہبی و اخلاقی اثرات سے نئے ذہن متاثر ہو رہے ہیں، اس کا سد باب بہت ضروری ہے۔

۵۔تمام تعلیمی اداروں اور درجات و مراحل کا ایک نصاب اور ایک ذریعہ تعلیم اردو ہوگا، اردو کو خاص اہمیت دی جائے اور اس کے بارے میں احساس کمتری کو ترک کیا جائے۔

۶۔تمام عصری علوم بشمول سائنس، معاشیات، سیاسیات، فلسفہ وغیرہ کی تشکیل نو کی جائے، ان کے غیر اسلامی تصورات و افکار کو رد کیا جائے اور اسلامی تصور و موقف کو نمایاں مقام دیا جائے، تاکہ ان علوم میں دانستہ شامل کئے جانے والے لادینیت کے اثرات زائل کئے جاسکیں۔

۷۔جب تک مشترکہ نظامِ تعلیم قائم نہیں ہوگا، اس وقت تک دینی مدارس کو ان مضامین کا اضافہ کرنا ہوگا، ا۔جدید علم کلام، جس میں بدھ مت، ہندومت، سکھ نیز عیسائیت و یہودیت اور جدید غیر مسلم تحریکوں مثلاً سائنٹزم و لادینیت وغیرہ پر بنیادی معلومات ہوں، ۲۔اسلامی معاشیات، ۳۔تاریخ و سیرت، ۴۔انگلش (کم از کم بی اے کی سطح کی) نیز ائمہ اور خطبا اور اساتذہ کے لئے خصوصی تربیتی کورس۔

۸۔درس نظامی کی تکمیل کی سند شہادۃ العالمیہ کو غیر مشروط طور پر ایم اے کے مساوی عملی طور پر تسلیم کیا جائے، اور اسے وہی حیثیت دی جائے جو ایم اے کو حاصل ہے۔

۹۔مشنری تعلیمی اداروں میں صرف غیر مسلم طلبا کو داخل ہونے کی اجازت ہو، مسلمان طلبا کے لئے پابندی عائد کی جائے۔

۱۰۔نجی طور پر قائم ہونے والے تعلیمی اداروں کو کسی نظم وضبط کا پابند کیا جائے، اور ان کی تنظیم سازی پر خاص توجہ دی جائے۔

Marfat.com

مثالی اسلامی نظامِ تعلیم کے لئے عملی خاکہ

یہ مختصر خاکہ ہے، اس کے مطابق نصاب تیار کرنے کے لئے ماہرین کی کمیٹی کا قیام ضروری ہوگا، یہ نظام چھ مرحلوں میں تقسیم ہوگا۔

ا۔ پہلا مرحلہ پرائمری تک (ایک تا پانچ) کا ہوگا، اس میں اردو تحریر، ناظرہ قرآن، نماز، مختصر عقائد، ابتدائی ریاضی، اور چوتھی پانچویں جماعت میں انگریزی کے ابتدائی اسباق ہوں گے، نرسری، کے جی، انگلش میڈیم اسکولوں کا نصاب سب ختم ہوگا، ناظرہ قرآن کریم کے لئے الگ وقت مقرر ہوگا۔

ب۔ یہ مڈل کا مرحلہ ہوگا، اس میں چھٹی تا آٹھویں جماعت شامل ہوگی، اس درجے میں، انگریزی، اسلامیات، معاشرتی علوم، ابتدائی سائنس، ریاضی کے ساتھ ساتھ عربی صرف ونحو اور فارسی کے ابتدائی اسباق بھی شامل ہوں گے، نیز آخری پارے (پارہ عم) کا صرف ترجمہ تینوں سالوں میں مکمل کرایا جائے گا۔

ج۔ یہ میٹرک پر مشتمل ہوگا، اس مرحلے میں چار گروپ قائم ہوں گے۔ ۱۔ درس نظامی، ۲۔ آرٹس، ۳۔ کامرس، ۴۔ سائنس، اس میں اسلامیات، عربی، انگلش، تاریخ کے اسباق لازمی ہوں گے، صرف سائنس اور کامرس والوں کے لئے ان کے اپنے اسباق پر زیادہ توجہ ہوگی، اس کے مقابلے میں درس نظامی والوں کے ہاں ان سالوں میں تفسیر حدیث وفقہ وغیرہ پر زیادہ وقت صرف ہوگا، (ثانویہ عالیہ کا عمومی نصاب ہوگا) اسی طرح آرٹس والے اپنے شعبے کے چند ضروری اسباق پر توجہ دیں گے، زیادہ تر نصاب لازمی اور سب کے لئے مساوی ہوگا۔

د۔ یہ انٹرمیڈیٹ کا ہوگا، اس سطح پر بھی وہی چار گروپ قائم رہیں گے، اور وہی بنیادی نظریہ پیش نظر رہے گا، جو میٹرک کی سطح پر تھا۔

ھ۔ یہ اعلیٰ تعلیم کا مرحلہ ہوگا، اب اسلامیات واردو کے لازمی مضمون کے علاوہ چاروں گروپ کے اسباق علیحدہ ہو جائیں گے، نیز قانون وزراعت وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کا آغاز بھی یہیں

Marfat.com

سے ہوگا، اس کے تحت ا۔میڈیکل کی پانچ سالہ تعلیم ہوگی ،۲۔انجینئرنگ وقانون کی چار سالہ تعلیم ہوگی ،اوران میں سائنس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر خصوصیت کے ساتھ پڑھایا جائے گا، اور قانون کے لئے ،عربی اور اسلامی فقہ لازمی مضمون ہوں گے،۳۔درس نظامی مزید پانچ سالہ ہوگا، جس میں دورۂ حدیث ،۲ سالہ ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ، ڈگری اور بی اے کے امتحانات ختم ہوں گے، منشی فاضل اور عربی فاضل وغیرہ بھی سب ختم ہوں گے۔

و۔آخری مرحلہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کا ہوگا، اس میں تمام متخصصین تیار ہوں گے۔

ز۔عام تعلیمی اداروں کے تعلیمی نظام کی جب تک انقلابی تبدیلیوں کے بعد قلب ماہیت نہیں ہوجاتی اوران کا نظام مکمل طور پر تبدیل نہیں ہوجاتا، اس وقت تک عالمی تعلیمی کانفرنس منعقدہ مکہ مکرمہ (۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء) کی سفارش کے مطابق دینی تعلیم کے مراکز کو علیٰ حالہا قائم رکھ کر ان کی مکمل حفاظت کا انتظام کیا جائے اور ان کی آزادی کی ضمانت فراہم کی جائے۔(۱۵۲)

امید ہے کہ ان تجاویز پر ان کی روح کے مطابق اگر عمل کرلیا جائے تو انشا اللہ ہمارا نظام تعلیم مثالی بھی ثابت ہوگا اور اسلامی بھی ،اور ہمارے متعینہ اہداف پورے کرنے میں معین ومددگار ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں صحیح اسلامی فکر پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین

---

(۱۵۲) محمد تقی عثمانی / ہمارا تعلیمی نظام/ص ۱۴۸

Marfat.com

نئے عالمی نظام کی تشکیل اور
اُمتِ مسلمہ کی ذمے داریاں
تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس ۲۰۰۳ء

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

امت مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے، اور جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سالمیت کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں، پھر اگر کہیں پر مسلمان تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اپنی بقا و سلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بجائے الٹا مسلمانوں ہی کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ اس موقع پر مسلم امہ پر سب سے پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ مغرب سے مرعوبیت کی بجائے جہاد کا اسلامی تصور پوری قوت و طاقت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں۔

Marfat.com

تمہید

آج کا سب سے گرم موضوع مسلمانوں کا مستقبل ہے، ہر شخص جو سوچنے اور سمجھنے کی تھوڑی سی بھی صلاحیت رکھتا ہے وہ اسی موضوع پر غور وفکر کر رہا ہے۔ بحث مباحثے، تحریر وتقریر ہر پہلو سے یہی موضوع زیر بحث ہے، مسلمانوں کے لئے یہ حالات اور دور سخت ترین آزمائش کا دور ہے۔ ان کی مشکلات کا باقاعدہ آغاز یا یوں کہئے کہ ان میں شدت گذشتہ دس بارہ برسوں کے دوران آئی ہے، یہی دور امریکہ کے نئے عالمی نظام کی تشکیل وترتیب کا ہے، یہ نظام کیا ہے؟ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کے پوری دنیا میں کیا اثرات پڑے؟ یہ نظام ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اور امت مسلمہ کے لئے اس کے مضرات کیا ہیں؟ پھر سب سے اہم سوال یہ کہ ان حالات میں ہم پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں؟ اور ہمیں اب کیا کرنا چاہئے؟ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق حسب استطاعت سطور ذیل میں ان ہی سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نیا عالمی نظام

(NEW WORLD ORDER)

۱۸۹۷ء میں سوئٹزر لینڈ کے شہر بیزل (BASEL) میں یہودی دانش وروں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس نے انیس ابواب پر مشتمل دستاویزات تیار کی تھیں، کتاب کے گیارہویں اور انیسویں باب میں عالمی حکومت کا تخیل ملتا ہے (۱)۔ اس واقعے کو نئے عالمی نظام (New World Order) کا آغاز قرار دیا جا سکتا ہے، اور آج امریکہ میں یہودی اثر ونفوذ کی جو صورت حال ہے، اس کے بعد اس خیال کو شک کی پیداوار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اس نظام کی تشکیل کی پہلی کوشش ۱۹۱۷ء میں ہوئی، جب امریکی صدر ولسن کے مشیر کرنل مانڈیل ہاوس نے اقوام متحدہ (لیگ آف نیشنز) کا خاکہ ولسن کے سامنے پیش کیا، یہ مسودہ سینٹ

---

(۱) نذر الحفیظ ندوی/ مغربی میڈیا اور اس کے اثرات/ مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۱ء/ ص ۴۵

Marfat.com

وغیرہ نے یہ کہ کر رد کر دیا کہ ''امریکی اقتدار اعلیٰ کسی دوسری تنظیم کے تابع نہیں رہ سکتا'' (۲) اس ناکامی کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک امریکی اداروں اور سیاست میں یہودی عمل دخل کم تھا، یہ صورت حال امریکہ میں صیہونی اثر ونفوذ کا نقطۂ آغاز ہے، اس موقع پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر امریکی ادارے کو اپنی گرفت میں لے لیا جائے، چنانچہ آئندہ چند برسوں کی کوششوں سے امریکہ کے تمام بڑے ادارے اور اہم شخصیات یہودی اثر ونفوذ کا شکار ہوگئیں، جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت ۲ء۹ فیصد آبادی والی قوم امریکہ کی ۹۷ فیصد آبادی پر حاوی ہو چکی ہے (۳)

امریکہ یہودی شکنجے میں

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں یہودی اثر ونفوذ کا بھی قدرے وضاحت سے جائزہ لیا جائے، تاکہ اس کی پالیسیوں اور اقدامات کو صحیح تناظر میں دیکھا جا سکے۔ امریکہ روزِ اول ہی سے یہودی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے یہ ایسی حقیقت ہے جس سے آج تقریباً ساری دنیا واقف ہے، مگر اس کے پس منظر سے شاید کم ہی لوگ واقف ہیں، امریکہ کا پہلا صدر اور اس کا بانی یہودی تھا، جارج واشنگٹن نہ صرف کٹر فری میسن تھا بلکہ اس کا شمار بڑے ''روحانیین'' میں ہوتا تھا (۴) پھر ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ ایک اور یہودی کرنل ایڈورڈ منڈیل ہاؤس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ امریکہ میں یہودی اثر ورسوخ کی بنیاد رکھی، اس مقصد کے لئے ''امریکی ادارہ برائے عالمی امور'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کا نام ۱۹۲۱ء میں تبدیل کر کے سی ایف آر Council Of Foreign Relation (ادارہ برائے خارجہ تعلقات) کر دیا گیا، اس ادارے نے پھر مزید ذیلی ادارے قائم کئے، جن میں سے چند یہ ہیں۔ بزنس کونسل، ایشین انسٹی ٹیوٹ، اٹلانٹک کمیٹی، یونائیٹڈ ورلڈ فیڈرلسٹ، ٹری ٹیریل کمیشن وغیرہ۔ سی، ایف، آر نے وجود میں آتے ہی اپنا ترجمان فارن افیرز (Foreign Affairs) کے نام سے نکالنا شروع کر دیا، اس ادارے کے ارکان نے جو تمام یہودی تھے حکومت امریکہ کے بڑے عہدوں، ٹیکس سے معاف بڑے بڑے اداروں،

---

(۲) ایضاً (۳) ایضاً / ص ۴۷ (۴) Basic Facts about The United Nations:

☆ Charter of the United nations and Statute of the DPI. 1995

International Court of Justice: DPI 511

Marfat.com

امریکی میڈیا، بینک، ڈیموکریٹک ری پبلیکن جماعتوں اور اثر ونفوذ کے دوسرے مراکز، ڈیل کارنیگی فاؤنڈیشن، فورڈ فاونڈیشن، راک فیلر فاؤنڈیشن، اور نیویارک ٹائمس، نیوز ویک اور بعد میں تمام امریکی ٹی وی اسٹیشنوں پر قبضہ کرلیا۔(۵)

اس وقت (چند سال پیش تر کے اعداد وشمار کے مطابق) امریکہ میں یہودیوں کے اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ امریکہ میں کروڑ پتی یہودیوں کا تناسب ۲۵ فیصد ہے۔ جوتے کی صنعت میں ۳۴ فیصد، مشروبات کی صنعت میں ۵۰ فیصد، ملبوسات اور فیشن کے میدان میں ۱۰۰ فیصد، پٹرولیم کی صنعت میں ۹۸ فیصد، اور تعلیم کے میدان میں ۲۰ فیصد یہودی ہیں۔ امریکی یونیورسٹیوں میں یہودی اساتذہ کا تناسب ۵۰ فیصد، ہارورڈ جیسے عالمی شہرت کے حامل ادارے میں یہودی اساتذہ کا تناسب ۵۷ فیصد، میڈیسن میں ۲۵ فیصد، لاکالجوں میں ۳۸ فیصد، امریکہ میں یہودی ڈاکٹروں اور وکلا کا تناسب ۳۸ فیصد ہے، عام طور پر امریکی میڈیا کے بڑے حصے پر یہودی قابض ہیں، صرف ایک یہودی فیملی نیو ہاؤس کے پاس ۴۸ روزنامے، بیس ہفت روزہ رسالے، ایک سو بیاسی ریڈیو اسٹیشن، ایک سو چالیس ٹی وی کیبل اور سترہ سو پینتیس دارالاشاعت ہیں۔(۶)

سی ایف آر کا امریکی معاملات میں اثر ونفوذ اس حد تک ہے کہ امریکی صدر روز ویلٹ سے لے کر رونالڈ ریگن تک نو امریکی صدر کے خارجہ امور کے مشیر مسٹر جان میکالے کا کہنا ہے کہ ہمیں جب بھی امریکی حکومت کے لئے کل پرزوں کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم سب سے پہلے سی ایف آر کے مرکزی دفتر نیویارک سے رابطہ قائم کرتے ہیں، نیز ۱۹۵۲ء سے اب تک دونوں سیاسی پارٹیوں نے امریکی صدارت کے لئے جتنے لوگوں کو نامزد کیا ہے ان سب کا تعلق سی ایف آر سے تھا۔ اس میں استثنا صرف ۱۹۶۴ء اور ۱۹۸۰ء کا کیا جا سکتا ہے، جب رونالڈ ریگن اس کے رکن نہیں تھے، لیکن ان کو مجبور کیا گیا کہ اپنے نائب جارج بش کا انتخاب کریں جو سی، ایف، آر کے ممتاز رکن تھے۔(۷)

جب بل کلنٹن صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے سی، ایف، آر کے صدر وارن کرسٹوفر کو اپنی حکومت چلانے کے لئے مطلوبہ اشخاص کے انتخاب کی پوری آزادی دے دی،

(۵) ندوی/ص ۴۷ (۶) ایضاً (۷) ندوی/ص ۴۸

Marfat.com

چنانچہ ان کی حکومت کے بھی بیشتر ارکان سی، ایف، آر کے رکن تھے۔ سی آیف آر کے ذیلی ادارے فارن افیئر ز کے اثر ونفوذ کے بارے میں بحریہ کے کمانڈر رایڈمرل وارڈ کی یہ شہادت کافی ہے کہ فارن افیئر ز کے مقالات پڑھنے سے مستقبل میں امریکہ کی دفاعی اور خارجہ پالیسی کی حکمت عملی کا اندازہ ہوجاتا ہے، اگر اس رسالے میں کوئی تجویز دوبارہ شائع کی جاتی ہے تو امریکی حکومت کے تنفیذی ادارے انہیں اس طرح نافذ کرتے ہیں جیسے وہ تسلیم شدہ حقیقت ہے۔(۸)

یہودیوں نے اپنے مقاصد کے لئے عیسائیوں کو بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا ہے، خصوصاً پروٹسٹینٹ فرقہ پوری طرح ان کی منفی سرگرمیوں کے سامنے بے بس نظر آتا ہے، اور ایک عرصے سے یہ عالم ہے کہ یہودی عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ باہم دست وگریباں کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں اور اس مقصد میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں، جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۷۰ میں سب سے پہلے ہالینڈ سے Hall Lindsey کی کتاب The Late Great Planet Earth شائع ہوئی جس نے ایک طرف عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کی آمد کی یاد دلا کر خدائی حکومت کے قیام اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر پر ابھارا تو دوسری جانب مزاحم قوتوں یعنی مسلمانوں کے خلاف جذبات برانگیختہ کیے۔ انہیں دنوں تھامس میک کال اور زولا لیوٹ (Thomas McCall& Zola levitt) کی کتاب Satan in the Sanctuary شائع ہوئی جو اسی طرح کے خیالات سے بھری ہوئی تھی پھر ۱۹۸۷ء میں میک کال اور لیوٹ کی دوسری کتاب The Coming Russian Invasion of Israel شائع ہوئی۔ اس میں بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔(۹)

مسجدِ اقصیٰ کو شہید کرنا یہودیوں کا ایک اہم مقصد ہے اور اس مقصد کے لئے ان کی تیاریاں عرصے سے جاری ہیں۔(۱۰) مگر شاید یہ بات کم لوگوں کے علم میں ہوگی کہ اس مقصد کے

---

(۸) ایضاً (۹) Hal Lindsey: The Late Great Planet E: Grand Rapids. MI: Zondervan 1970 ☆ Thomas Mc Call & Zola Levitt: Satan in the sanctuary: Chicago, Moody, 1973 ☆ T.McCall& Z. Levitt: The Coming Russian Invasion of israel. Moody, Chicago. 1987

(۱۰) ان تیاریوں کا احوال جاننے کے لئے. ملاحظہ کیجئے، اسرار عالم/ دجال/ دار العلم نئی دہلی، ۲۰۰۰ء/ ص ۷۷، ۷۸

Marfat.com

لئے متعین تمام دہشت گرد تنظیموں کو سب سے زیادہ امداد حکومتِ امریکہ سے ملتی ہے۔(۱۱)

یہودیت کی تاریخ دجل وفریب اور سازش وفتنہ انگیزی سے بھری ہوئی ہے، امریکہ میں یہودی اثر ونفوذ کی کہانی معروف امریکی صنعت کار ہنری فورڈ نے اپنی کتاب ''یہودیت سے عالم انسانیت کو خطرہ'' میں بیان کی ہے، اس کا صرف ایک پیرا ملاحظہ کیجئے جس میں وہ کہتا ہے:۔

> امریکی سماج میں جہاں کہیں بھی اخلاقی انحطاط وفساد پایا جاتا ہے، اس کے پسِ پردہ آپ کو یہودی ہی دکھائی دیں گے، شراب، شباب، قمار بازی، بدکاری، رشوت، جنسی اور مالی جرائم، قتل وغارت گری، ڈاکہ زنی، خون ریزی، معرکہ آرائی، مہلک اسلحہ سازی، غرض کہ تمام غیر فطری وغیر اخلاقی جرائم میں یہودیوں کا حصہ اسی سے نوے فیصد تک ہے۔(۱۲)

شاید اس پیرے میں پوری یہودی تاریخ آ گئی ہے۔

نئے عالمی نظام کی تشکیل

امریکہ میں یہودی اثر ورسوخ کی تفاصیل بہت ہیں، یہاں صرف چند اشارے اس لئے درج کئے گئے تا کہ اس نئے نظام کی تشکیل کے سلسلے میں ان کا کردار واضح کیا جا سکے، اب ہم اپنے موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جب یہودی پوری طرح امریکی اداروں پر غالب آ گئے تو اقوامِ متحدہ کے قیام کی راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں اور ۱۴/اگست ۱۹۴۱ء کو امریکی صدر روز ویلیٹ اور برطانوی وزیر اعظم چرچل نے ایک معاہدے پر دستخط کئے، جس میں ایک عالمی نظام کی بات کی گئی تھی اور پھر بالآخر یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو چھبیس ممالک کے دستخطوں کے ساتھ اقوام متحدہ کا چارٹر منظور ہوگیا۔(۱۳) یہ نیو ورلڈ آرڈر کا آغاز تھا، لیکن اس کی کھل کر بازگشت اس وقت سنائی دی جب ۲۳/اگست ۱۹۹۰ء کو اس وقت کے امریکی صدر بش سینئر اور ان کے مشیر برینٹ سکوکرافٹ بحر اٹلانٹک میں حالاتِ حاضرہ پر غور وفکر کرنے اور مچھلی کے شکار کے لئے گئے، اس سفر کا حاصل تین مچھلیاں اور امریکی خارجہ پالیسی کا نیا تصور تھا، جو بعد میں صدر بش کی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز ومحور

---

(۱۱) ملاحظہ کیجئے، اسرار عالم/ بین الاقوامی ایجنسیوں کا تعارف اور ان کا طریقہ کار/ دار العلم نئی دہلی، ۲۰۰۰ء (۱۲) ندوی/ص ۱۱۵ (۱۳) ندوی/ص ۴۹، ۵۰

Marfat.com

بن گیا، یعنی نیو ورلڈ آرڈر (۱۴) یہ ہے نئے عالمی نظام کے آغاز اور ارتقا کی مختصر داستان۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس نظام کے بنیادی خدوخال اور ترجیحات کیا ہیں؟

نئے عالمی نظام کے بنیادی خدوخال

اس نئے نظام کے بارے میں مختلف اوقات میں جو دعوے کئے گئے ہیں، ان کی روشنی میں اس کے درجِ ذیل خدوخال ابھرتے ہیں:۔

۱۔ امریکہ دنیا کی واحد عالمی قوت ہے دنیا کو یہ حقیقت بہ رضا یا بہ جبر بہرحال تسلیم کرنی ہوگی

۲۔ اشتراکیت کی پسپائی کے ساتھ ہی مغربی لبرل ازم، سرمایہ داری، جمہوری طرزِ حکومت اور منڈی کی معیشت کے تصورات بھی فتح یاب ہو گئے ہیں، اب صرف امریکہ نہیں، ان تصورات کو بھی بالادست تصور کرنا ہوگا۔

۳۔ اب نئے نظام کے تحت امریکہ ہی ہر طرح کے اقدامات کی قیادت کرے گا، البتہ ان اقدامات کو اقوامِ متحدہ کی چھتری کا سایہ حاصل ہوگا اور کسی بھی حوالے سے سلامتی کو لاحق خطرہ صرف وہی سمجھا جائے گا، جسے امریکہ خطرہ قرار دے۔

۴۔ دنیا کے کسی کونے میں بھی خصوصاً یورپ، ایشیا اور افریقہ میں کسی ملک کو عالمی قوت کی حیثیت سے ابھرنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔

۵۔ شرقِ اوسط میں اسرائیل کو ایک ابدی سچائی کی حیثیت حاصل ہوگی، جس کی حیثیت تبدیل کرنے کی کوئی بھی کوشش براہِ راست امریکہ کے خلاف تصور ہوگی۔

۶۔ امریکہ کے مفادات کو دنیا بھر کے معاملات میں فوقیت واولیت حاصل ہوگی، جن میں تیل کے معاملات سرِفہرست ہیں۔

۷۔ اسلحہ کی تیاری اور تحقیق وترسیل وغیرہ پر بھی مکمل کنٹرول امریکہ کو حاصل کو ہوگا۔ (۱۵)

---

(۱۴) واشنگٹن پوسٹ/ ۲۶ مئی ۱۹۹۱ء (۱۵) حک واضافے کی ساتھ ماخوذ از پروفیسر خورشید احمد/ امریکہ، مسلم دنیا کے بے اطمینانی/ منشورات، لاہور ۲۰۰۲ء/ ص ۷۷،۹۷۔ نیز نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے سلسلے میں امریکن نیشنل سیکورٹی کونسل کی سفارشات پر مبنی ایک رپورٹ جاری کی گئی تھی، یہ رپورٹ ۶ مارچ ۱۹۹۱ء کو وائس آف امریکہ کے ایک نشریئے سے نشر ہوئی بعدازاں روزنامہ الراعیہ، قطر نے اس کا متن شائع کیا (۴ جنوری ۱۹۹۲ء) اس کے مطالعے سے ان اقدامات وترجیحات کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے۔

Marfat.com

ان نکات کی وضاحت چند اہم بیانات سے ہوتی ہے، مثلاً امریکی حکومت کے ایک مشیر فرانسس فاکویاما نے آج سے کوئی بارہ برس قبل کہا تھا:

> اب تاریخ اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، اور مغربی نظام کو فیصلہ کن بالادستی حاصل ہوگئی ہے۔(۱۶)

دوسرے مقام پر مزید کہا تھا:

> ہم اب انسانیت کے نظریہ ارتقا کی آخری بلندیوں کا نظارہ کررہے ہیں اور تاریخ کا یہ خزانہ مغرب کی لبرل جمہوریت سے عبارت ہے، جو انسانیت کے لئے حکمرانی کا آخری نظام ہے۔(۱۷)

اور پروفیسر زبگینو بریزنسکی نے آج سے دس بارہ برس قبل اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا تھا:

> شرقِ اوسط کے لئے امریکہ کی فوجی چھتری ناگزیر ہے، بالآخر حالات جو بھی ہوں، اس علاقے میں امریکہ کی فوجی موجودگی مستقل نوعیت کی ہوگی (۱۸) حالات کا تقاضا ہے اور امریکہ کے لئے یہ امر ناگزیر ہوگیا ہے کہ وہ اس نظام کے قیام کے لئے تیزی کے ساتھ متحرک ہوجائے، جو منصفانہ بھی ہو اور امن کا ضامن بھی۔(۱۹)

---

(۱۶) فرانسس فوکویاما (Francis Furuyame) کا مضمون ''The End of History'' امریکہ کے رسالے THe National Interest کی ۱۹۸۹ء موسم گرما کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس کے بعد موصوف کا دوسرا مضمون ستمبر ۱۹۸۹ء میں ہونولولو کے Sunday Star میں ''Witnessing The End of History?'' کے نام سے شائع ہوا۔ تیسرا مضمون مشہور امریکی رسالے Fortune (جنوری ۱۹۹۰ء) میں شائع ہوا اور اس کا عنوان ''Are We at The End of History?'' تھا۔ ان مضامین کا مرکزی خیال یہ ہے کہ بیسویں صدی، جواب اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے، معاشی اور سیاسی لبرلزم کی ایسی فتح پر منتج ہوئی ہے جسے چھپایا نہیں جاسکتا۔

(۱۷) ایضاً (۱۸) روزنامہ دی نیوز، کراچی/ یکم مارچ ۱۹۹۱ء (۱۹) ایضاً

Marfat.com

نئے نظام کی بعض ترجیحات

۱۔ پوری دنیا میں احیائے اسلام کی تحریکوں کو کچل دیا جائے، جو نئی تحریکیں ابھرنے کی کوشش کر رہی ہیں ان کو دبا دیا جائے اور بنیاد پرست کا ہوا دکھا کر پوری امتِ کفر کو امتِ مسلمہ کے بالمقابل لا کھڑا کیا جائے۔

۲۔ روس سے تعلقات بہتر بنائے جائیں اور ہر اس قوت کی مخالفت کی جائے جو وسطی ایشیا میں ابھر کر اسے چیلنج کر سکے۔

۳۔ اسرائیل کی بالا دستی کو ہر صورت میں یقینی بنایا جائے، اور فلسطین کے مسئلے کو تحلیل کر دیا جائے۔

۴۔ پاکستان ایران افغانستان اور چین کے اس علاقے میں کردار کو محدود کرنے کے لئے انڈیا کو علاقائی قوت کی حیثیت دی جائے۔

۵۔ پاکستان کے ساتھ تعلقات نرم گرم رکھے جائیں، تا کہ ضرورت پڑنے پر اس سے کام لیا جا سکے اور ضرورت ختم ہونے پر اسے پھر زیر عتاب لایا جا سکے۔

۶۔ پہلے مرحلے پر عراق اور پھر بتدریج سعودی عرب، پاکستان، ایران اور بعض افریقی ممالک کو کوئی نہ کوئی ہوا دکھا کر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جائے۔

۷۔ اسلام کے خلاف نفرت کی فضا بنائی جائے، تا کہ مسلمانوں کے خلاف جب کوئی کارروائی ہو تو باقی بین الاقوامی دنیا اس کا ساتھ دے۔

۸۔ انڈیا اسرائیل تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

ان نکات کو سمجھنے کے لئے اختصار کے صرف دو اقتباس پیش کئے جاتے ہیں۔ پروفیسر زب گینو بریزنسکی ایک مقام پر امریکی حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> آج پورے علاقے کی قسمت امریکہ کے ہاتھ میں ہے، اس کو اس سے قبل وہ عروج کبھی حاصل نہ تھا، جو اسے آج حاصل ہے، اب امریکہ کی ذمے داری ہے کہ وہ علاقے کے لوگوں کی مشکلات کے حل کے لئے اپنی ذمے

Marfat.com

داریاں پوری کرے، جغرافیائی، اور سیاسی حوالے سے ہی نہیں، بلکہ خود اخلاقی اسباب کے تحت بھی یہ ضروری ہے کہ امریکہ سرگرمی کا مظاہرہ کرے۔(۲۰)

ایک اور امریکی مبصر جان اوسولیوبان نئے نظام میں امریکی حیثیت واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اس نظام میں امریکہ کی حیثیت وہی ہوگی، جو قرونِ وسطیٰ کے فیوڈل معاشروں میں بادشاہ کی ہوتی تھی، یعنی اصل حاکمِ اعلیٰ، جسے قوت کے استعمال کے لئے مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا، البتہ جو دوسروں سے خاصی تعداد میں سپاہی اور سرمایہ حاصل کرسکتا ہو اور ان کے فراہم کرنے والوں کے خیالات اور احساسات کا کچھ پاس بھی کرسکتا ہو، رہا معاملہ پارلیمنٹ کا تو وہ اس سے اخلاقی تائید حاصل کرنے کے لئے نیم دلانہ معاملہ کرتا ہو، اور جب ضرورت پڑے تو اسے نظرانداز بھی کردیتا ہو۔(۲۱)

یہ ہے امریکہ کے نئے عالمی نظام کا اصل چہرہ، خود اس کے ''اہلِ خانہ'' کی زبان میں۔

نیا عالمی نظام، بیانات کی روشنی میں

اگرچہ اوپر چند بیانات اس حوالے سے درج کئے جاچکے ہیں، مگر وہ محدود نوعیت کے تھے، ذیل میں چندوہ دعوے اور بیانات پیش کئے جارہے ہیں، جن کے مطالعے سے پوری صورتِ حال واضح ہوسکتی ہے۔

امریکی وزارتِ خارجہ کے ایک مطبوعہ بولیٹن میں بہت پہلے آج سے کوئی چالیس برس قبل یہ امید ظاہر کی گئی تھی کہ دوسرے مرحلے میں تدریجی طور پر اقوام متحدہ کی بین الاقوامی فوج کی تشکیل کی جائے گی، تیسرے مرحلے میں منظم طور پر بڑی سرعت سے تمام ملکوں کو جوہری اسلحوں سے محروم کردیا جائے گا، اس طرح کسی بھی ملک کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اقوام متحدہ کی طاقتور فوج کو چیلنج

(۲۰) دی آبزرور/لندن/۲۱/اپریل ۱۹۹۱ء

(۲۱) The news International Weekend Mugazine` 1991

Marfat.com

کر سکے۔(۲۲)اس کے ایک عرصے بعد ایک کالم نگار نے اس امید کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

تمام ملکوں کو طاقتور ہتھیاروں سے محروم کر دینے کا خواب ہوسکتا ہے حقیقت بن جائے۔(۲۳)

چند دیگر بیانات ملاحظہ کیجئے:

سلامتی کونسل کے ماتحت ایک دائمی بین الاقوامی فوج کی تشکیل سے اقوام متحدہ کو ایسی زبردست قوت حاصل ہو جائے گی کہ اس سے اس کی ہیبت میں اضافہ ہو جائے گا، اس فوج کو عالمی پولیس کی حیثیت حاصل ہوگی، جس کے ذریعے سلامتی کونسل اپنے عزائم اور پروگراموں کو دوسروں پر مسلط کر سکے گی۔(۲۴)

امریکہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ایسی فوج کی تشکیل میں مدد دے جو تیزی سے حرکت کر سکے، اس کی فوج کی تعداد پہلے مرحلے میں ساٹھ ہزار ہو اور بارہ ملکوں سے اس کی تشکیل ہو۔(۲۵)

اگر ہم واقعی عالمی امن قائم کرنا چاہتے ہیں تو نہ سرخ فوج کی ضرورت ہوگی نہ امریکی فوج کی، ہمیں نیلگوں ہیٹ لگائے متعدد ملکوں پر مشتمل بین الاقوامی فوجی طاقت چاہیے، یہی فوج عالمی امن قائم کرسکتی ہے۔(۲۶)

ہمارے درمیان نئے عالمی نظام کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے، اس میں ہمارے ملک (امریکہ) کا خاص رول ہے۔(۲۷)

نیا عالمی نظام گیارہ سال کے اندر وجود میں آجائے گا، ہم نے اس کے لئے کیا تیاریاں کی ہیں۔(۲۸)

---

(۲۲) امریکی وزارت خارجہ کا مطبوعہ بولیٹن/ ۷ ستمبر ۱۹۶۱ء

(۲۳) روزنامہ لاس انجلس ٹائمز ۵ رجنوری ۱۹۹۳ء مقالہ نگار: بیرڈ اور جی بیرویٹز

(۲۴) مقالہ نگار: نارمن کیمبسٹر روزنامہ لاس انجلس ٹائمز ۲ رفروری ۱۹۹۲ء (۲۵) مقالہ نگار: جوزف نائے سابق امریکی وزیر خارجہ کے معاون: نیویارک ٹائمز ۲ رفروری ۱۹۹۲ء (۲۶) نیویارک ٹائمز ۱۱ رمئی ۱۹۹۲ء

(۲۷) امریکی وزیر خارجہ ہنری کیسنجر۔ ۱۸ راپریل ۱۹۷۵ء (۲۸) جارج بش ۱۶ رمارچ ۱۹۸۹ء

Marfat.com

مجھے پورا یقین ہے کہ اگر بش کو دوسری بار صدارتی الیکشن میں کامیاب کرادیا جائے گا تو وہ پوری دنیا پر نئے مجوزہ عالمی نظام کو مسلط کر کے رہیں گے، خواہ اس کے لئے انہیں ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء میں ہنگامی اقتصادی حالات کا اعلان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔(۲۹)

امریکہ مسلم تعلقات

درج بالا سطور سے نیو ورلڈ آرڈر کی جو تصویر سامنے آتی ہے، اس کے بعد ایک سوال امریکہ مسلم تعلقات کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے کہ اس عالمی قوت کے مسلم دنیا سے تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی، اس سلسلے میں ہم صرف تین ممالک سعودی عرب، افغانستان اور پاکستان کا ذکر کریں گے، کیونکہ ان ممالک کے تذکرے سے اس کا جواب کافی حد تک معلوم ہوسکتا ہے۔

سعودیہ عرب اور امریکہ

سعودی عرب امریکہ کا ایک قدیم حلیف ہے، ایک عرصے سے دونوں ممالک خارجہ امور میں بہت سے معاملات پر یکساں رائے رکھتے ہیں، دونوں میں تعلقات کے کئی حوالے ہیں، لیکن ۱۱ر ستمبر کے بعد سے امریکی رویہ سعودی عرب کے ساتھ بھی معاندانہ اور مخالفانہ نظر آنے لگا ہے، جو اس کے ایجنڈے کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ ۱۰ جولائی ۲۰۰۲ء کو رینڈ کارپوریشن کے تجزیہ نگار لارینٹ موریوک نے ڈیفنس پالیسی بورڈ کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا:

سعودی شہری دہشت گردی کے پورے سلسلے سے منسلک ہیں، منصوبہ سازوں سے لے کر مالی معاونت کرنے والوں، اعلیٰ تنظیمی عہدے داروں سے عام کارکن اور نظریہ سازوں سے جوش دلانے والے رہنماؤں تک سعودی عرب میں اس سلسلے کی ہر کڑی متحرک ہے۔ سعودی عرب ہمارے دشمنوں کی مدد کرتا ہے اور ہمارے اتحادیوں پر ضرب لگاتا ہے۔ سعودی عرب

---

(۲۹) ٹائمز ۲۷ر جنوری ۱۹۹۲ء

Marfat.com

برائی کا منبع ہے، وہ سب سے بڑی متحرک قوت ہے اور مشرق وسطیٰ میں ہمارا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے۔ رپورٹ میں امریکہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر سعودی عرب امریکہ کے مطالبات پورے نہ کرے تو سعودی تیل کے چشموں اور بیرون ملک اس کے اثاثوں کو نشانہ بنایا جائے۔ (۳۰)

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے ساتھ سعودی عرب کے تعلقات کی تاریخ پر جو ستر برس پرانی ہے، صرف ایک مرتبہ (۱۹۷۳ء عرب اسرائیل جنگ) کے علاوہ اتنی کشیدگی کبھی پیدا نہیں ہوئی جس قدر آج کل نظر آ رہی ہے، اور اس کا سبب امریکی میڈیا، یہودی لابی اور وہ حکومتی حلقے ہیں جو ان تعلقات سے ناخوش ہیں۔ اس وقت میڈیا پر سعودی عرب کے خلاف رپورٹوں اور بیانات کا طوفان نظر آ رہا ہے۔ نیویارک ٹائمز کی ۱۲؍ دسمبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں تھامس فریڈ مین سعودی نظام تعلیم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتا ہے:

> دینی مدارس اور دینی ادارے وہ مراکز ہیں جہاں سے دہشت گردوں کی قیادت اٹھتی ہے۔ اس لئے دہشت گردی کے ان چشموں کو خشک کرنا ہوگا۔ یہ نظام تعلیم یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کو ہوا دیتا ہے اور ان کے خلاف لڑائی پر اکساتا ہے۔ (۳۱)

امریکی سینٹ کی امور خارجہ کمیٹی کے سربراہ سینیٹر جوزف بیدن ۲۴؍ اکتوبر کو کہتا ہے:

> اب وقت آ گیا ہے کہ سعودی عرب کو خبردار کر دیا جائے کہ وہ دنیا میں متشدد دینی مدارس کی پشت پناہی چھوڑ دے، کیونکہ سعودی جن مدارس کی سرپرستی کرتے ہیں ان میں امریکیوں کے خلاف نفرت کے جذبات کو فروغ دیا جاتا ہے، امریکہ کو چاہئے کہ وہ سعودی عرب پر واضح کر دے کہ وہ ان سرگرمیوں سے باز رہے ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ (۳۲)

دوسری جانب سعودی عرب کا رویہ بھی تبدیل ہوتا ہوا نظر آتا ہے، ایک تو عراق کے مسئلے پر اس نے کھل کر امریکی پالیسی کی مخالفت کی ہے، دوسرے اس بیان بازی سے پہلے جب تناؤ کی

---

(۳۰) واشنگٹن پوسٹ ۱۲؍ جولائی ۲۰۰۲ء (۳۱) نیویارک ٹائمز/۱۲؍ دسمبر ۲۰۰۱ء (۳۲) ایضاً

Marfat.com

کیفیت ظاہر ہو چکی تھی، سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ نے ۱۳ اگست کو امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی اندھی حمایت پر شدید غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور سعودیہ دوراہے پر کھڑے ہیں اور امریکہ کو چاہئے کہ وہ اپنے مخلص دوستوں کا انتخاب کرے۔(۳۳)

انہوں نے جارج ڈبلیو بش کو سخت لہجے میں کہا:

قوموں کی تاریخ میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ امریکہ اور سعودیہ اپنے اپنے مفادات دیکھیں۔ وہ حکومتیں جو اپنے عوام کی نبض کو نہیں پہچانتیں اور ان کے ساتھ ہم آہنگی کا مظاہرہ نہیں کرتیں ان کا حشر وہی ہوگا جو شاہ ایران کا ہوا۔(۳۴)

اور اب حال ہی میں امریکہ نے جن مسلم ممالک کے شہریوں کے لئے پابندیاں سخت کی ہیں ان میں سعودی عرب بھی شامل ہے اور اس کے ساتھ امریکی رویے کا یہ پہلو ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے!

افغانستان اور امریکہ

افغانستان میں روسی مداخلت اور افغان مجاہدین کی جانب سے شروع کئے جانے والے جہاد سے ہی افغانستان میں امریکی مداخلت کے باقاعدہ اور طویل دور کا آغاز ہو گیا تھا، اس وقت امریکہ روس کی مخالفت کرتے ہوئے افغان مجاہدین کی پشت پناہی کر رہا تھا، یہ وہ دور تھا جب افغان مجاہدین ''مجاہد'' اور ''تحریک آزادی کے کارکن'' تھے، مگر جب روس کو شکست ہوئی، افغانستان آزاد ہوا تو امریکی مفادات بھی تبدیل ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت آ پہنچی کہ ۱۱ ستمبر کے واقعے کی آڑ لے کر ۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ اور اس کی اتحادی افواج نے افغانستان پر حملہ کر دیا، یہ جنگ بقول شخصے تیل اور معدنیات کی جنگ ہے۔ وسطی ایشیا کے مسلم ممالک تیل سمیت بے شمار قیمتی معدنیات سے مالا مال ہیں، ان پر قبضہ بہت سے ممالک کے ایجنڈے کا حصہ ہے، اور ان میں امریکہ سرفہرست ہے۔

---

(۳۳) جنگ، ۱۳ اگست، ۲۰۰۱ء کراچی، روزنامہ ڈان کراچی، ۱۳ اگست ۲۰۰۱ء (۳۴) ایضاً

Marfat.com

اس حملے کی تفصیلات دل ہلانے والی اور دردناک ہیں۔ افغانستان پر صرف پہلے چھ ہفتوں کے دوران ۵ ہزار سے زیادہ ہوائی حملے کیئے گئے جن میں ۵ لاکھ سے زیادہ بم گرائے گئے۔ اس میں چپے چپے پر کی جانے والی بمباری (carpet bombing) کے علاوہ امریکی جنگی خزانے میں موجود ایٹم بم کا برادرِ نسبتی ڈیزی کٹر (Daisy Cutter) بے دردی سے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ہولناک بم ۱۵ ہزار پونڈ المونیم اور دوسرے کیمیاوی مواد کو زمین سے ۳ فٹ بلندی پر ۱۰ ہزار درجہ فارن ہائٹ گرمی کے ساتھ ایک آتشیں ہیولے کی شکل میں جنم دیتا ہے، اور پھر آگ کا یہ بادل ڈیڑھ کلومیٹر تک اس کی زد میں آنے والی ہر شے کو بھسم کر دیتا ہے۔ جو انسان یا اشیا اس کی شدید گرفت میں نہیں آتیں، لیکن تپش کی زد میں ہوتی ہیں، وہ جگر کے سرطان یا مستقل طور پر قوتِ سماعت سے محرومی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ (۳۵)

> حالانکہ اس حملے کے جواز کے لئے جو کچھ کہا گیا وہ عالمی دنیا اور غیر جانبدار حلقوں کو کسی طرح بھی متاثر نہیں کر سکا۔ روزنامہ گارڈین نے ان شواہد کے بارے میں بجا طور پر سوال اٹھایا ہے:
>
> ۱۱ ستمبر کی دہشت گردی کے بارے میں اسامہ بن لادن کے باقاعدہ مقدمے کا سامنا کرنے کا بعید از امکان واقعہ اگر پیش آ بھی جائے تو اس کے خلاف جو مقدمہ برطانوی حکومت نے گذشتہ دنوں شائع کیا ہے، قانونی نقطہ نظر سے اس میں کوئی جان نہیں ہے۔ بش حکومت کے اس اعلان پر کہ وہ بن لادن کے خلاف ''شواہد'' پیش کرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بلیئر کا مقدمہ دو لفظوں پر ختم ہو جاتا ہے۔ ''صرف مجھ پر اعتماد کرو''۔ (۳۶)

جو حقائق اور شواہد برطانیہ کے وزیر اعظم نے امریکہ کی سی آئی اے اور برطانیہ کی ایم آئی ۵ کی چار ہفتے کی تحقیق کے بعد پیش کیے ہیں انہیں گارڈین کے کالم نگار جارج مون بیوٹ اور

---

(۳۵) ماہنامہ ترجمان القرآن/ مدیر پروفیسر خورشید احمد/ دسمبر ۲۰۰۱ء (اشارات)

(۳۶) روزنامہ گارڈین، ۵/ اکتوبر ۲۰۰۱ء

Marfat.com

انڈی پنڈنٹ کے سینئر مضمون نگار رابرٹ فسک (۳۷) نے تار تار کر دیا ہے، جارج مون بیوٹ تو یہاں تک لکھتا ہے:

> میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خفیہ ایجنسیوں کے کارندوں نے بن لادن کے خلاف پہلے ایک تھیوری تیار کی اور پھر اِدھر اُدھر سے ان حقائق کو تلاش کیا جو اس میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ بن لادن کے خلاف کچھ شبہہ پیدا کرنے والے نئے ثبوت طلب کرنے کا خاصا جواز موجود ہے۔(۳۸)

اس نے صدر جارج بش کے عزائم کو اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

> صدر بش نے عظیم الشان موت کا دستہ تیار کر کے (افغانستان) روانہ کیا ہے، تاکہ وہ ماورائے عدالت سزائے موت نافذ کر دے۔(۳۹)

حالانکہ طالبان نے بار بار شواہد پیش کرنے کا مطالبہ کیا اور یہاں تک کہا:

> ہم غیر جانب دار مسلمان ممالک کی اعلیٰ عدالت یا اعلیٰ عدالتی کمیشن کے آگے اسامہ کو پیش کرنے کو تیار ہیں۔

لیکن صدر بش نے انہیں کسی معقول راستے کی طرف آنے ہی نہیں دیا، بلکہ ان کا ایک ہی جواب تھا:

> جب میں کہتا ہوں کوئی مذاکرات نہیں، میرا مطلب یہی ہوتا ہے: کوئی مذاکرات نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ مجرم ہے اسے حوالے کر دو، جرم یا بے گناہی پر گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔(۴۰)

آج بھی افغانستان امریکہ کے زیر تسلط ہے، مگر وہاں امن و امان نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہر افغانی (جو طاقت رکھتا ہے) مسلح ہے، اور پوست کی کاشت دوبارہ شروع ہوگئی ہے، کرزئی حکومت کہیں نظر نہیں آتی، حتیٰ کہ وزیر اعظم آزادانہ نقل و حرکت کی پوزیشن میں بھی نہیں، یہ ہے

---

(۳۷) دی انڈی پینڈنٹ/ ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۱ء (۳۸) گارڈین/ ۱۰/ اکتوبر ۲۰۰۱ء

(۳۹) ایضاً (۴۰) دی اینڈی پینڈنٹ/ ۱۵/ اکتوبر/ ص ۱

Marfat.com

ایک برادر اسلامی ملک سے امریکہ کے تعلقات کی حقیقت۔

پاکستان اور امریکہ

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات گو نصف صدی پرانے ہیں، مگر نشیب و فراز سے پر اور غیر یقینی کا ہمیشہ شکار رہے ہیں، اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پاک امریکہ تعلقات اس آیتِ قرآنی:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ

اے مومنو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ رکھو، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۴۱)

کی زندہ تفسیر ہیں۔

پاکستان اور امریکا کے مابین تعلقات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا آغاز ۱۹۵۰ء کی دہائی میں سرد جنگ کے زمانے سے ہوتا ہے۔ روس کی توسیع پسندی کے حوالے سے امریکی تشویش اور اپنے قریبی ہمسایہ ملک بھارت کی جانب سے کسی بھی ممکنہ حملے کے خطرے کی صورت میں پاکستان کی طرف سے دفاعی اعانت اور امداد کی خواہش نے دونوں ممالک کو ۱۹۵۴ء میں باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے کے سلسلے میں مذاکرات کی جانب راغب کیا۔ ۱۹۵۵ء کے اواخر تک پاکستان مغرب کے ساتھ علاقائی دفاع کے مزید دو معاہدوں میں بھی شامل ہوگیا، جو ''سیٹو'' اور ''سینٹو'' کے نام سے معروف ہیں۔ ان معاہدوں کے نتیجے میں اور ۱۹۵۹ء میں امریکا سے کیے گئے باہمی تعاون کے ایک اور سمجھوتے کے بعد پاکستان کو ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۵ء تک سات سو ملین ڈالر مالیت کی فوجی امداد امریکا کی جانب سے موصول ہوئی جب کہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۸۲ء تک پاکستان کو مجموعی طور پر پانچ بلین ڈالر کی اقتصادی امداد دی گئی۔ بہرکیف ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگوں کے درمیان امریکا نے دونوں ممالک کی فوجی اور اقتصادی امداد معطل کر دی، جس

(۴۱) المائدہ:۵۱

Marfat.com

کے نتیجے میں، پاکستان اور امریکا کے باہمی تعلقات میں خاصی سرد مہری آ گئی۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے وسط میں یہ تعلقات اس وقت مزید تلخی اور رنجش کا شکار ہو گئے۔ جب ۱۹۷۴ء کے بھارتی ایٹمی دھماکہ کے جواب میں پاکستان نے بھی جوہری طاقت کے حصول کی کوششیں شروع کر دیں، ۱۹۷۵ء کے دوران محدود امریکی فوجی امداد کا سلسلہ بحال ہوا، تاہم اپریل ۱۹۷۹ء میں جمی کارٹر کی حکومت نے اسے بھی معطل کر دیا۔

دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر روسی فوج کشی کے نتیجے میں پاکستان کو ایک بار پھر روس کے خلاف فرنٹ لائن اسٹیٹ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ستمبر ۱۹۸۱ء میں ریگن حکومت نے پاکستان کے ساتھ تین اعشاریہ دو بلین ڈالر کی فوجی اور اقتصادی امداد کا پانچ سالہ معاہدہ کیا، تاہم امریکی امداد کی بحالی اور قریبی دفاعی تعلقات کے باوجود امریکی کانگریس کے بیش تر اراکین پاکستان کے جوہری اسلحے کے پروگرام کے بارے میں اپنی تشویش کا بہ دستور اظہار کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۸۵ء میں غیر ملکی امداد کے قانون میں مشہور زمانہ ''پریسلر ترمیم'' کے ذریعے امریکی صدر کو اس بات کا پابند کر دیا گیا کہ وہ ہر مالی سال کے دوران امریکی کانگریس کے روبرو اس امر کی تصدیق کریں گے کہ پاکستان کے پاس ایٹمی دھماکے کی غرض سے استعمال کیا جانے والا مواد موجود نہیں ہے۔ ۱۹۸۶ء میں پاکستان کے چار بلین ڈالر کے چھ سالہ امدادی پروگرام کو منظور کر لیا گیا۔ مگر مئی ۱۹۸۸ء میں افغانستان سے روسی افواج کی واپسی کے بعد پاکستان کی جوہری طاقت کے حصول کی غرض سے جاری سرگرمیاں ایک مرتبہ پھر امریکی حکومت کی نظر میں آ گئیں۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں امریکی صدر بش نے پاکستان کی تمام امداد معطل کر دی۔ بہر طور پریسلر ترمیم کے تحت پاکستان کی اقتصادی اور فوجی امداد پر پابندی کے باوجود انسدادِ منشیات کی غرض سے دی جانے والی تین اعشاریہ پانچ ملین ڈالر کی امداد بدستور جاری تھی۔ پاکستان کی اقتصادی اور فوجی امداد کی بندش کا سنگین نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ۱۹۸۰ء میں پاکستان کی جانب سے اکہتر ایف ۱۶ جنگی طیاروں کا آرڈر دیے جانے کے باوجود طیارے اس کے حوالے نہیں کیے گئے۔ (۴۲)

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد صورتِ حال پھر تبدیل ہو گئی، پاکستان یک دم اہمیت اختیار کر گیا، مگر

---

(۴۲) روزنامہ جنگ کراچی/ ۲۶ر جنوری ۲۰۰۳ء/ سنڈے میگزین

Marfat.com

پھر بھی پاکستان سے جو کچھ منوایا گیا وہ بہ جبر منوایا گیا، اور آئندہ کے لئے بھی صورت حال نہ تو صاف ہے نہ اطمینان بخش۔ اس سے قبل ۲۰۰۰ء میں امریکی صدر نے انڈیا کا دورہ کیا، درمیان میں چند گھنٹوں کے لئے وہ پاکستان میں بھی رکے، اس دورے سے پاکستان کو کیا حاصل ہوا، یہ ایک اہم سوال ہے جو مبصرین کے ہاں کثرت سے زیر بحث رہا ہے، لیکن یہ مختصر تبصرہ ملاحظہ کیجئے:۔

سب کہتے ہیں کہ امریکی صدر کے دورے نے امریکہ کی دوستی کا توازن پاکستان سے ہٹا کر بھارت کی طرف جھکا دیا ہے۔(۴۳)

اور امریکی وزیر خاجہ میڈلین البرائٹ نے دورے کے بعد اپنے ایک مضمون میں، جو امریکی اخبارات میں ۴اپریل ۲۰۰۰ء کو شائع ہوا کہا:

بھارت میں جمہوری ادارے زندگی سے بھرپوز ہیں، بنگلہ دیش میں نشو ونما پا رہے ہیں اور پاکستان میں خطرے سے دو چار ہیں۔ صدر امریکہ کے بھارت کے دورے کا بنیادی مقصد بھارت کے ساتھ جوہری دھماکوں سے پہلے مئی ۱۹۹۸ء کی صورت حال کی طرف پلٹنا نہیں بلکہ بہتر اور کارآمد تعلقات کی راہ ہموار کرنا تھا۔(۴۴)

اب صورت حال اس حد تک آ پہنچی ہے کہ صدر پاکستان کو یہ کہنا پڑا:

ہم کوشش کر رہے ہیں کہ عراق کے بعد ہمارا نمبر نہ آ جائے۔(۴۵)۔

اور اس کے چند ہی روز بعد امریکی سفیر متعین پاکستان نے پاکستان کو کشمیر میں مبینہ مداخلت کے حوالے سے سخت تنبیہ کی (۴۶) اور ان کا لہجہ بعض مبصرین کے بقول خالص ''انڈین'' تھا، انہوں نے وہی کچھ کہا جو انڈیا ایک عرصے سے بار بار دہرا رہا ہے، (۴۷) یہ صورتِ حال بین السطور بہت کچھ کہہ رہی ہے، اور پاک امریکہ تعلقات کی طولانی حکایت کا خلاصہ صرف ان دو خبروں ہی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

---

(۴۳) ایشین ایج/۶اپریل ۲۰۰۰ء (۴۴) ترجمان القران/مئی ۲۰۰۰ء (۴۵) جنگ کراچی/۱۹جنوری ۲۰۰۳ء (۴۶) جنگ کراچی/۲۴جنوری ۲۰۰۳ء (۴۷) اس خبر پر جو ردعمل حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر سامنے آیا ہے، اس کو جاننے کے لئے دیکھئے: ۲۴، ۲۵، ۲۶ جنوری کے ڈان، دی نیوز، جنگ کراچی اور دیگر اخبارات

Marfat.com

۱۱ر ستمبر کا واقعہ

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو برق صرف ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر نہیں گری تھی بلکہ اس کی زد میں پوری دنیا کا امن و امان آ گیا ہے، یہ واقعہ خصوصاً مسلم امت کے لئے ایک ایسے سانحے کی شکل میں ہے جس کے برے اثرات رہ رہ کر مسلسل سامنے آ رہے ہیں، اور آنے والے اثرات سابقہ کے مقابلے میں بڑھ کر ہی ہوتے ہیں۔

کہا یہ گیا کہ اس واقعے میں اسامہ بن لادن ملوث ہیں، مگر اس بارے میں جو شواہد پیش کئے گئے اس سے خود مغربی میڈیا بھی متاثر نہ ہو سکا برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے جو شواہد نامہ (evidence) برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے اور جو ۷۰ نکات پر مشتمل ہے وہ ناقابل اعتبار ہے اس رپورٹ کے پہلے ہی پیراگراف میں اعتراف ہے: ''یہ دستاویز اسامہ بن لادن کے خلاف مقدمے کو کسی قانونی عدالت میں پیش کرنے کے لائق بناتی نظر نہیں آتی'' (۴۸)

معروف تجزیہ نگار رابرٹ فسک نے اسی تناظر میں لکھا ہے:

> امریکیوں کو اسے شرق اوسط میں منوانے میں سخت دقت پیش آ رہی ہے۔ اس کا امکان نہیں ہے کہ برطانوی حکومت کی دستاویز جس میں ۱۱ر ستمبر کی ہلاکتوں کی ذمہ داری اسامہ بن لادن پر ثابت کی گئی ہے، عرب دنیا کو مغرب کی دہشت گردی کے خلاف جنگ پر مجتمع کر سکے۔ مذکورہ دستاویز میں ۷۰ میں سے صرف ۹ نکات عالمی تجارتی مرکز اور پنٹاگون پر حملوں سے متعلق ہیں اور اس میں بھی ''قیاس'' پر انحصار کیا گیا ہے نہ کہ شواہد پر (۴۹)

اس واقعے کی تفتیش کی صورت حال کیا ہے، یہ جاننے کے لئے دیکھئے کہ اب تک ۱۹ مردہ ہائی جیکروں سے ملنے والے سراغوں پر ۵۴۰ تفتیشی انٹرویو کئے گئے ہیں، ۴۳۸۷ ہزار ۴ سو عدالتی سمن جاری ہوئے ہیں اور ۵۵۰ سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ ہے جو امریکہ کی حدود

---

(۴۸) خورشید احمد/ امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی/ ص ۱۷۹

(۴۹) دی اینڈی پینڈنٹ/ ۵ر اکتوبر ۲۰۰۱ء

Marfat.com

کے اندر ہوا ہے۔ دیگر ۲۵ ملکوں میں مزید ۱۵۰ افراد گرفتار کیے گئے ہیں، تاہم ہائی جیکروں اور اسامہ بن لادن کے درمیان کوئی ٹھوس رابطہ عوام کے سامنے آنا ابھی باقی ہے۔ (۵۰)

اس تناظر میں یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ ۱۱ر ستمبر کا واقعہ ایک ڈھال تھا، جسے سامنے رکھ کر بین الاقوامی طاقتوں نے اپنے کھیل کا آغاز کیا ہے، ورنہ درحقیقت بات وہ نہیں ہے جو بیان کی جارہی ہے۔

امن کی راہ میں اصل رکاوٹ

حالات، قرائن اور شواہد اس وقت یہ کہہ رہے ہیں کہ فی الوقت دنیا کے امن وامان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خود امریکہ ہے، اور یہ تجزیہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے، جس میں کسی قسم کی جانبداری اور تعصب کو کوئی دخل نہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ نہ صرف یہ کہ پوری دنیا میں تن تنہا جمہوریت، حقوق انسانی، مساوات اور عدل وانصاف کا داعی وعلم بردار ہے، بلکہ وہ اپنے نظریات اور اپنی معاشی، معاشرتی اور سیاسی اقدار کو دوسروں پر تھوپ دینے کا بھی عزم رکھتا ہے، اور صرف عزم نہیں رکھتا، اسے پورا کرنے کے لئے بھی پوری کوششیں اور تمام دستیاب وسائل جھونک دینے پر تیار ہے، ایسے میں بھلا انصاف کیسے ہوسکتا ہے؟ اور امن وامان کیونکر قائم رہ سکتا ہے؟ اس صورت حال کا امریکی مفکرین کو بھی احساس ہے، ایک امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ٹونی اسمتھ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> امریکی طرز حیات، اقدار اور اداروں کو روبہ عمل لانے کی کوشش میں ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے نہیں کہ امریکی طاقت محدود ہے، بلکہ اس لیے کہ بڑے پیمانے پر اس کا استعمال بھی ان عقائد اور طریقوں میں اصلاح نہ کرسکے گا جو بنیادی طور پر امریکی طریقہ کار کے مخالف ہیں۔ چین، مسلم دنیا یا روس کا امریکی مطالبوں کے آگے سپر ڈالنے کے لیے آمادہ ہونے کا آخر کیا امکان ہے؟ (۵۱)

---

(۵۰) اکانومسٹ/ ۶ر اکتوبر ۲۰۰۱ء/ص ۵۲ (۵۱) ایتھکس اینڈ انٹرنیشنل افیئرز/ مئی ۲۰۰۱ء

Marfat.com

جبکہ معروف امریکی مفکر والٹرلپ میں نے بھی بڑی پتے کی بات کہی ہے:

جب ایک قوم ساری دنیا کے نظام کو یکساں شکل دینے کی ذمہ داری خود سنبھال لے تو یہ دوسروں کو اپنے خلاف متحد ہونے کی دعوت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں اس کا امکان ہے کہ جوہری اسلحہ صدی کے اختتام سے پہلے وسیع پیمانے پر تقسیم ہو، یہ امریکی عوام کی قومی سلامتی کے لئے کوئی خوش کن راستہ نہیں ہے۔ (۵۲)

وہ مزید لکھتا ہے:

امریکہ اپنی موجودہ عظیم طاقت کو دنیا میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کے لئے استعمال کرسکتا ہے جس میں غریب اقوام ترقی کے من پسند راستے اختیار کرسکیں۔ مگر یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ جب تک امریکی یہ خام خیالی نہ چھوڑ دیں کہ دنیا بھر میں تبدیلی لانا ان کا حق اور فرض ہے، خود امریکیوں کو بھی امن نصیب نہیں ہوسکتا۔ (۵۳)

اور کالمیر جانسن نے تو کھل کر کہہ دیا ہے:

امریکی افسران اور میڈیا عراق اور شمالی کوریا جیسی سرکش ریاستوں کے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں، لیکن ہمیں خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کہیں امریکہ خود تو ایک سرکش سپر پاور نہیں بن گئی ہے؟ (۵۴)

نئے عالمی نظام کے مختلف پہلو

اس نظام کے متعلق تفاصیل تو بہت سی ہیں، جنہیں اس محدود گنجائش میں اختصار کے ساتھ ذکر کرنا بھی مشکل ہے، لیکن چند امور ایسے ہیں جنہیں اس نظام کے مختلف مظاہر یا اہم پہلو قرار دیا جاسکتا ہے، یہ پہلو خصوصیت کے ساتھ مسلم امت سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کی اہمیت بھی دو

---

(۵۲) پروفیسر خورشید احمد/ص ۱۱۳ (۵۳) ایضاً (۵۴) Blow back The costs and consequences of American Empire /p216

Marfat.com

چند ہے، اور یہ ہماری فوری توجہ اور گہرے مطالعے وغور وفکر کے بھی متقاضی ہیں، اس لئے انہیں ذکر کرنا ناگزیر ہے۔ چند مظاہر یہ ہیں، ۱، عالمگیریت، ۲، جمہوریت، ۳، خاندانی منصوبہ بندی، ۴، طاقت کا استعمال، ۵، اباحیت پسندی، ۶، خواتین کی آزادی، ۷، ٹیکنالوجی۔

عالمگیریت

عالمگیریت (GLOBALISATION) درحقیقت پوری دنیا کو نظام کے شکنجے میں جکڑ لینے کا نام ہے، اس کا واحد مقصد مالی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار پر اپنا تسلط ہے، اس کے نفاذ کے بعد صرف ایک غالب نظام بچے گا، جس کو بڑی طاقتوں کی حمایت حاصل ہوگی، باقی سب کو فنا ہو جانے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ اس کے چند مظاہر جواب تک سامنے آ چکے ہیں وہ یوں ہیں۔

۱۔ ابلاغ عامہ پر کنٹرول

اس کا سب سے بڑا مظاہرہ جنگ خلیج کے موقع پر کیا گیا، جب امریکی وزارتِ دفاع پینٹا گون نے تمام صحافیوں پر پابندی لگادی کہ اس کی مرضی کے مطابق ہی رپورٹنگ کی جائے گی، چنانچہ وہ صرف ان ہی منتخب صحافیوں کو بھیجتا تھا، جو رپورٹوں کی تیاری کے دوران اس کی رائے کا لحاظ کرتے تھے، امریکی پالیسی اس قدر جانب دارانہ اور قابل اعتراض تھی کہ فرانس، برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک کو بھی اس پر احتجاج کرنا پڑا (۵۵) اگرچہ یہ احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا، مگر اس واقعے نے عالمگیریت بذریعہ ابلاغ کا پہلو دنیا پر واضح کر دیا۔

۲۔ مالیاتی کنٹرول

مالیاتی کنٹرول بھی عالمگیریت کا حصہ ہے، اس کا مقصد پوری دنیا کو مالی شکنجے میں کس کر اپنا غلام بنانا ہے، تاکہ پھر ان سے مرضی کے کام لئے جاسکیں، آج کے دور میں اسٹاک مارکیٹوں پر نظر رکھ کر اور انہیں مختلف حربوں کے ذریعے کنٹرول کر کے، نیز کریڈٹ کارڈ کا اجرا کر کے براہِ

---

(۵۵) نذر الحفیظ ندوی/ص ۲۳

Marfat.com

راست بینکوں سے لین دین کو فروغ دے کر، ناپسندیدہ افراد کے اکاؤنٹ خود منجمد کر کے اور دوسرے حکومتوں پر دباؤ ڈال کر یہ اقدام کروا کے درحقیقت عالمگیریت ہی کو فروغ دیا جارہا ہے، اور اصل مقصد اپنی بالادستی ہے، ایسی بالادستی جس کو کوئی چیلنج کرنے والا نہ ہو۔

آئی ایم ایف بھی اس مالیاتی کنٹرول کا ایک مہرہ ہے، اس سلسلے میں پاکستان کی مثال دی جاسکتی ہے، پاکستان ۸۸ء تک آئی ایم ایف کے دامن کا اسیر نہ ہوا تھا، اس وقت تک صورتِ حال یہ تھی کہ ہماری مجموعی قومی پیداوار کی شرح ترقی ۳ء۶ فیصد سالانہ تھی، غربت کی شرح ۱۷ر فیصد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ر فیصد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۱ر فیصد تھی، مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے ''سہارا'' دیا تو یہ صورت حال ہوگئی کہ سالانہ شرح ترقی ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۴ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ فیصد اور صنعتی شرح نمو ۲ فیصد پر آگئی۔ (۵۶) درحقیقت آئی ایم ایف ایک ایسا مالیاتی آمر ہے، جس کے فیصلے کبھی کسی بھی ملک کے لئے مفید ثابت نہیں ہوسکتے۔ (۵۷)

۳۔ تہذیبی کنٹرل

جس کے تحت پوری دنیا کو برگر اور جینز فیملی میں تبدیل کرنا مقصود ہے۔

۴۔ ذاتی و شخصی پرائیویسی ختم کرنا

جس کے لئے بہت سے اقدامات کئے جارہے ہیں، مثلاً انٹرنیٹ اور سیلولر فون کا آزادانہ استعمال، مواصلاتی ذرائع کی فراہمی، خفیہ کیمروں کی بہتات، یورپ میں اس کا تجربہ بھی ہوچکا ہے کہ مشہور اور اہم مقامات کو کیمروں کے ذریعے کور کرلیا گیا ہے، اور ڈیٹا بیس بنا کر پوری قوم کے شواہد و کوائف جمع کرنے کا کام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس پر بھی پوری دنیا میں کام ہورہا ہے

۵۔ آزاد منڈی

عالمگیریت کا سب سے زیادہ زور آزاد منڈی پر ہے، اس مقصد کے لئے جو تجربات اور

(۵۶) ماہنامہ ساحل، کراچی/اکتوبر ۲۰۰۰ء/ص ۵۰

(۵۷) آئی ایم ایف کے طریقہ کار اور پاکستان پر اس کے اثرات کے لئے ملاحظہ کیجئے، ساحل۔ ایضاً

Marfat.com

اقدامات کئے جارہے ہیں ان سے براہِ راست ملٹی نیشنل کمپنیوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، جس کے نتیجے میں مقامی اور ملکی صنعتوں اور تجارتی اداروں کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے اور حکومتی سطح پر بھی خسارے کا سامنا ہے، کیونکہ سرمایہ اور منافع بیرونی ملک منتقل ہورہا ہے، جس کے نتیجے میں غربت بڑھ رہی ہے، اور بے روزگاری میں اضافہ ہورہا ہے۔ اسی بناپر عالمگیریت کے خلاف خود مغرب کے تمام ملکوں میں احتجاج اور مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے، جن کے نتیجے میں بہت سے ممالک سے ہنگاموں کی بھی اطلاعات ہیں، کئی ممالک میں یہ مظاہرے پرتشدد ہوگئے ہیں، جس کے نتیجے میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہوچکی ہیں۔ (۵۸)

جمہوریت

جمہوریت عالمگیریت کا دوسرا اہم عنصر ہے، جمہوریت کا ٹائٹل یقیناً خوش نما ہے، مگر اس سے جو کچھ حقیقت میں مراد ہے، وہ کسی طور بھی خوش آئند نہیں، اس سے مراد تمام انسانوں کی مساوات نہیں، نہ اس سے مراد لوگوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے اعتقادات، اقدار و ترجیحات کی روشنی میں اپنے لئے کسی نظام کا انتخاب کریں، بلکہ اس سے مغربی جمہوریت مراد ہے، جو غیر جانبداری کی آڑ میں جانبداری کی مثال ہے، ورنہ جمہوریت سے اگر عوام کی رضامندی ہی مراد ہوتی تو الجزائر کے اسلام پسند مسلمانوں پر آمریت مسلط نہ کی جاتی، اسی طرح اگر جمہوریت پسندی کا مطلب یہ ہوتا کہ عوام کو اپنی پسند کا نظام اختیار کرنے کا حق ہے تو طالبان حکومت کو افغانستان میں کام کرنے سے یہ جبر نہ روکا جاتا۔

دوسری جانب خود ان جمہوریت پسندوں کا کیا حال ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کے یہ علم بردار کسی بالاتر قانون اور کسی غیر جانب دار اتھارٹی کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں، انہوں نے اقوام متحدہ کو ایک غیر مؤثر ادارہ بنادیا ہے۔ جنرل اسمبلی کے پاس کوئی اختیار نہیں اور سیکورٹی کونسل میں پانچ طاقتوں کو ویٹو کا حق حاصل ہے اب اگر اس حق کی توسیع کی بات بھی ہورہی ہے تو وہ بھی کسی جمہوری اصول پر نہیں بلکہ اپنے ہی چند چہیتے بھائیوں کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کے منصوبے

---

(۵۸) ساحل اکتوبر ۲۰۰۰ء

Marfat.com

بنائے جا رہے ہیں۔ جمہوریت کا فلسفہ بھی اسلام کے منافی ہے، جمہوریت میں سب کچھ عوام کو تسلیم کیا گیا ہے اور ان کی رائے کو اوّلیت دی گئی ہے، جبکہ اسلام کے نزدیک حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے علاوہ کسی کو اختیار حاصل نہیں، اور اس کے حکم کے مطابق اس کا پیغمبر اس کے احکامات کی تنفیذ کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۵۹)

اور دوسری جگہ فرمایا:

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

آگاہ ہو جاؤ، بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۶۰)

اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد مشاورت پر ہے، اور اپنے معاملات طے کرنے کے لئے مشاورت کا حکم دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کو فرمایا گیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ

اور آپ ان (صحابہ) سے کام میں مشورہ کیا کیجئے (۶۱)

جب یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول تو اس سے مستغنی ہیں مگر اللہ نے مشورے کو میری امت کے لئے رحمت بنا دیا ہے، سو جو کوئی مشورہ کرے گا وہ ضرور ہدایت پائے گا۔ اور جو کوئی مشورہ چھوڑ دے گا، وہ ضرور گمراہ ہوگا۔ (۶۲)

مغربی جمہوریت کے بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا یہ جملہ قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے:

ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی ریاست

---

(۵۹) یوسف: ۴۰ (۶۰) الانعام: ۶۲ (۶۱) آل عمران: ۱۵۹

(۶۲) آلوسی/ روح المعانی/ جلد ۲۵/ ص ۱۰۶

Marfat.com

مغربی طرز کی لادینی جمہوریت نہیں، اس لئے کہ جمہوریت تو فلسفیانہ نقطہ نظر سے نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہو، انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر وتبدل ہو، جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے وہ نہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کردیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے، یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے سے دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے، لہٰذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے لئے زیادہ صحیح نام الٰہی حکومت ہے۔ (۶۳)

خاندانی منصوبہ بندی

خاندانی منصوبہ بندی کا عنوان تیسری دنیا کے ممالک کیلئے کوئی نئی چیز نہیں، چونکہ ان ممالک میں غربت ایک نظر آنے والی حقیقت ہے اس لئے منصوبہ بندی کا یہ پروگرام ان ممالک کے ''دانش ور'' طبقے کے لئے خاصی کشش رکھتا ہے، گذشتہ دنوں بھی ایک پاکستانی ادارے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاپولیشن اسٹڈیز نے اس جانب توجہ دلائی ہے، اس کے اعلامیے میں کہا گیا کہ: پاکستان کی آبادی میں آٹھ افراد فی منٹ کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اگر یہی شرح جاری رہی تو اگلے ۳۳ برسوں میں ملکی آبادی دگنی ہو جائے گی آبادی میں بے تحاشہ اضافے سے وسائل کم اور مسائل بڑھ رہے ہیں۔ (۶۴)

یہ پروپیگنڈا نصف صدی سے جاری ہے کہ آبادی میں مسلسل اضافہ اور وسائل میں کمی ہو رہی ہے، اس لئے آبادی میں اضافے کی شرح پر کنٹرول ناگزیر ہے، آیئے دیکھیں کہ اس پروپیگنڈے کی حقیقت کیا ہے؟

ماضی قریب میں سب سے پہلے تھامس رابرٹ مالتھس نے (جو ایک متعصب اور نسل پرست عیسائی تھا) آبادی کے مسئلے کو سائنسی بنیاد پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا:

---

(۶۳) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ/ اسلام کا نظریۂ سیاسی/ لاہور/ ص ۲۴

(۶۴) روزنامہ جنگ کراچی ،۱۲ اگست ۲۰۰۲ء

Marfat.com

آبادی میں اضافہ ضرب کی صورت میں ہوتا ہے (۲ سے ۴، ۴ سے ۸، ۸ سے ۱۶) جب کہ خوراک میں اضافہ جمع کی صورت میں ہوتا ہے (۲ سے ۴، ۴ سے ۶) اس قدرتی نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ابتدا میں خوراک انسانی آبادی کے لئے کافی ہو تو بھی دونسلوں کے بعد انسانوں کی تعداد اتنی بڑھ جائے گی کہ اضافہ شدہ خوراک کے ذخیرے ان کے لئے ناکافی ہو جائیں یعنی آبادی دونسلوں میں ۲ سے بڑھ کر ۸ ہوگی جب کہ خوراک ۲ سے بڑھ کر صرف ۶ تک ہی پہنچے گی۔(۶۵)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے مالتھس کے زمانے تک انسانوں کی دونسلوں سے زیادہ گزر چکی تھیں۔ اگر مالتھس کا نظریہ ایک سائنسی حقیقت ہوتا تو پوری انسانیت اس کے زمانے تک پہنچنے سے بہت پہلے ہی قدرتی قانون کے تحت عدم آباد کی راہ لے چکی ہوتی۔ حالانکہ مالتھس کے زمانے سے اب تک انسانی آبادی کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے لیکن خوراک کی پیداوار میں اضافہ اس سے بھی زیادہ ہوا ہے۔ مثلاً ۱۹۵۰ء تک دنیا کی آبادی دگنی ہوگئی لیکن اسی عرصے میں خوراک کی پیداوار تین گنی ہوگئی۔(۶۶)

اس کے بعد دوسرا نمایاں شخص جس نے اس پروپیگنڈے کے لئے پوری قوت استعمال کی۔ پال اہرلک (Paul Ehrlich) تھا۔ اس نے کہا کہ دنیا میں معدنیات، سونا، چاندی، لوہا، تیل وغیرہ محدود مقدار میں ہیں اور اگر آبادی ایک حد سے بڑھ گئی تو ان کی مقدار انسانی ضروریات کے لئے کافی نہیں رہے گی۔ ۱۹۶۸ء میں اس نے ایک کتاب ''آبادی کا بم'' کے نام سے لکھی جو پوری دنیا میں پھیلائی گئی۔(۶۷) اس کی پیشن گوئی کے مطابق آج سے دو عشرے قبل ہی دنیا کو اپنی آبادی کے بوجھ تلے دب کر ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن دنیا ابھی تک موجود ہے اور اپنی جگہ برقرار بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ خوراک، معدنیات یا دوسرے قدرتی وسائل کی بنیاد پر آبادی کو محدود

(۶۵) خالد بیگ/ بچے کم خوشحال گھرانہ، حقیقت یا افسانہ/ مشمولہ، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی/ مدیر ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری/ ستمبر ۲۰۰۲ء/ ص ۴۹ (۶۶) ایضاً/ ص ۵۰ (۶۷) ایضاً

Marfat.com

کرنے کی کوئی عقلی، سائنسی، تجرباتی بنیاد فراہم کی ہی نہیں جاسکتی۔ قدرتی نظام ہی ایسا ہے کہ جیسے جیسے انسان کی ضروریات پھیلتی ہیں ان کو پورا کرنے کے اسباب بھی پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ پورا تاریخی تجربہ اس پر شاہد ہے۔ ہاں ہم کسی محدود رقبے کے لئے یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہاں لوگ گنجائش سے زیادہ ہوگئے ہیں، چنانچہ آبادی کی بحث رقبے کے حوالے سے ہی کی جاسکتی ہے۔ یعنی کثافت آبادی (Population density)۔ یوں دیکھا جائے تو اعداد و شمار ہمیں کوئی اور ہی کہانی سناتے ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں پاکستان کی کثافت آبادی ۱۶۵ افراد فی مربع کلومیٹر تھی۔ جبکہ اسرائیل کی اس سے تقریباً دگنی یعنی ۲۸۲ تھی۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ کوئی اسرائیل کو آبادی کم کرنے پر مجبور کررہا ہے؟ یہ دلچسپ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ USAID باقی دنیا بشمول پاکستان میں آبادی کم کرنے کے لئے پیسے خرچ کرتا ہے لیکن اسرائیل کو اس کی امداد آبادی بڑھانے کے لئے خرچ کی جاتی ہے۔ کچھ ممالک کے اعداد و شمار یہ ہیں۔ ہانگ کانگ ۶۵۷۱، سنگاپور ۵۵۳۹، جاپان ۳۳۶، برطانیہ ۲۴۴، نیدرلینڈ ۶۱۶، انڈونیشیا ۱۱۸۔ یہ خیال رہے کہ سنگاپور، جاپان اور برطانیہ اپنی آبادیاں بڑھانے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہاں اس فہرست میں سے انڈونیشیا کو آبادی کم کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ (۶۸)

اس بحث کا چونکا دینے والا پہلو یہ ہے کہ اسرائیل کی آبادی میں اس وقت مسلسل اضافہ ہورہا ہے اور اس کی آبادی ۲۵ لاکھ سے بڑھ کر ۶۲ لاکھ تک جاپہنچی ہے۔ (۶۹) سوال یہ ہے کہ وہاں آبادی میں اضافے کی حوصلہ افزائی کیوں کی جارہی ہے؟ اگر یہ اضافہ جرم ہے تو صرف مسلم ممالک میں کیوں، اسرائیل وغیرہ میں کیوں نہیں؟ (۷۰)

حالانکہ اسلام کا پیغام بہت واضح ہے، وہ کہتا ہے کہ رزق کی ذمے داری اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لئے اولاد کو رزق میں کمی کے خوف سے قتل نہ کیا جائے، قرآنِ حکیم میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

اور مفلسی کے ڈر سے تم اولاد کو قتل نہ کرو، ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں، اور

---

(۶۸) ایضاً/ص ۵۱ (۶۹) ماہنامہ ساحل/فروری ۲۰۰۰ء/ص ۶۸ (۷۰) اسرائیل میں آبادی کی موجودہ صورتحال اور اضافے کے اسباب وعوامل جاننے کے لئے ملاحظہ کیجئے، ساحل/ص ۶۷ (فروری ۲۰۰۰ء)

Marfat.com

تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بڑی خطا (گناہ) ہے۔(۷۱)

البتہ کسی نجی ضرورت اور ضرر کو دور کرنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی اجازت ہے۔(۷۲)

طاقت کا استعمال

گلوبلائزیشن کا ایک اہم پہلو طاقت کا استعمال ہے، اس کے بہت سے مظاہرے گذشتہ چند برسوں میں سامنے آچکے ہیں جن میں جنگِ خلیج، الجزائر، بوسنیا اور مشرقی تیمور اور حال میں افغانستان کا واقعہ سرفہرست ہیں۔ جنگ خلیج کے دونوں فریق نقصان میں اور صرف امریکہ واتحادی فائدے میں رہے، (۷۳) الجزائر میں ''جمہوریت پسندوں'' نے صرف اسلام دشمنی میں ''آمریت'' کی پشت پناہی کی، اور جمہوری انتخابات کے ذریعے کامیاب ہونے والوں پر اقتدار کے در بند کردیئے اور صرف یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کیا گیا، اور جبر، ظلم و بربریت کے نئے عنوانات قائم ہوئے (۷۴) جبکہ وہی لوگ جو کشمیریوں کی جدوجہد کو تسلیم کرنے اور فلسطینیوں کی تحریک کو ماننے سے انکاری ہیں، انڈونیشیا میں مسلمانوں کے قلب میں مشرقی تیمور کے نام سے عیسائی ریاست قائم کرگزرے، (۷۵) اور افغانستان کا مسئلہ تو حال ہی کا ہے، جس پر گذشتہ سطور میں اظہار خیال بھی ہوچکا ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ امریکہ ہر طرح سے اپنی قوت اور طاقت کے اظہار واستعمال پر کمربستہ ہے، اس لئے صدر بش بلاتکلف یہ کہہ رہے ہیں کہ:

> امریکہ اپنے دشمنوں پر پیش بندی کے طور پر حملہ کرنے سے نہیں ہچکچائے گا خواہ اسے بین الاقوامی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ وہ اپنی فوجی بالادستی کو خطرے میں پڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دے گا۔ عقل عام اور خود اپنے دفاع کا تقاضا یہ ہے کہ امریکہ اس طرح کے ابھرنے والے خطروں کے

---

(۷۱) بنی اسرائیل: ۳۱ (۷۲) تفصیلی احکام کے لئے ملاحظہ کیجئے مفتی محمد تقی عثمانی/ ضبطِ ولادت/ دارالاشاعت، کراچی ☆ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ/ ضبطِ ولادت/ اسلامک پبلی کیشنز لاہور

(۷۳) نذر الحفیظ ندوی/ مغربی میڈیا اور اس کے اثرات (۷۴) محمد صدیق شاہ بخاری/ رواداری اور مغرب/ علم وعرفان پبلیشرز، لاہور/ ص ۱۱۶ تا ۱۱۸ (۷۵) ایضاً/ ص ۴۸۵ تا ۵۲۰

Marfat.com

خلاف ان کے مکمل شکل اختیار کرنے سے پہلے اقدام کرے۔(۷۶)

یہ تمام مظاہر اس امر کے غماز ہیں کہ گلوبلائزیشن یا عالمگیریت درحقیقت ہر طرح سے طاقت کی مکمل حکمرانی کے قیام کا نام ہے، اور طاقت کا استعمال اس کا ایک اہم عنصر ہے۔

ٹیکنالوجی

نئے عالمی نظام کا ایک اہم ستون اور مغرب کا ایک اہم ہدف ٹیکنالوجی ہے۔ خصوصیت سے نیوکلیر اور ہائی ٹیک (Hi-tech) کمپیوٹر ٹیکنالوجی پر مغربی اقوام کی اجارہ داری ہے۔ نئے عالمی نظام کا بنیادی ستون امریکہ کی مستقل اور ناقابل چیلنج عسکری قوت کا استحکام اور اسے جہاں سے بھی خطرہ ہو اسے ختم کرنے کا حق ہے اور اس کی زبان میں ایٹمی عدم پھیلاؤ کا مقصد دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنا نہیں بلکہ مغرب کی نیوکلیر بالادستی کو دائمی بنانا اور اسے لاحق ہونے والے ہر چیلنج کا راستہ روکنا ہے۔ کیمیاوی اور گیس کے ہتھیاروں پر پابندی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اسی طرح میزائل کے نظام کو لگام دینے کا پروگرام بھی اسی عسکری بالادستی کے تحفظ کے لئے ہے۔

اس ساری منصوبہ بندی کا ہدف مسلمان بن رہے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو نہ صرف اس پہلو سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا، بلکہ اپنی توانائیاں اس کا توڑ کرنے میں بھی صرف کرنی ہوں گی۔

خواتین کی آزادی

خواتین کی آزادی بھی ایسا ایشو ہے جس پر گفتگو عرصے سے جاری ہے، لیکن نئے عالمی نظام میں اس کو خاص طور پر باقاعدہ حیثیت دی گئی ہے، اور اس کا مقصد مسلم خاتون کو عزت و احترام سے محروم کر کے اسلام کے خاندانی سسٹم کو ختم کرنا ہے، جو کہ مغرب میں بالکل نابود ہو چکا ہے، یہ ایک اہم ہدف ہے، مگر ہم صرف نعرے بازی سے متاثر ہو کر اس خوشنما ٹائٹل میں ملفوف حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اس ضمن میں این جی اوز کا کردار بھی اہم ہے، این جی اوز اگرچہ مختلف اچھے ایشوز پر کام کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن ان کے بارے میں اب یہ تاثر پوری دنیا میں عام ہو رہا ہے کہ یہ

(۷۶) ہفت روزہ/ دی گارڈین، ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۲ء

Marfat.com

درحقیقت وہ کام نہیں کرتیں جس کا وہ اظہار کرتی ہیں بلکہ پس پردہ مقاصد کچھ اور ہوتے ہیں۔ حکومتوں اور عوام کے معاملات میں ان کی مداخلت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ان کا مجموعی بجٹ عالمی بنک کے بجٹ سے بھی زیادہ ہے (۷۷) خواتین کی آزادی کے نام پر جو کچھ ہورہا ہے۔اس کے پیچھے این جی اوز کا کردار اہم اور نمایاں ہے، (۷۸) اس سمت بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اباحیت پسندی

اباحیت پسندی، بے حیائی اور بے راہ روی کا فروغ بھی نیو ورلڈ آرڈر کا ایک اہم حصہ ہے اس کے بہت سے پہلو ہیں، جن میں آج کل سب سے زیادہ اہم اور تیزی سے فروغ پانے والی برائی ویلنٹائن ڈے ہے، اسے اظہار محبت اور وفاؤں کے عہد و پیمان کا دن قرار دیا گیا ہے۔ صرف دو سال پہلے تک اس کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا، مگر آج اس کی گلی گلی دھوم ہے، اس دن کی کوئی اصل یا حقیقت تاریخی طور پر نہیں ملتی، مختلف بیانات البتہ ملتے ہیں (۷۹) مگر وہ خود آپس میں اس قدر متضاد ہیں کہ ایک دوسرے کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، البتہ اس قدر بیان واضح ہے:

> ویلنٹائن نام کے دو مسیحی اولیا (Saints) کا نام ملتا ہے۔ان میں سے ایک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ روم کا ایک پادری تھا جسے رومی دیوتاؤں کی پوجا سے انکار کرنے پر ۲۶۹ء میں شہنشاہ کلاڈیئس II (Cladius-II) کے حکم پر موت کی سزا دی گئی۔دوسرا ٹمی (Temi) کا ایک بشپ تھا جس کو لوگوں کو شفا بخشنے کی روحانی طاقت حاصل تھی۔اسے اس سے بھی کئی سال پہلے ''شہید'' کردیا گیا تھا۔آیا کہ ایک سینٹ ویلنٹائن تھا یا اس نام کے دو افراد تھے؟ یہ ابھی تک ایک کھلا ہوا سوال ہے۔البتہ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ ان دونوں کا محبت کرنے والے

---

(۷۷) ماہنامہ ساحل کراچی/ مارچ ۲۰۰۱ء/ص ۱۳ (۷۸) این جی اوز کے بارے میں تفصیل سے جاننے کے لئے دیکھیے ماہنامہ ساحل/ فروری ۲۰۰۰ء، مارچ ۲۰۰۱ء، (۷۹) محمد عطا اللہ صدیقی/ ویلنٹائن ڈے پر شرمناک طرز عمل/ مشمولہ ماہنامہ محدث، لاہور، مدیر اعلیٰ حافظ عبدالرحمن مدنی/ مارچ ۲۰۰۲ء/ص ۴۶

Marfat.com

جوڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محبت کے پیغامات یا تحائف بھیجنے کا رواج بعد میں غالباً از منہ وسطیٰ میں اس خیال کے تحت شروع ہوا کہ ۱۴ر فروری پرندوں کی جنسی مواصلت کا دن ہے۔ مسیحی کیلنڈر میں یہ دن کسی سینٹ کی یاد میں تہوار کے طور پر نہیں منایا جاتا۔(۸۰)

اس لئے ضروری ہے کہ اس طرح کی تمام بے ہودہ رسومات کا تعاقب کیا جائے اور انہیں اپنے معاشرے میں پھیلنے پھولنے نہ دیا جائے۔

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

سطور بالا میں پیش کی جانے والی صورت حال کسی اعتبار سے بھی نہ خوش آئند ہے نہ اطمینان بخش ہے، ان حالات میں امتِ مسلمہ پر بجا طور سے بہت بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن سے عہد برا ہو کر ہی ہم اس شدید بحرانی کیفیت سے نکل سکتے ہیں، اس سلسلے میں امتِ مسلمہ کی ذمے داریوں کو ذیل کی سطور میں چند عنوانات کے تحت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دہشت گردی

امتِ مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے، اور جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سلامیت کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں، پھر اگر کہیں پر مسلمان تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اپنی بقا و سلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بجائے الٹا مسلمانوں ہی کو موردِ الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ اس موقع پر مسلم امہ پر سب سے پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ مغرب

---

(۸۰) The Harper Lollins Encyclopeadia of Catholicism: 1997 p, 1294

Marfat.com

سے مرعوبیت کی بجائے جہاد کا اسلامی تصور پوری قوت وطاقت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں اور جہاد کے عمل کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق جاری کریں، اوران تمام خارجی عناصر کو جو اسلامی تعلیمات کا حصہ نہیں ہیں اپنی زندگیوں سے خارج کریں، دوسرے یہ کہ پہلے مرحلے پر یہ طے کیا جائے کہ دہشت گرد ہے کون؟ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد ہے، وہ دوسرے کے نزدیک مجاہدِ حریت ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاست دان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے، اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کو جنگ آزادی کے سپاہی قرار دے کر ان کی تعریف کررہی تھی۔ فلسطین کے رہنما یاسر عرفات دہشت گرد تھے اوراب وہ دہشت گرد نہیں۔ آئرلینڈ کی سن فین (Sinn Fein) کے جیری آدمس بھی جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا کی طرح دہشت گرد تھے اوراب وہ بڑے عظیم مدبر اور رہنما ہیں۔ کم از کم تین اسرائیلی وزرائے اعظیم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جا سکتا تھا۔ (۸۱)

۳۰ رسال قبل چومسکی نے ہمیں یاد دلایا تھا کہ قومی تحفظ کے نام پر اذیت اور دہشت گردی کے آلات استعمال کرنے والی حکومتوں کی دوتہائی تعداد امریکہ کی گاہک ہے۔ اگر ہم اس اُصول پر توجہ دیں کہ دہشت گردوں کو تحفظ اور مالی مدد کون مہیا کررہا ہے تو ہمیں ایک بار پھر مغربی طاقتیں، مشرقِ وسطی اور جنوب میں ان کے حلیف ہی ملزم نظر آئیں گے۔ (۸۲)

۲۵ ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو امریکہ کے وزیر داخلہ جارج شلز نے جو اس وقت نیو یارک میں دہشت گردی پر ایک طویل تقریر کی۔ لیکن اس میں ایک جگہ بھی لفظ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

(۱)۔ جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں۔
(۲)۔ دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے۔
(۳)۔ دہشت گردی مغربی تہذیب کے لئے ایک دھمکی کا نام ہے۔
(۴)۔ دہشت گردی مغربی اخلاقی اقدار کے لیے ایک خطرہ ہے۔

---

(۸۱) ماہنامہ محدث/ نومبر ۲۰۰۲ء/ ص ۴۷ (۸۲) ایضاً / ص ۴۸

Marfat.com

آپ نے غور کیا کہ یہ لوگ دہشت گردی کی تعریف بیان نہیں کرتے، اس لئے کہ تعریف بیان کرنے کا مطلب ہے تجزیے، گرفت یا کسی قسم کی مستقل مزاجی سے وابستگی (۸۳) اور اس صورت میں ان کے بیانات کی حقیقت کا کھل جانا لازمی ہے۔

دہشت گردی کی حالیہ اصطلاح صرف مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جارہی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مغرب کا ریکارڈ اس بارے میں خاصا سیاہ ہے، اس حد تک سیاہ کہ مسلم امت اس کے پاسنگ بھی نظر نہیں آتی، صرف امریکہ کو لیجئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے عرصے میں امریکہ نے جن ملکوں سے جنگ کی اور جن پر بمباری کی، ان کی فہرست یہ ہے:

چین (۴۶/۱۹۴۵ء، ۵۳-۱۹۵۰)، کوریا (۵۳-۱۹۵۰)، گوئٹے مالا (۱۹۵۴ء، ۴۹-۱۹۶۷ء)، انڈونیشیا (۱۹۵۸ء)، کیوبا (۶۰-۱۹۵۹ء) بلجیین کانگو (۱۹۶۴ء، پیرو (۱۹۶۵ء)، لاؤس (۷۳-۱۹۶۴ء)، ویت نام (۷۳- ۱۹۶۱ء)، کمبوڈیا (۷۰- ۱۹۶۹ء)، گریناڈا (۱۹۸۳ء)، لیبیا (۱۹۸۶ء)، ایل سلواڈور (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ)، نکاراگوا (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ)، پانامہ (۱۹۸۹ء)، عراق (۹۹- ۱۹۹۱ء)، بوسنیا (۱۹۹۵ء) سوڈان (۱۹۹۸ء)، یوگوسلاویہ (۱۹۹۸ء) اور اب افغانستان (۲۰۰۲ء)! (۸۴)

اس بارے میں پروفیسر خورشید احمد کے خیالات ہر مسلمان کی ترجمانی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں

> دہشت گردی (Terrorism) کے باب میں جو محاذ کھولا گیا ہے، اس کا مقصد بھی دنیا میں ابھرنے والی ہر متبادل قوت کو ایک قسم کے سوچے سمجھے تشدد کا نشانہ بنانا ہے، جو خود انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے۔ کوئی صحیح العقل انسان دہشت گردی اور تشدد کی حمایت نہیں کرسکتا لیکن مظلوم اگر ظالم کے خلاف ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جائے یا محکوم اقوام اپنی آزادی کے لئے سیاسی جدوجہد کی راہیں مسدود ہونے کی صورت میں ظالم اور استعماری حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کریں تو اسے دہشت گردی کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اگر یہ دہشت گردی ہے تو دنیا کے موجودہ

(۸۳) ایضاً/ص ۴۹ (۸۴) ایضاً/ص ۵۶

Marfat.com

سیاسی نقشے کا ۸۰ فی صد ایسی ہی جدو جہد کے نتیجے میں صورت پذیر ہوا ہے اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔ اس کی سب سے قریبی مثال مشرقی تیمور ہے، جہاں ۲۰ سالہ عسکری جدو جہد کے بعد اقوام متحدہ کے زیر انتظام استصواب ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مشرقی تیمور اپنے تیل کے ممکنہ ذخائر کی وجہ سے مغربی اقوام کی توجہ کا مرکز بنا ہے، اور ایک مسلمان ملک کو کمزور کر کے ایک عیسائی ریاست کا قیام اس کا نتیجہ ہے۔ لیکن بات اصول کی ہے اور جس حق کے تحت اقوام متحدہ کے ۱۳۰ ممالک آزاد ہوئے ہیں اسے محض اس لئے دہشت گردی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ کشمیر، کوسووا، چیچنیا اور منڈاناؤ میں اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا۔ (۸۵)

اس لئے امتِ مسلمہ کو پورے اتحاد کے ساتھ اس مسئلے پر توجہ دینے کی فوری ضرورت ہے

تہذیبی ٹکراؤ

اس وقت امت مسلمہ کو درپیش ایک اہم مسئلہ تہذیبوں کے ٹکراؤ کا ہے، یہ تصادم قدرتی حالات کا پیدا کردہ نہیں بلکہ یہ خاص مقاصد کے تحت پیدا کیا گیا ہے، یہ درحقیقت حصولِ دولت کی تڑپ ہے جس نے مغرب کو اس تصادم پر مجبور کیا ہے، لیکن صورت حال کچھ ایسی ہوگئی ہے اور اس تڑپ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے فضا ایسی بنادی ہے کہ تہذیبوں کے مابین بھی محاربے کی فضا پیدا ہوگئی ہے، اس لئے ضرروی ہے کہ اس تہذیبی کشمکش کو سمجھتے ہوئے ہم اپنے دفاع کا جائز حق استعمال کریں، اور مغرب کی تہذیبی یلغار سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے سامنے صحیح حالات اور حالات کا صحیح تناظر پیش کریں اور اسے بتائیں کہ اس وقت ضرورت حق کو تسلیم کرنے کی ہے، اس سے برگشتہ ہو کر متصادم ہونے کی نہیں، اس بحث کا ایک اور پہلو ''مذاہب کے مابین اتحاد'' ہے یہ نعرہ بھی بلند کیا گیا ہے کہ رواداری بین المذاہب کو عام کیا جائے، اس سلسلے میں صحیح صورت یہ ہوگی کہ اس فارمولے پر عمل کیا جائے کہ ''ہر مذہب قابل احترام ہے'' نہ یہ کہ ''ہر مذہب سچا ہے'' یہ

(۸۵) پروفیسر خورشید احمد/ امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی/ص ۷۸،۷۹

Marfat.com

جملہ مبالغہ آمیز بھی ہے اور مغالطہ آمیز بھی، نیز منطقی اور اصولی اعتبار سے غلط بھی، ''مذہبی اتحاد کا واحد قابل عمل فارمولا باہمی احترام ہے۔ٹھیک اسی طرح جیسے ایک شخص ایک خاتون کو دل سے اپنی ماں سمجھتا ہے، اسی کے ساتھ وہ دوسری تمام خواتین کا پورا احترام کرتا ہے، بغیر اس کے کہ اس نے یہ اعلان کیا ہو کہ دوسری تمام خواتین بھی میری حقیقی مائیں ہیں''۔(۸۶)

میڈیا کی یلغار

آج امت مسلمہ کی ایک اہم ذمے داری میڈیا کے حوالے سے ہے، کیونکہ موجودہ غیر علانیہ جنگ میں میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے۔ بلکہ یہ جنگ درحقیقت میڈیا ہی کے سہارے لڑی جارہی ہے۔اس لئے یہ شعبہ بھی ہم سے سرگرم ومتحرک جذبۂ عمل کا خواہاں ہے۔

اسلام میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کی دینی اہمیت وضرورت کی حسب ذیل بنیادیں ہیں!

۱۔ دین اسلام پوری دنیا اور تمام نوع انسانی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق ومالک ہے اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی ذات واحد کی گواہی دیتا ہے۔(۸۷)

۲۔اس دین کو جو بھی قبول کرتا ہے اس کے ذمہ اس پیغام حق کا دوسروں تک پہنچانا بھی واجب ہے، اپنے اپنے زمانے میں تمام انبیا کرام اور رسولوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔(۸۸)

۳۔آخری نبی ﷺ، ان کے اصحاب اور ان کے بعد آنے والے داعیوں کا کام دین کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔(۸۹)

۴۔اسلام کا پیغام انسانیت نہ پہنچانا معصیت کا باعث ہے، کیونکہ ایک طرح سے وہ کتمان علم کے حکم میں آتا ہے، ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ آخری سانس تک دین کا پیغام پہنچاتا رہے،(۹۰) پھر اس وقت امت مسلمہ پر جو مشکلات آرہی ہیں اس حوالے سے مسلم دنیا کی ذمے

(۸۶) مولانا وحید الدین خان/ ماہنامہ تذکیر لاہور/ مئی ۲۰۰۱ء/ص ۱۹ (۸۷) پورا قرآن حکیم اسی بیان پر مشتمل ہے، کائنات کی گواہی کی سائنسی تصدیق کے لئے ملاحظہ کیجئے۔سائنسی انکشافات قرآن حدیث کی روشنی میں/ ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری/ دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۱ء (۸۸) قرآن حکیم میں ہے: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ النحل: ۱۲۵ (۸۹) قرآن حکیم میں فرمایا: مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ، مائدہ، ۹۹ (۹۰) نذر الحفیظ ندوی/ مغربی میڈیا اور اس کے اثرات/ص ۳۳۹

Marfat.com

داری مزید دو چند ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس نے نہ صرف مغرب کے پروپیگنڈے کے اثرات کو زائل کر کے مسلم امہ تک صحیح اطلاعات پہنچانی ہیں۔ مسلم امت پر لگنے والے الزامات کا دفاع کرنا ہے، بلکہ اسلامی کی صحیح تصویر بھی دنیا کے سامنے پیش کرنی ہے، اس کے علاوہ مصیبت زدہ مسلم دنیا کو صبر و عزیمت کا درس دے کر ان کے زخموں پر مرہم بھی رکھنا ہے۔

دعوت اسلام

اس وقت حالت یہ ہے کہ مغرب ایک گہرے روحانی اضطراب کی لپیٹ میں ہے، وہ خدائے واحد کی حقیقت کبریٰ سے منہ موڑ کر اب تک کتنے ہی خدا بنا چکا ہے، مگر اس کی تسکین کہیں نہیں ہوسکی، بلکہ اس کا اضطراب بڑھتا ہی جارہا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ''انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک جسم، دوسری روح۔ انسان کے خالق نے اس کی جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اس کائنات میں جمادات، نباتات، حیوانات کی قبیل سے بے شمار چیزیں پیدا کیں اور انسان کے اندر بھوک، پیاس، شہوت، سردی گرمی کا احساس رکھا جو اسے جسمانی ضرورتوں کے لئے کائنات کی مادی اشیا سے استفادے کے لئے متحرک کرتا ہے۔ اس طرح انسان کے خالق نے روح کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے انسان کے اندر اس کے وجدان اور تحت الشعور میں جسمانی بھوک و پیاس کی طرح ایک روحانی بھوک و پیاس اور احساس رکھا اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وحی اور انبیائے کرام کا سلسلہ شروع کیا''۔ (۹۱)۔ اس لئے یہ احساس ایک حقیقت ہے اور اسے ختم نہیں کیا جاسکتا، اس کے تقاضے کو پورا کرنا ہی ہوگا، کہا یہ جارہا ہے کہ موجودہ زمانے میں پوری دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے، مگر یہ بات زیادہ تر ذرائع مواصلات کی فراوانی کے اعتبار سے ہے، جہاں تک خود انسان کا تعلق ہے اس کی وحدت ٹوٹ گئی ہے، اور وہ داخلی اور خارجی دو وجودوں میں بٹ گیا ہے، اس لئے اسے اپنی تسکین کا سامان کہیں نظر نہیں آرہا، یہ صورت حال امتِ مسلمہ کے لئے خوش آئند بھی ہے اور ایک چیلنج بھی۔ آج امریکہ اور مغرب میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔

---

(۹۱) مولانا محمد عیسیٰ منصوری/ مغرب کا سب سے بڑا بحران/ مشمولہ پندرہ روزہ الشریعہ، گوجرانوالہ/ مدیر حافظ محمد عمار خان ناصر/ ۱۶ر فروری ۱۹۹۹ء/ ص ۷

Marfat.com

(۹۲) اس لئے ہمارے دو ہدف ہونے چاہئیں:

ا۔ اسلام کی صحیح تصویر غیر مسلموں کے سامنے پیش کر کے انہیں دعوت اسلام دی جائے

۲۔ نو مسلموں کی تربیت کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں، یہ کام نعرے بازی اور تشہیر کے بغیر مالی جانی اور وقت کی قربانی کا خواہاں ہے، وقت ہماری جانب متوجہ ہے اور ہمارے اقدامات کو دیکھ رہا ہے۔ سو کیا ہم وقت کے اس چیلنج سے عہدا برا ہونے کے لئے تیار ہیں؟

مسلم ورلڈ آرڈر (muslimworldorder)

اوپر کی جانے والی بحث سے ہمارے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا کہ نیو ورلڈ آرڈر کوئی حقیقت نہیں رکھتا، یہ ورلڈ آرڈر نہیں بلکہ دنیا پر امریکی حکمرانی کا ایسا خواب ہے جیسے شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے امریکہ پوری کوشش اور تمام تر وسائل صرف کر رہا ہے، لیکن حالات و قرائن یہی بتاتے ہیں کہ ''ہنوز دلی دور است''، اس کے برعکس اسلام نے ایک جامع دستور العمل پیش کیا اور رسول اکرم رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے مختصر دورِ حکومت کے دس برس کے دوران اسے روبہ عمل لا کر بھی دکھایا، قرآن حکیم و احادیث نبوی کے قیمتی و بیش بہا اور مستند ذخیرے میں اس ''آرڈر'' کی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں، اور ان سب کا خلاصہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں پیش فرما دیا، یہ انسانی حقوق کا پہلا عالمی منشور ہے، اور پوری دنیا کے لئے واحد مکمل اور فلاحی دستور، جو ہمہ جہت بھی ہے اور عالمگیر بھی، جو تاریخی اعتبار سے بھی ثابت ہے اور علمی و عملی اعتبار سے بھی ہر طرح کی خامیوں اور کمزوریوں سے منزہ و پاک ہے، اس مسلم ورلڈ آرڈر یا اسلامی عالمی نظام کے چیدہ چیدہ نکات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

ا۔ نئے عالمی نظام کا آغاز

رسول اللہ ﷺ نے جو نیا نظام پیش کیا اس کا باقاعدہ آغاز حجۃ الوداع سے فرمایا، اس موقع پر آپ نے یہ اعلان فرمایا:

---

(۹۲) امریکہ میں اسلام کی تازہ ترین صورتِ حال کے لئے ملاحظہ کیجئے، روز نامہ جنگ کراچی، ۳۰ر جنوری ۲۰۰۳ء/ اور ہفت روزہ ضرب مومن، کراچی/ ۱۹، ۲۵ر جولائی ۲۰۰۲ء/ مضمون یاسر محمد خان

Marfat.com

بلاشبہ زمانہ اب اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے، جیسا کہ اس دن تھا، جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ (۹۳)

۲۔ سابقہ نظام کی منسوخی

آپ ﷺ نے اس موقع پر جاری سابق نظام کی منسوخی کا بھی اعلان فرمایا آپ نے فرمایا:

بلاشبہ جاہلیت کا ہر خون اور مال اور منصب وعہد قیامت تک میرے دونوں پیروں کے نیچے پامال ہے۔ (۹۴)

۳۔ کتاب و سنت کی بالادستی

اسلام کے عالمی نظام میں کسی انسان کی بالادستی ہے، نہ کسی انسانی شخصیت کی، بلکہ اس میں صرف کتاب وسنت کی بالادستی ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا:

میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے، وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔ (۹۵)

۴۔ ختم نبوت

رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت بھی اسلامی عالمی نظام کا حصہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

اے لوگو: میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آئے گی (۹۶)

۵۔ مذہبی آزادی

اسلامی نظام میں مذہبی معاملات میں پوری آزادی دی گئی ہے، قرآنِ حکیم میں فرمایا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

---

(۹۳) ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ دارالمعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء/ ج ۴/ص ۲۳۱۔

(۹۴) مسلم/ الصحیح / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/ ج ۲ ص ۱۳۱، رقم ۱۲۱۸ ☆ ابن ہشام/ ج ۴ ص ۲۳۱ (۹۵) مسلم/ ج ۲/ص ۱۳۱، رقم ۱۲۱۸

(۹۶) ڈاکٹر حمید اللہ/ الوثائق السیاسیہ/ بیروت، دارالفکر ۱۹۷۵ء/ خطبہ حجۃ الوداع

Marfat.com

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔(۹۷)

۶۔ انسانی جان کی حرمت

اس نظام میں ہر انسان کو اس کی جان کی ضمانت دی گئی ہے، قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

جو کوئی کسی کو مار ڈالے، بغیر کسی جان کے بدلے کے، یا زمین میں فساد پھیلائے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔(۹۸)

۷۔ عالمی امن

اسلامی نظام عالمی امن کا ضامن ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اے لوگو: بلاشبہ تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں قیامت تک ایک دوسرے پر حرام کر دی گئی ہیں(۹۹)

مزید فرمایا:

خبردار تم ظلم سے بچتے رہنا، خبردار تم ظلم سے بچتے رہنا، تم ظلم سے بچتے رہنا۔(۱۰۰)

۸۔انسانی مساوات

اسلامی عالمی نظام انسانی مساوات کا بھی داعی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمام بنی نوعِ انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے تخلیق کیے گئے تھے، اب فضیلت کے سارے دعوے اور جان و مال کے سارے مطالبے میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔(۱۰۱)

---

(۹۷)البقرہ:۲۵۶ (۹۸)المائدہ:۳۲ (۹۹)ترمذی/ السنن/ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج۵ص ۶۰، رقم ۳۰۹۸ ☆ مسلم ج۲ص ۱۳۱، رقم ۱۲۱۸ ☆ ابن ماجہ/ السنن/ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/ رقم ۳۰۵۵ (۱۰۰)ترمذی محولہ بالا ☆ ابن ماجہ محولہ بالا (۱۰۱)احمد ذکی صفوت/ جمھرۃ خطب العرب/ بیروت، المکتبۃ العلمیہ/ ج۱ص ۱۵۶ ☆ الجاحظ/ البیان والتبیین، دار المکتبہ الھلال، بیروت/ ج۲ص ۱۶

Marfat.com

۹۔ معاشی استحصال کا خاتمہ

یہ نظام ہر انسان کو معاشی و اقتصادی آزادی کی بھی ضمانت دیتا ہے، اور معاشی استحصال کے خاتمے کا داعی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> بلا شبہ آج سے ہر قسم کا سود (مکمل سودی معاشی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے، سوائے راس المال (اصل سرمائے) کے، تم لین دین کی صورت میں نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم ہوگا۔ (۱۰۲)

۱۰۔ مال کا تحفظ

جان کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام مال کا بھی تحفظ کرتا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> بلا شبہ تمہارے خون اور اموال اور عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں، جیسے آج کا دن (یوم الحج) اس شہر (حرم مکہ) میں اور اس مہینے (ذی الحجہ) میں حرام ہے۔ (۱۰۳)

۱۱۔ کمزوروں اور ضعیفوں کے حقوق

اسلامی نظام ہر کمزور اور ضعیف کے حقوق کا علم بردار ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ضعیفوں کا خیال رکھو، اور مسلمانوں کو تکلیف مت پہنچاؤ (۱۰۴)

۱۲۔ ملازموں کے حقوق

اسلام ملازموں اور غلاموں کو بھی ان کے حقوق دیتا ہے، اور انہیں اس سے محروم کرنے کی اجازت نہیں دیتا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> تم اپنے ماتحتوں اور غلاموں کا خاص خیال رکھو، جو تم کھاتے ہو، وہی انہیں کھلاؤ، اور جو تم پہنتے ہو وہی انہیں پہناؤ۔ (۱۰۵)

---

(۱۰۲) ترمذی/ ج ۵ ص ۶۰، رقم ۳۰۹۸ ☆ ابوداؤد/ السنن/ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج ۳ ص ۲۰۸، رقم ۳۳۳۴ (۱۰۳) ابن ہشام/ ج ۴ ص ۲۳۱ (۱۰۴) سید فضل الرحمن/ خطبہ حجۃ الوداع/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۵ء/ ص ۳۵ (۱۰۵) احمد ابن حنبل/ المسند/ دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء، رقم ۱۵۱۳

Marfat.com

۱۳۔ خواتین کے حقوق

اسلام کے عالمی نظام میں خواتین کو بھی ان کے حقوق دیئے گئے ہیں، بلکہ سب سے پہلے انہیں اسلام ہی نے حقوق سے آشنا کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے لوگو! بیشک تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر واجب ہیں، اوران کے بھی کچھ حقوق تم پر واجب ہیں سوتم ان سے ہمیشہ حسنِ سلوک سے پیش آنا، اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔(۱۰۶)

۱۴۔ ہر شخص اپنے جرم کا خود ذمے دار

اسلام اپنے نظام میں یہ شرط بھی عائد کرتا ہے کہ ہر شخص اپنے جرم کا خود ذمے دار ہے، بیٹے کے کرنے پر باپ کو اور باپ کے کرنے پر بیٹے کو نہیں پکڑا جائے گا، نہ کسی دوسرے کے جرم کی کسی کو سزا دی جاسکتی ہے، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

آگاہ ہو جاؤ! کوئی جرم کرنے والا شخص اپنے علاوہ کسی پر جنایت نہیں کرتا، اور کوئی باپ اپنے بیٹے کے جرم کی اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے جرم کی سزا نہیں پائے گا۔(۱۰۷)

۱۵۔ امانت و عہد کی پابندی

اسلام عالمی نظام امانت و دیانت اور عہد و معاہدے کی پابندی کرنے والا معاشرہ قائم کرنے کا داعی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آگاہ ہو جاؤ، اس شخص کا ایمان ہی کامل نہیں جو امانت دار نہ ہو، اوراس کا دین سلامت نہیں جو عہد کا پابند نہ ہوگا۔(۱۰۸)

---

(۱۰۶) ترمذی/ ج ۵ص ۶۰، رقم ۳۰۹۸ (۱۰۷) ترمذی/ ج ۵ص ۶۰، رقم ۳۰۹۸ ☆ ابن ماجہ کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر/ رقم ۳۰۵۵ (۱۰۸) سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی/ المعجم الکبیر/ مکتبۃ العلوم والحکم، موصل، ۱۹۷۳ء/ ج ۱۱ص ۲۱۳ ☆ المنذری/ الترغیب والترہیب/ ج ۱/ص ۴۵

Marfat.com

۱۶۔ ھاتھ اور زبان سے تحفظ

یہ نظام ہاتھ اور زبان کی ایذا رسانی سے حفاظت کی بھی ذمے داری لیتا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اس شخص کی توبہ قبول ہوگی، جس نے اپنی زبان اور ہاتھوں کی حفاظت کرلی۔(۱۰۹)

مزید فرمایا:

مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(۱۱۰)

۱۷۔ کبیرہ گناہ

اسلام کا نظام نو بڑی غلطیوں کو گناہ کبیرہ قرار دے کر ان سے بچنے کی سختی سے تلقین کرتا ہے ان میں سے بھی اکثر وہ امور ہیں جو دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں، وہ نو چیزیں یہ ہیں۔

۱۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ ۲۔کسی مومن جان کو ناحق قتل کرنا۔ ۳۔میدان جہاد سے فرار ہونا۔ ۴۔پاک دامن عورت پر تہمت لگانا۔ ۵۔جادو کرنا۔ ۶۔یتیم کا مال کھانا۔ ۷۔سود کھانا۔ ۸۔مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا۔ ۹۔بیت اللہ کی عزت نہ کرنا، جو تمہارا قبلہ ہے(۱۱۱)

۱۸۔ ازدواجی حقوق

اسلام ہر مرد و عورت کو مساوات کے ساتھ ازدواجی حقوق بھی عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔(۱۱۲)

---

(۱۰۹) سید فضل الرحمٰن/ خطبہ حجۃ الوداع/ص ۲۹ (۱۱۰) مسلم/ باب بیان تفاضل الاسلام/ رقم ۳۹/ ج ۱

(۱۱۱) خطبہ حجۃ الوداع/ص ۳۵ (۱۱۲) الروم: ۲۱

Marfat.com

۱۹۔ سیاسی حقوق:

اسلامی عالمی نظام سب کو بلاتفریق سیاسی حقوق بھی دیتا ہے، وہ اسلامی مملکت کی حدود میں بسنے والوں کو بلاتفریق سیاسی ولایت کا حق (۱۱۳) سربراہ مقرر کرنے کا حق (۱۱۴) اور بے لاگ انصاف کے حصول کا حق (۱۱۵) بھی دیتا ہے۔(۱۱۶)

مسلم امہ کے لئے تجاویز

امتِ مسلمہ کی بقا اور سالمیت کی ضمانت اس بات میں ہے کہ وہ باہم اتحاد و اتفاق کے ساتھ ایک مشترکہ منشور تشکیل دیں اور متفقہ منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے تمام معاملات ذمہ دارانہ طریقے سے طے کریں، اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اس سلسلے میں چند تجاویز پیش کی جارہی ہیں، جن کے بارے میں سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی ﷺ سے راہنمائی ملتی ہے۔

☆ سب سے پہلے مسلم امہ باہم اتفاق سے اپنی الگ ''اقوام متحدہ'' تشکیل دے، کیونکہ اقوام متحدہ سے اب مسلمانوں کی بقا کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، نہ اپنے اہم مسائل مسلم امت اب اس پر چھوڑ سکتی ہے، او، آئی، سی نے بھی اپنے کردار سے مسلمانوں کو سخت مایوس کیا ہے، اس لئے اب نئے ادارے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔

☆ متفقہ فوج: مسلم امت کی ایک اتحادی فوج کی تشکیل بھی از حد ضروری ہے، جو نہ صرف وقت پڑنے پر ہر اسلامی ملک کے دفاع کا فریضہ انجام دے سکے بلکہ وہ باہمی مناقشات اور اختلافات حل کرنے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔

☆ مسلم امت کا متفقہ مالی نظام بھی ضروری ہے، جو مستحق ممالک کی مدد کرے، مسلمانوں کے مالی وسائل کو جمع کر کے انہیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کرنے کا انتظام

---

(۱۱۳) الانفال: ۷۲ (۱۱۴) الشوریٰ: ۸۳ (۱۱۵) الشوریٰ: ۱۵

(۱۱۶) خطبہ حجۃ الوداع کی تمام روایتوں کو یکجا ملاحظہ کرنے کے لئے دیکھئے سید فضل الرحمن/ خطبہ حجۃ الوداع/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۵ء،

Marfat.com

کرے، مستحق طلبا کے لئے اسکالرشپس کا انتظام کرے، اور غربت و بے روزگاری کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کرے۔

☆ مسلم بنک: ایسا بینک بھی قائم کیا جائے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خالص غیر سودی معیشت کو فروغ دے، اور مسلمانوں کی رقوم کی حفاظت کرے، تمام مسلمان ممالک اپنی رقوم غیر مسلم ممالک سے نکال کر اس میں رکھیں۔

☆ متفقہ خارجہ پالیسی کی تشکیل کی جائے، اور خاص طور پر یہ طے کرلیا جائے کہ کسی مسلمان ملک کے خلاف استعمال نہیں ہوں گے، نہ اس کے خلاف کسی کارروائی میں کسی طور بھی شرکت کریں گے، بلکہ ہر مجبوری میں مسلم ممالک ہی کی مدد و اعانت کریں گے۔

☆ اسلحہ سازی پر زور: تمام مسلم ممالک اپنی تمام صلاحیتوں اور تمام تر وسائل کو بروئے کار لاکر اسلحہ سازی میں مکمل خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ اس معاملے میں غیر مسلم اقوام وریاستوں کے دستِ نگر ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

☆ سائنس وٹیکنالوجی: سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اس مقصد کے لئے جدید تعلیمی ادارے کثرت سے قائم کئے جائیں، تاکہ مسلم افرادی قوت تعلیم کے لئے باہر جانے پر مجبور نہ ہو اور ان کی صلاحیتیں مسلمانوں ہی کے کام آسکیں، اس غرض سے تمام مسلم ممالک متفقہ پالیسی کی تشکیل کریں، مالی اعانت کے لئے مسلم بنک تعاون کرے، اور ہدف یہ مقرر کیا جائے کہ تمام مصنوعات مسلم دنیا اپنی ہی بنائی ہوئی استعمال کرے گی بلکہ ان کے لئے خام مال بھی باہر سے درآمد نہیں کیا جائے گا، نیز جو ملک جس شعبے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے اسے باقی تمام ممالک سپورٹ کریں۔

☆ میڈیا پالیسی: تمام ممالک کی میڈیا پالیسی ایک ہونی چاہئے، تاکہ مغرب کے پروپیگنڈے اور ثقافتی یلغار سے بچا جاسکے، اور انہیں اسلام کی تبلیغ بھی سہولت سے ہوسکے۔

Marfat.com

☆ اسلام کی دعوت کو غیر مسلموں میں گھر گھر پہنچانے کے لئے مشنری سطح پر پر کام کیا جائے اور مشنری ادارے قائم کئے جائیں۔

☆ مسلمانوں کا مشترکہ کمیشن اور عالمی عدالت تشکیل دی جائے، جو مسلمانوں کے باہمی مسائل اور بین الاقوامی معاملات کے فیصلے کرے، جس کا فیصلہ سب پر واجب العمل ہو

☆ نیز بین الاقوامی اسلامی لیگل سیل قائم کیا جائے، جو پوری دنیا میں مسلمانوں کے مفادات اور ان کی مختلف تنظیموں کے معاملات کی نگرانی کرے اور ضرورت پڑنے پر عملی اقدامات کرے۔

☆ مسلمان اپنے اپنے علاقائی ملبوسات اور کھانوں کو فروغ دیں، غیر مسلم ثقافت اور تہذیب اپنانے کی حوصلہ شکنی کی جائے، اور اپنی ثقافت، زبان، تہذیب اور تمدن کے اسلامی مظاہر کو فروغ دیا جائے۔

☆ وہ افرادی قوت جو غیر مسلم دنیا میں مصروف عمل ہے، خصوصاً مسلم سائنس داں، اہل علم، اور موجدین، انہیں مسلم دنیا میں واپس لانے کا انتظام کیا جائے، انہیں مراعات و ترغیبات دی جائیں۔ انہیں سہولتیں فراہم کی جائیں، اور انہیں کام کرنے کے بھرپور مواقع دیئے جائیں۔

Marfat.com

عصرِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی
کا رُجحان اور اُس کا خاتمہ
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۰۰۴ء

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

آج پوری دنیا مختلف انتہاؤں کو چھو رہی ہے، اسی انتہا پسندی نے دنیا کا امن تہہ و بالا کر دیا ہے، اور انسانیت اسی کے تسلط کے نیچے دبی ہوئی سسک رہی ہے، یہ انتہا پسندی مختلف نوعیت کی ہے. عالمی اداروں کا مالی و معاشی تسلط بھی انتہا پسندی ہے، عالمی سطح پر چند ممالک کی سائنس و ٹیکنالوجی پر جبری گرفت بھی انتہا پسندی ہے، چند سرکردہ ممالک کی پوری دنیا پر سیاسی تسلط کی خواہش اور اس سلسلے میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کرتے ہوئے پوری دنیا میں اقدامات بھی انتہا پسندی ہی کی مثال ہیں۔

Marfat.com

تمہید

اسلام دین رحمت، دین امن و سالمیت اور دین اخوت و مواسات ہے، اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام داعی عدل و مساوات، پیغمبر حلم و عفو اور علمبردار رحمت و رافت ہیں۔ آپ ﷺ اس کائنات میں آدمی کو انسانیت کا جامہ پہنانے، اس کے اخلاق و عادات کی تہذیب و تربیت کرنے اور اس کے انداز و اطوار کو سجانے وسنوارنے کے لئے مبعوث کئے گئے۔ خود نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

انما بعثت لا تمم صالح الاخلاق (۱)

مجھے تو خاص حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

انسان کے کردار و انداز کی تراش خراش، تہذیب و ترتیب اور سجانے سنوارنے کے تمام اقدامات اخلاق کا حصہ ہیں، اور ایک کامل انسان وہی ہو سکتا ہے جس کے اخلاق ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہوں، انسانی اخلاق کے تمام اہم پہلوؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی واضح ہدایات موجود ہیں، جو اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔

قرآن حکیم بھی آپ کو نبی رحمت قرار دیتا ہے، فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ہی مبعوث کیا ہے (۲)

اور خود آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

بعثت داعیا و رحمة (۳)

---

(۱) ہیثمی، حافظ نور الدین علی بن ابوبکر (م ۸۰۷ھ) / مجمع الزوائد / بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۴ء / ج ۸، ص ۴۷۵، رقم ۱۴۱۸۸ (۲) الانبیاء: ۱۰۷ (۳) قاضی عیاض / الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ / قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۰ء / ج ۱، ص ۶۱، جب غزوۂ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور مسلمانوں کو بھی کافی نقصان اٹھانا پڑا تو بعض صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ مشرکین مکہ کے لئے بددعا فرمائیں اس وقت آپ نے فرمایا تھا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو داعی حق اور رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں

Marfat.com

میں تو داعی حق اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی خاص صفات رحمٰن و رحیم ہیں۔ ان دونوں کا مادہ ایک ہی ہے یعنی رحم، قرآن حکیم کا آغاز بھی سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے، جس کے آغاز ہی میں فرمایا گیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، رحمٰن اور رحیم ہے۔ (۴)

اور اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫

(پسندیدہ) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ (۵)

اسلام کا مادہ ہی سلم ہے جس کے معنی ہیں سلامتی، عافیت اور ہر طرح کی مشکلات، مصائب اور رکاوٹوں سے مکمل برأت۔ (۶)

انسانی فطرت متنوع خیالات، متضاد احساسات اور متفرق جذبات سے مرکب ہے، وہ تضادات جن کا اجتماع خارجی دنیا میں محال نظر آتا ہے، اس کے اندر ہمہ وقت موجود رہتے ہیں، اسے گرم بھی پسند ہے اور سرد بھی، اسے حضارت بھی پسند ہے اور بدویانہ تمدن میں بھی اسے خوبیاں دکھائی دیتی ہیں، وہ خرچ بھی کرتا ہے اور روک رکھنے کا بھی حریص ہے، محبت بھی ٹوٹ کر کرتا ہے اور اس کی نفرت بھی کم شدید نہیں، یہ تمام جذبات نہ صرف اس کے مزاج کا حصہ ہیں بلکہ وقتاً فوقتاً اس کے مختلف اقدامات اور سرگرمیوں پر بھی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں، لیکن قرآن اور حدیث متفقہ طور پر اس امر کے قائل ہیں کہ انسان کی فطرت ایک ہے، یہ تمام خارجی اثرات ہیں جو اس کے مزاج کے تلون سے فائدہ اٹھا کر اسے مختلف ٹکڑوں، گروہوں، شاخوں، مسالک، مذاہب اور فرقوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

---

(۴) الفاتحہ:۱،۲ (۵) آل عمران:۱۹ (۶) ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، ابوالفضل (م ۷۱۱ھ) لسان العرب/قم، ایران، نشر ادب الحوزہ، ۱۴۰۵ھ/ ج ۱۲، ص ۲۸۹۔ مسلم کے معنی میں بہت وسعت ہے، یہ ان معنی کے علاوہ فرمانبرادی، اطاعت، سلام وغیرہ معنی میں بھی آتا ہے، ملاحظہ کیجئے: لسان العرب محولہ بالا

Marfat.com

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

پھر آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف رکھئے۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں۔ (۷)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدقوا و اذا سمعتم برجل تغير عن خلقه فلا تصدقوا به و انه يصير الى ماجبل عليه (۸)

اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو تم اسے تو سچ مان لینا لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو اسے قطعاً سچ نہ ماننا، کیونکہ (آخر کار ہر) آدمی اسی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

مامن مولود الا يولد على فطرة فابواه يهودانه او ينصرانه و يمجسانه (۹)

ہر نو مولود تو فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے، اسے تو اس کے والدین یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

اور دوسری روایت میں ارشاد ہے:

كل مولود يولد على الفطرة حتى يعرب عنه لسانه، فاذا

---

(۷) الروم: ۳۰ (۸) احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) / المسند / بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء / ج ۷، ص ۵۹۶، رقم ۲۶۹۵۳

(۹) بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، ابوعبداللہ (م ۲۵۶ھ) / الصحیح / بیروت، دار ابن کثیر، ۱۹۸۷ء، ج ۱، ص ۴۵۶، رقم ۱۲۹۲ ☆ ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، ابوحاتم التمیمی (۳۵۴ھ) / الصحیح / بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۳ء / ج ۱، ص ۳۳۶، رقم ۱۲۸

Marfat.com

اعرب عنه لسانه اما شاكراً واما كفوراً (۱۰)

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اسے زبان مل جائے، پھر جب وہ اپنی بات کہنے کے قابل ہو جاتا ہے تو یا تو وہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا۔

اور اب تو حیاتیات و بشریات کے ماہرین نے بھی طویل تحقیق کے بعد اس امر کا اعتراف کیا ہے، جو اسلام آج سے چودہ صدی قبل بیان کر چکا ہے کہ بچہ فطرتاً معصوم پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کی فطرت میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کا تعصب یا رقابت کے جذبات نہیں ہوتے۔ یہ تعصبات و احساسات تو بعد میں ماحول اس کے اندر پیدا کرتا ہے، جس کی بنا پر وہ بعض لوگوں کے لئے محبت کے جذبات پیدا کر لیتا ہے اور بعض کے لئے نفرت کے۔ (۱۱)

اسی لئے امام قرطبی فرماتے ہیں:

خلق انسانی جبلت اور فطرت کو کہتے ہیں اور اس کے اعتبار سے انسانوں کے درجات باہم متفاوت ہیں، سو اگر کسی شخص میں کوئی اچھی صفت غالب حالت میں موجود ہے تو یہ اچھی بات ہے اور امر محمود ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ شخص (من جانب اللہ) اس پر مامور ہے کہ وہ مجاہدہ کر کے اس صفت کو اپنے اندر بیدار کرے، اسی طرح اگر یہ صفت موجود تو ہے مگر کمزور ہے تب بھی اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس صفت کو قوی کرے۔ (۱۲)

انسان کا یہ مزاج دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات، میل جول، معاملات اور روابط میں اس پر اثر انداز ہوتا ہے، اسی سے دوستیاں ہوتی ہیں، تعلقات قائم ہوتے ہیں، برادریاں بنتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر اختلافات رونما ہوتے ہیں، جو بڑھتے بڑھتے لڑائی، محاذ آرائی اور مخالفت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

زیر بحث موضوع بھی اسی انسانی مزاج کے تلون سے براہ راست تعلق رکھتا ہے، آج

---

(۱۰) احمد/ المسند/ ج ۴، ص ۳۲۰، رقم ۱۴۳۹۱ (۱۱) Ruch, F.L, Psychology and life Scott, Foresman Company, New York- P.680 (۱۲) شامی، محمد بن یوسف الصالحی (م ۹۴۲ھ)/ سبل الہدیٰ والرشاد/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء/ ج ۷، ص ۱۴

Marfat.com

پوری دنیا مختلف انتہاؤں کو چھو رہی ہے، اسی انتہا پسندی نے دنیا کا امن تہہ و بالا کر دیا ہے، اور انسانیت اسی کے تسلط کے نیچے دبی ہوئی سسک رہی ہے، یہ انتہا پسندی مختلف نوعیت کی ہے، عالمی اداروں کا مالی و معاشی تسلط بھی انتہا پسندی ہے، عالمی سطح پر چند ممالک کی سائنس و ٹیکنالوجی پر جبری گرفت بھی انتہا پسندی ہے، چند سرکردہ ممالک کی پوری دنیا پر سیاسی تسلط کی خواہش اور اس سلسلے میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کرتے ہوئے پوری دنیا میں اقدامات بھی انتہا پسندی ہی کی مثال ہیں، لیکن سردست ہمارا موضوع مذہبی انتہا پسندی تک محدود ہے، مذہبی انتہا پسندی کیا ہے؟ بنیاد پرستی اور فرقہ واریت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ یہ انتہا پسندانہ سرگرمیاں کن کن طبقات فکر کی نمائندگی کرتی ہیں؟ اور کون سے مذہبی گروہ اس میں براہ راست ملوث ہیں؟ نیز انتہا پسندی خواہ ملکی و داخلی نوعیت کی ہو یا بین الاقوامی و بین المذاہب نوعیت کی، ان تمام صورتوں میں اسلام کیا کہتا ہے اور ہادیٔ برحق نبیٔ رحمت ﷺ کی تعلیمات، ہدایات اور آپ کا اپنا تعامل کیا ہے؟ یہ اور اس حوالے سے دوسرے موضوعات کو اس مضمون میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

والله الموفق وهو المستعان

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی مغرب کی جانب سے کی جانے والی تعریف کی رو سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کا نام سن کر مسلمان کسی قسم کی شرمندگی یا احساس ندامت محسوس کریں، یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے، ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کیرن آرم اسٹرانگ کے بقول:

> Fundamentalism is a global fact and has suraced in eveymajor faith in response to the problems fo our modernity. There is fundamentalist judaism fundamentalist buddhism, fandamentalist sikhism and even fandamentalist cunfucianism.

Marfat.com

> بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے، بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہے۔ (۱۳)

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ایک عالمگیر حقیقت ہے اور ہر طبقۂ فکر، ہر مذہب اور ہر علاقے میں موجود ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض چیزیں میڈیا کے اس دور میں سامنے آگئی ہیں یا انہیں بعض مقاصد کے تحت سامنے لایا جارہا ہے، جب کہ بعض دوسری ان سے بڑی حقیقتیں مناسب کوریج نہ ملنے کے سبب پس منظر میں چلی گئی ہیں، اور بدقسمتی سے آج اسلام اس حوالے سے خصوصی ہدف بنا ہوا ہے، جس کے اسباب ہمیں اسلام میں نہیں آج کی مخصوص بین الاقوامی اور عالمی سیاست میں تلاش کرنے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ انتہا پسندی خود اہلِ مذہب کے ساتھ خاص نہیں، درحقیقت جس طرح یہ انتہا پسندی خدا کو ماننے والے اہل مذہب (آسمانی مذاہب) کے ہاں پائی جاتی ہے، اسی طرح لا مذہبیت کے دعوے دار اور سیکولرازم کے علمبردار بھی اس سے بری نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ اہل مذہب سے زیادہ انتہا پسند نظر آتے ہیں، آخر انہیں بھی تو انتہا پسند ہی کہا جائے گا جو یہ کہتے ہیں:

> خدا کا تصور اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے، وہ مزید ترقی نہیں کرسکتا، مافوق الفطرت طاقتیں دراصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لئے انسانی ذہن نے اختراع کی تھیں، پہلے جادو پیدا ہوا، پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لی، پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا اور اس کے بعد ایک خدا کا تصور آیا، اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو چکا ہے، کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری مفروضے

---

(۱۳) کیرن آرم اسٹرانگ/ Karen armstrong /Islam. A short History
Phoenix non-fictionhistory- UK

Marfat.com

اور مفید تخیلات تھے، مگر اب جدید ترقی یافتہ عہد میں وہ اپنی ضرورت اور افادیت کھو چکے ہیں۔(۱۴)

اور سائنس کا ایک پروفیسر کہتا ہے

سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک اور سب سے بدترین ڈھونگ تھا۔(۱۵)

سیکولرازم اگرچہ اس دعوے کے ساتھ ابھرا تھا کہ کسی ملک کی اجتماعی پالیسی مذہبی امور میں عدم مداخلت کی بنیاد پر استوار کی جائے گی، مگر عملاً وہ ایک زبردست مخالف مذہب قوت بن گیا۔(۱۶) ایسے میں کیرن آرم اسٹرانگ کی یہ رائے کس قدر حقیقت پسندانہ اور گھر کی گواہی کی حیثیت رکھتی ہے

مذہب نے ماضی میں ظلم و ستم کیا ہے، تاہم سیکولرازم نے اپنی مختصر تاریخ میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی اتنا ہی متشددانہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اکثر و بیشتر سیکولر جارحیت اور ایذا رسانی نے ہی مذہبی عدم رواداری اور نفرت میں اضافہ کیا ہے۔(۱۷)

دلچسپ بات یہ ہے کہ بنیاد پرستی کی اصطلاح کا باقاعدہ اور پہلی بار آغاز بھی عیسائیت ہی کی طرف سے کیا گیا، اس اصطلاح کو سب سے پہلے امریکی پروٹسٹنٹوں نے استعمال کیا تھا، بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ان میں سے بعض نے زیادہ لبرل پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرنے کے لئے اپنے آپ کو بنیاد پرست کہنا شروع کر دیا۔ ان کی رائے میں لبرل پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کو مکمل طور پر مسخ کر رہے تھے(۱۸)

---

(۱۴) MAN IN THE MODREN WORLD. P.131

(۱۵) QUOTED BY C.A COULSAN. SCIENCE AND CHRISTIAN BELIEF

(۱۶) مولانا وحید الدین خاں/ دین انسانیت/ کراچی، فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۷ء/ ص ۳۰۰

(۱۷) KAREN ARMSTRONG/ ISLAM A SHORT HISTORY/PHOENIX NON-FICTION HISTORY/ U.K.PP.140

(۱۸) KAREN ARMSTRONG/THE BATTLE FOR GOD/ HARPER COLLINS PUBLISHERS-U.K. PP.II

Marfat.com

انتہا پسندی اور اسلام

دیکھا جائے تو اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسلام خود انتہا پسندی کے نرغے میں ہے، اور مسلمانوں کو مذہبی بنیادوں پر دنیا کے بہت سے ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے حصول میں دشواری اور مشکلات کا سامنا ہے، اور انہیں مختلف حوالوں سے ہراساں کیا جا رہا ہے، یہ صورت حال پوری دنیا میں ہے مگر مغرب کا رویہ خصوصیت سے افسوس ناک اور قابل مذمت ہے، اس اعتبار سے بھی کہ انسانی حقوق رواداری، برداشت، تحمل اور اعتدال پسندی کی جن اعلیٰ و ارفع روایات کا ان کی جانب سے دوسروں خصوصا مسلمانوں کو درس دیا جا رہا ہے خود ان کے ہاں اس کے نصف حصے پر بھی عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا، وہ روادار ہیں، لیکن صرف اپنے معاملات میں، وہ اعتدال پسند بھی ہیں مگر محض اپنوں کے لئے، دوسروں کے لئے ان کا رویہ قطعاً وہ نہیں جو ان کا اپنے شہریوں کے ساتھ ہے، اور ان کے اقدامات کے غیر عادلانہ ہونے کے لئے یہی ثبوت کم نہیں۔

انتہا پسندی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی قوم یہ تصور کر لے کہ نہ صرف حق اس کے پاس ہے بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر مسلط کیا جائے اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اور اس سے بزور منوایا جائے، مذہب کے معاملے میں یہ ذہنیت آپس میں ٹکراؤ بلکہ جنگوں کو جنم دیتی ہے، ایسا کئی بار تاریخ میں ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔(۱۹) اور موجودہ حالات میں پہلے افغانستان اور پھر عراق پر امریکی حملہ اس کی تازہ ترین مثال ہیں۔

اصل حقیقت

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اگر بنیاد پرست اور قدامت پسند اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ وہ ترقی سے گریزاں ہیں، یا جدید اکتشافات و ایجادات سے خوف زدہ ہیں اور ان سے استفادہ کرنے سے انکار کرتے ہیں، اور قدیم انداز میں ہی رہنا اور زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں تو یہ الزام سراسر الزام ہی ہے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا، مسلمانوں میں ایسا کوئی گروہ، فرقہ یا ٹولہ

---

(۱۹) پروفیسر عبدالماجد، اسلام اور عصر حاضر کے مسائل کا حل، مانسہرہ، ہزارہ سوسائٹی فار سائنس ریلیجن ڈائیلاگ، ۲۰۰۳ء/ص ۱۳

Marfat.com

موجود نہیں جو اس قسم کے یا اس سے ملتے جلتے نظریات یا خیالات رکھتا ہو، جب کہ اس کے برعکس خود عیسائیوں میں ایسے گروہ موجود ہیں جو محاورتاً نہیں حقیقتاً آج بھی جنگل کی زندگی کو نہ صرف پسند کرتے ہیں اور اس پر قانع ہیں بلکہ شہری تمدن کی تمام روایات، لوازم اور آسائشیں ان کے لئے ممنوع ہیں، مثال کے طور پر لنکاسٹر کاؤنٹی امریکہ کی ریاست پنسلوینیا میں ہے، یہاں آمش لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں، یہ لوگ بجلی، فون، گیس اور دیگر سائنسی سہولتیں استعمال نہیں کرتے۔ دستی آلات سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑا گاڑی کے ذریعے سفر کرتے ہیں اور صدیوں پرانی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں، آمش لوگ تین سو برس قبل جرمنی سے امریکہ جا کر آباد ہوئے تھے، کٹر مذہبی لوگ ہیں، چرچ کی راہ نمائی پر یقین رکھتے ہیں، امریکہ میں رہنے کے باوجود اس کے نظام سیاست میں شریک نہیں ہیں، نہ ووٹ مانگتے ہیں نہ دیتے ہیں، موم بتی اور لالٹین کی روشنی میں رہتے ہیں۔ البتہ مقامی سطح پر تیار کردہ گیس استعمال کر لیتے ہیں، عورتیں گھریلو زندگی بسر کرتی ہیں، مردوں کے لئے سیاہ لباس، ڈاڑھی اور سر پر ہیٹ پہننا لازمی ہے، فوٹو نہیں کھنچواتے اور نہ ہی گھر میں رکھتے ہیں، خچروں کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑوں والی بگھی ان کا عام ذریعہ سفر ہے، دستی ہینڈ پمپ اور ہوائی پنکھوں سے چلنے والے نلکے ان کے ہاں پانی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ وہ صدیوں پرانی رسموں پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں، ان کی تعداد امریکہ میں نوے ہزار کے لگ بھگ ہے، یہ چوبیس ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لنکاسٹر کاؤنٹی میں ان کا گاؤں ''انٹرکورس'' کے نام سے معروف ہے۔ (۲۰)

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام کی رو سے تو انتہا پسند وہ ہے جو اسلام کی طے کردہ اور تعلیم فرمودہ حدود سے تجاوز کرتا ہے، نہ کہ وہ جو اس کی ہدایت و تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتا ہے۔ اصل میں انتہا پسندی، شدت پسندی اور بنیاد پرستی کی اصطلاحات مغرب سے آئی ہیں، اور ان کا موقف یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان جو دین پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے مظاہر یا شعائر کا

(۲۰) مولانا زاہد الراشدی/ ماہنامہ الشریعہ، مدیر: حافظ محمد عمار خان ناصر/ دسمبر ۲۰۰۳ء/ ص ۴

Marfat.com

اہتمام کرتا ہے وہ بنیاد پرست ہے، حالانکہ دین پر اہتمام سے عمل پیرا ہونا اور اس کے احکامات کو کامل طریقے سے بجالانا تو خود خدا کا حکم ہے، قرآن میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (۲۱)

اے ایمان والو اسلام میں کامل طور پر داخل ہو جاؤ۔

اور کامل طریقے سے دین میں داخل ہونے کا یہی معنی ہے کہ وہ تمام احکامات کو بجالانے کی کوشش کرتا ہے، مغرب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حجاب کی پابندی، نماز روزے کی پابندی، شراب وغیرہ منکرات سے پرہیز، ڈاڑھی وغیرہ کے ساتھ شرعی وضع قطع رکھنا، یہ سب چیزیں بنیاد پرستی ہیں، اگر یہی سب کچھ بنیاد پرستی ہیں تو پھر ان کو چھوڑ کر اسلام کہاں باقی بچتا ہے؟ پھر دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کی کوئی بنیاد نہ ہو، ہر مذہب کی بنیاد ہے، اسلام کی بھی ایک مضبوط بنیاد ہے، اور وہ پانچ چیزیں ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہے اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا، اور حج ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (۲۲)

مسلم مفکرین کے خیالات

بنیاد پرستی کے حوالے سے مسلم مفکرین کے خیالات بھی اہم ہیں، تیونس کے جلاوطن رہنما راشد الغنوشی کہتے ہیں:

اسلام سے مغرب کی دشمنی لاعلمی سے ابھری ہے یہ عیسائیت کے برے تجربے سے بھی پیدا ہوئی ہے جس نے سوچ اور تخلیقیت کا گلا گھونٹ دیا تھا (۲۳)

اور علامہ یوسف قرضاوی کہتے ہیں:

یہ مغرب کے لئے بہتر ہی ہے کہ مسلمان مذہبی ہوں، اپنے مذہب سے

---

(۲۱) البقرہ: ۲۰۸ (۲۲) بخاری/ ج ۱، ص ۱۲، رقم ۸

ISLAM A SHORT HISTORY/PP.157(۲۳)

Marfat.com

مخلص ہوں اور اچھے اخلاق والے بننے کی کوشش کریں۔ بہت سے مغربی لوگ بھی اپنی زندگیوں میں روحانیت کی عدم موجودگی سے بے آرامی محسوس کررہے ہیں۔(۲۴)

مولانا سلیم اللہ خان فرماتے ہیں:

خود مغرب و یورپ کے روحانی پیشوا جس انتہا پسندانہ بنیاد پرستی کا شکار ہیں، اس تناظر میں ہم مسلمانوں پر اپنے دین و مذہب کی تعلیمات پر عمل کے جرم میں بنیاد پرستی کا الزام لگانا ایک مضحکہ خیز پروپیگنڈہ ہے، اس طرز فکر کے خول سے باہر نکل کر وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی انتہا پسندانہ طرز فکر کو بنیاد پرستی کا نام کیوں نہیں دیتے؟ مغرب کی پاپائیت مذہبی تعلیمات سے ذرہ برابر انحراف کرنے والوں کو اپنے دین و مذہب کا باغی اور برگشتہ قرار دیتی ہے، آخر بنیاد پرستی کا نزلہ مسلمانوں پر ہی کیوں گرتا ہے؟(۲۵)

اور معروف دانشور پروفیسر ڈاکٹر مہدی حسن کہتے ہیں:

کہ اسلامی بنیاد پرستی، اسلام ازم، انقلابی اسلام جیسی اصطلاحات کوئی مفہوم نہیں رکھتیں، اسلام کا جو فلسفہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، جب کہ ریاست انسان کی بنائی ہوئی ہے، یہ بدل سکتی ہے، لیکن اسلام کا فلسفہ اٹل ہے۔(۲۶)

اس تفصیل کی روشنی میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا انتہا پسندی، بنیاد پرستی، شدت پسندی یا اس طرح کی دیگر اصطلاحات سے کوئی تعلق نہیں، اسلام ایک ہے اور وہ وہی ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے، اور اس میں نہ کوئی شخص کمی کر سکتا ہے نہ کسی کو اس میں اضافے کا حق حاصل ہے، اگر اسلامی تعلیمات کے خلاف کسی شخص یا گروہ کا کوئی عمل پایا جائے تو اسے اسلام کی ہدایت کی روشنی میں پرکھا جائے گا، نہ یہ کہ کسی شخص کے عمل پر اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔

---

(۲۴) ایضاً/ص ۱۵۷ (۲۵) سہ ماہی وفاق المدارس، ملتان، مدیر: ابن الحسن عباسی/ شمارہ شوال، ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ/ص ۳ (۲۶) روزنامہ جنگ، کراچی/ یکم فروری ۲۰۰۴

Marfat.com

جہاد اور دہشت گردی

امت مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے، اور جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سلامتی کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں، پھر اگر کہیں پر مسلمان تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اپنی بقا و سلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بجائے الٹا مسلمانوں ہی کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ دہشت گرد ہے کون؟ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد ہے، وہ دوسرے کے نزدیک، مجاہد حریت ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاست دان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے، اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کو جنگ آزادی کے سپاہی قرار دے کر ان کی تعریف کر رہی تھی۔ فلسطین کے رہنما یاسر عرفات دہشت گرد تھے اور اب وہ دہشت گرد نہیں۔ آئرلینڈ کی سن فین (Sinn Fein) کے جیری آدمس بھی جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا کی طرح دہشت گرد تھے اور اب وہ بڑے عظیم مدبر اور رہنما ہیں۔ کم از کم تین اسرائیلی وزرائے اعظم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جا سکتا تھا۔

۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو امریکہ کے وزیر داخلہ جارج شلز نے دہشت گردی پر ایک طویل تقریر کی۔ لیکن اس میں ایک جگہ بھی لفظ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا:

۱۔ جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

۲۔ دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے۔

Marfat.com

۳۔ دہشت گردی مغربی تہذیب کے لئے ایک دھمکی کا نام ہے۔

۴۔ دہشت گردی مغربی اخلاقی اقدار کے لیے ایک خطرہ ہے۔ (۲۷)

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ لوگ دہشت گردی کی تعریف بیان نہیں کرتے، اس لئے۔ تعریف بیان کرنے کا مطلب ہے تجزیے، گرفت یا کسی قسم کی مستقل مزاجی سے وابستگی۔ اور یہ صورت ان کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ویسے بھی اقوام متحدہ میں غیر جانب دار گروہ نے دہشت گردی کی یہ تعریف کی ہے:

> وہ پر تشدد کام جو لوگوں کے ایک گروہ سے سرزد ہوتے ہیں، ان کی زندگیوں اور بنیادی آزادی کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور ان کے اثرات ایک ریاست تک محدود نہ ہوں، بہر حال اس سے نو آبادیاتی اور نسلی حکومتوں کے تحت ناقابل انتقال حقوق اور اپنے متعلق خود فیصلہ کرنے کا حق متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ (۲۸)

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کشمیر ہو یا فلسطین اور ماضی کا جنوبی افریقہ ہو یا الجزائر جہاں کہیں بھی بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف کوئی تحریک برپا ہوئی وہ نہ دہشت گردی تھی نہ کوئی جرم۔

دہشت گردی کے حوالے سے اسلام کا موقف بالکل واضح ہے، اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاری مسلم تحریکوں پر دہشت گردی کی کوئی تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ اسلام نے فطری تقاضوں کا ہر موقع پر پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ یہ تمام تحریکیں ردعمل کی تحریکیں ہیں اور ردعمل کا قانون ہمیشہ عمل سے مختلف ہوتا ہے، اور جس بات کی عام حالت میں اجازت نہیں ہوتی، ردعمل کے موقع پر اسے گوارا کرلیا جاتا ہے، کیوں کہ انسانی فطرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے جذبات دونوں مواقع پر یکساں نہیں ہوتے، اسی لئے قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کی بری بات کو ظاہر کرے، ہاں مگر جس پر ظلم

---

(۲۷) ماہنامہ محدث، لاہور/ نومبر ۲۰۰۲ء/ص ۴۷ (۲۸) ایضاً/ص ۴۹

Marfat.com

ہوا ہو۔(۲۹)

دنیا بھر میں جاری اسلامی تحریکات اور عسکری سرگرمیوں کو اسی قانون کی روشنی میں دیکھنا ہوگا، ورنہ ہم حقائق تک کبھی رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اصل میں دہشت گردی اور جہاد کو خلط ملط کر دیا گیا ہے، اگر مطلق اسلحہ اٹھانا ممنوع ہے تو پھر مغربی اقوام دھڑا دھڑ اسلحے کے انبار کیوں لگا رہی ہیں؟ حفاظتی اداروں، ایجنسیز اور ملٹری کے پاس اسلحہ کیوں ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسلحہ بذات خود برا نہیں، پھر اگر اس کا استعمال برا ہے، تو رکھا ہی کیوں جاتا ہے؟ اور اگر رکھا بھی جائے تو استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ آخر خود اقوام متحدہ کی چھتری تلے اسلحہ استعمال ہوا اور ہوتا رہتا ہے؟ ثابت یہی ہوتا ہے کہ نہ اسلحہ رکھنا برا ہے، نہ بنانا، نہ اس کا استعمال کرنا، اصل چیز جو غلط ہے وہ استعمال کا طریقۂ کار، وجوہ و اسباب اور اغراض و مقاصد ہیں، اگر یہ درست ہیں تو اسلحے کا استعمال بھی درست ہے اور اگر یہ غلط ہیں تو اسلحے کا استعمال بھی غلط ہے، آیئے ان نکات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام نے جہاد کا جو حکم اور اجازت دی ہے، اس کی شرائط کیا ہیں؟ اور اس کی حدود و قیود کیا ہیں؟

۱۔اسلام کا مقصد جہاد کی اجازت دینے سے فتنے کا خاتمہ ہے، صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں:

> قتال و جہاد کا حکم زبردستی دین قبول کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد زمین سے فتنہ وفساد کا ناپید کر دینا ہے۔(۳۰)

قرآن حکیم میں فرمایا:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ

اور تم ان (مشرکین، مفسدین) سے لڑو، حتی کہ فتنہ ختم ہو جائے۔(۳۱)

۲۔نہ لڑنے والوں کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان سے نہ لڑا جائے۔قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

(۲۹) النساء:۱۴۹ (۳۰) قاضی ثناء اللہ پانی پتی/تفسیر مظہری/ حیدر آباد دکن مجلس اشاعت العلوم/ ج ۱، ص ۲۶۳ (۳۱) البقرہ:۱۹۳

Marfat.com

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ

اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو دین کے معاملے میں تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔(۳۲)

۳۔ جہاد صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنگ دو طرح کی ہوتی ہے، لہٰذا جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی، اپنے امام کی پیروی کی، اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رفق و ملاطفت سے پیش آیا اور فتنہ وفساد سے بچا تو پھر بے شک اس کا سونا اور جاگنا سب کار ثواب ہے، اور جس نے بڑائی دکھانے، اور شہرت کی خاطر جنگ کی اور امام کی نافرمانی کی اور زمین پر فساد برپا کیا وہ ثواب سے محروم رہا۔(۳۳)

۴۔ اسی لئے اسلام نے دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایها الناس، لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافية (۳۴)

اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔

۵۔ اور اسی لئے دوران جہاد بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کے نام اور اس کی امداد اور رسول خدا کی ملت میں رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ کسی بوڑھے شخص، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، مال غنیمت

(۳۲) الممتحنہ: ۸۔ (۳۳) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)/ السنن/ بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۴ء/ ج ۲، ص ۳۵۱، رقم ۲۵۱۵

(۳۴) مسلم بن حجاج ابوالحسین (۲۶۱ھ)/ الصحیح/ بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۹۸ء/ ج ۱، ص ۱۶۱، رقم ۱۷۴۲

Marfat.com

میں خیانت نہ کرو اور تمام مال غنیمت کو اکٹھا کرو، اصلاح کرو اور احسان کرو کیوں کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔(۳۵)

۶۔ اسی بنا پر حضرت زہرہ بن الحویہؓ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر رستم کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی:

واللہ جاء بنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ ومن ضیق الدنیا الی سعتھا ومن جور الادیان الی عدل الاسلام (۳۶)

واللہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لگائیں اور انہیں دنیا کی تنگی سے اس کی وسعتوں کی طرف اور باطل ادیان کے جور وظلم سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔

ہمارا مقصد خدا کے بندوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی پرستش پر لگا دینا ہے، اس لئے کہ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں اور ایک ماں باپ ہونے کی حیثیت سے وہ سب بھائی ہیں

ان نکات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا فلسفۂ جہاد مغرب کی سوچ سے یکسر مختلف ہے اور اگر دلائل کی بات کی جائے تو پھر کوئی ذی فہم شخص اس کی حقانیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ انتہا پسندی مذاہب عالم کی تاریخ کا ایک تکلیف دہ مگر ناگزیر حصہ ہے، جس کے چند مظاہر ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی اقوام عالم میں

اسلام کی آمد سے قبل دنیا جہاں ان گنت مصائب سے دوچار تھی، وہیں مذہبی شدت پسندی بھی عروج پر تھی، اور مذہبی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ علامہ فرید وجدی کے بقول:

مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی، کہ جو لوگ انکار کرتے تھے، وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کئے جاتے

(۳۵) ابو داؤد/ ج ۲، ص ۳۸۳، رقم ۲۶۱۴ (۳۶) طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر (۳۱۰ھ)/ تاریخ طبری/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ/ ج ۲، ص ۴۰۱

Marfat.com

اور پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈال دیئے جاتے تھے، یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے، ان کو مدھم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور ان کی شور وفریاد اور آہ وفغاں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے، ان کا گوشت کٹ کٹ کر گرتا جاتا اور چربی پگھل کر بہتی جاتی تھی۔(۳۷)

آیئے دیکھتے ہیں کہ مختلف حکومتوں اور مذاہب کا ماضی وحال میں اس حوالے سے کیا کردار ہے؟

روما

قبل از اسلام دو اہم حکومتوں میں سے ایک روما کی حکومت ہے، اس کے بارے میں دستیاب تفصیلات یہی بتاتی ہیں کہ وہاں دیگر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے علاوہ مذہبی انتہا پسندی بھی عروج پر تھی اور یہ عالم تھا کہ جس کسی شخص کے بارے میں بھی یہ علم ہوتا تھا کہ وہ ان کی قید سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں ہے، تو وہ فوراً اس کے بارے میں الحاد وارتداد کا فتویٰ دے کر اسے آگ میں جلا دیتے تھے، یا اسے ایسے دردناک عذاب میں مبتلا کرتے تھے کہ جس سے جانوروں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔(۳۸)

پھر رومی سلطنت میں ایک اور فتنہ عروج پر تھا، وہ تھا عیسائیوں کا باہمی تصادم، یہ تصادم عیسائیوں کے اس وقت کے دو معروف فرقوں کے مابین تھا، ایک تھے روم وشام کے ملکانی (Malkite) اور دوسرے تھے مصر کے مینوفرائس (Monophysites) ان میں سے پہلے فرقے کے عقائد کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل تھی جس نے اسے بہ جبر پوری ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مخالفین کو سخت ترین سزائیں دیں اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو بددین قرار دیتے رہے۔(۳۹)

---

(۳۷) فرید وجدی/ المدنیۃ والاسلام/ مصر/ص ۱۴۳ (۳۸) ایضاً/ ۵۱

(۳۹) ابوالحسن علی ندوی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر/ مجلس نشریات اسلام، کراچی/ص ۳۵

Marfat.com

ایران

دوسری جانب اہل ایران نے قوم پرستی کو مذہب کا درجہ دے رکھا تھا، اور یہ قوم پرستی اس انتہا پر تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ انہیں دنیا کی ہر قوم ونسل پر برتری حاصل ہے، اسی لئے یہ دوسری اقوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان کے لئے ایسے نام تجویز کرتے تھے، جن میں تمسخر اور تضحیک کا انداز نمایاں ہوتا تھا۔ (۴۰)

ہندو مت

ہندومت میں مذہب کی بنیاد طبقات پر ہے، اس بنا پر طبقاتی تقسیم ان کے ہاں سب سے زیادہ ہے، لیکن اس کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ برہمن ہی کو سب اختیار حاصل ہیں، اس کے مقابلے میں شودر کا درجہ انسانیت سے بھی کم تر ہے، ہندومت کا مذہبی قانون منوشاستر کے نام سے معروف ہے، جسے منوجی نے مرتب کیا تھا، اس کے چند حصے ملاحظہ کیجئے، تاکہ ہندومت کا یہ انتہا پسندانہ پہلو سامنے آسکے۔

۱۔ دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے، برہمن دھرم کی مورت، نجات کا مستحق، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمنوں کے لئے ہے۔ (۴۱)

۲۔ برہمن خواہ عالم ہو یا نہ ہو، بڑا دیوتا ہے اگر چہ برہمن دنیاوی کاموں میں بہت سی غلطیاں کرتا ہے، تاہم ایشور کا جاننے والا ہونے کے سبب پوجنے کے قابل ہے۔ (۴۲)

۳۔ برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے اور شودر اس میں کچھ تامل نہ کرے، اس لئے کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔ (۴۳)

۴۔ زنا بالجبر کی سزا قطع عضو تناسل ہے، لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہئے، اس لئے کہ اس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے۔ (۴۴)

۵۔ جو شودر بآواز بلند نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچے ہے تو اس کے منہ میں

---

(۴۰) ابوالحسن علی ندوی/ص ۴۵ (۴۱) منوشاستر/ باب ۹ منتر ۳۱۴ (۴۲) منوشاستر/ باب ۹ منتر ۳۱۶
(۴۳) منوشاستر/ باب ۸ منتر ۴۱۷ (۴۴) منوشاستر/ باب ۸ منتر ۳۶۴

Marfat.com

بارہ انگل کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے جلتی ہوئی ڈالنی چاہئے۔ (۴۵)

اس کے علاوہ ہندومت کی تعلیمات میں دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی انتہا پسندی کے رجحانات کافی نمایاں ہیں۔ سوامی دیانند کے الفاظ دیکھئے۔

دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔ (۴۶)

اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشور اوبلی رام کی اس رائے سے کیجئے، وہ کہتا ہے:

ہندوستان کا پورا کوچک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں (۴۷)

ہندوؤں کی عدم برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا، راج کمار اتھی نے ہندو مسلم اتحاد کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا:

بلا شبہ ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہوسکتی ہے، جب تک سب مسلمان شدھ ہوکر ہندو نہ ہو جائیں۔ (۴۸)

ہندوستان میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے واردھا منصوبہ کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام بھی شروع کیا گیا تھا، جس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی، اردو اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ امراؤتی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا:

---

(۴۵) منوشاستر/ باب ۲ منتر ۲۷۲

(۴۶) چوہدری غلام رسول/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ لاہور، علمی کتاب خانہ ۱۹۸۰ء/ ص ۱۰۱

(۴۷) مفتی عبدالرحمٰن خاں/ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی/ لاہور، ادارہ اسلامیات/ ص ۳۴ (۴۸) ایضاً ص ۲۸

Marfat.com

صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین کو نیک ہدایت دی جائے۔(۴۹)

ہندوؤں کا یہ اچھا عدمِ تشدد تھا جس میں جبراً ایک ایسے مذہب کے ماننے والوں کو پوجا پاٹ پر مجبور کیا جا رہا تھا، جو بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا عملی دعویٰ رکھتا ہے۔

عیسائیت

عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے، ان کے بارے میں ایک انگریز ہی کا یہ تبصرہ خاصہ برمحل ہے:

عیسائیت اپنے دورِ ابتلا میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتی رہی، لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزورِ شمشیر کچلا جائے گا، غیر مذہب کے لوگوں کے لئے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذا کا، دوسرا ناقابلِ برداشت جسمانی اذیت کا۔(۵۰)

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (Phocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا، جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے سینکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔(۵۱)

عیسائیت نے اسلام سے قبل یہودیوں کو بھی اپنے جبر کا نشانہ بنایا اور پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی

(۴۹) دیکھیے سید فضل الرحمٰن/تحریک پاکستان کے فکری محرکات/کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۱۹۹۷/ص ۷۰

(۵۰) Atrur Gilman/The Saracens, London, 1887\P.184

(۵۱) انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر/ص ۴۷

Marfat.com

رہنماؤں کے ایما پر مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں پہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۵۲)

اسی طرح تاریخ ہسپانیہ اور سانحۂ سقوط غرناطہ کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں عیسائیت کو یورپ کے قلب میں مسلمانوں کا وجود تک برداشت نہ ہوا، حالانکہ مغرب کو اس امر کا خود اعتراف ہے کہ اس نے علوم وفنون میں ہسپانیہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے، معروف مسلم دانش ور محمد مارماڈیوک پکتھال کا تبصرہ اس معاملے میں مکمل طور پر مبنی بر حقیقت ہے، وہ کہتے ہیں:

> کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ صقلیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً ومعناً اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ (۵۳)

عیسائیت کی مذہبی انتہا پسندی کا بیان صلیبی جنگوں کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ جنگیں طویل عرصے تک جاری رہیں۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے ساتویں صدی میں شام کو فتح کر لینے کے بعد تین صدیاں صلح وامن سے گزریں، اس کے بعد ترک حکمرانوں نے ایشیائے کوچک کا سارا علاقہ رومن شہنشاہوں سے لے لیا۔ درحقیقت صلیبی جنگوں کا یہ اولین محرک تھا شہنشاہ الیکسز (Alexis) یوں تو اپنے مغربی عیسائی بھائیوں سے میل جول نہیں رکھتا تھا، لیکن اس موقع پر اس نے ان سے تعاون کی درخواست کر دی۔ اس وقت اطالویوں نے ایشیائے کوچک اور فلسطین کے ساحل پر اپنی آبادیاں قائم کر رکھی تھیں، انہیں اپنی مقبوضات کی فکر دامن گیر ہوئی۔ انہوں نے ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کے بقول:

> مسلمانوں کے ظلم اور عیسائیوں کی مظلومیت کی داستانیں مشہور کر دیں اور یوں یورپ میں جوش واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ (۵۴)

---

(۵۲) محولہ بالا (۵۳) محمد مارماڈیوک پکتھال/ اسلامی کلچر/ اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر/ لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت،/ص ۸۲ (۵۴) ہنڈرک وان لون/ نوع انسان کی کہانی/ لاہور، ۲۰۰۲ء/ص ۱۶۴

Marfat.com

جب انہوں نے ۴۹۲ھ/ ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو اس وقت ان کے مظالم کی تصور کشی مشہور انگریز مورخ اسٹینلے لین پول (Stanley lanepoel) نے کی ہے:

صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچڑ ٹھونکے۔ تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے۔(۵۵)

عیسائیوں نے اس موقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ایک اور گواہی دیکھیے:

بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتلِ عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا۔(۵۶)

پھر عیسائیوں کے سینکڑوں فرقوں کے باہمی تعلقات بھی کوئی رواداری پر مبنی نہیں، اس فرقہ پرستی کے ذریعے بھی مذہبی انتہا پسندی کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، یاد رہے کہ ان کے یہ اختلافات ماضی قدیم سے چلے آرہے ہیں، چنانچہ کچھ عرصے قبل جنوبی امریکہ کی کونسل آف چرچز نے یہ فیصلہ کیا کہ چلی میں منعقد ہونے والی اسمبلی میں رومن کیتھولک نمائندوں کو نہ بلایا جائے، اس فیصلے کی وجہ وہاں پروٹسٹنٹوں اور کیتھولک فرقوں کے باہمی اختلافات ہیں، جبکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کونسل کے مقاصد میں اتحاد و اتفاق، مکالمہ اور باہمی تعاون بھی شامل ہے۔(۵۷)

اسی طرح دوسری جانب پروٹسٹنٹ راہنماؤں نے، جو جنوبی میکسکو کی ۴۰ فیصد آبادی کی نمائندگی کرتے ہیں کہا ہے کہ ہم گزشتہ بیس برس سے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں، اور ہمارے ہزار ہا خاندانوں کو محض اس بنا پر ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے پروٹسٹنٹ مسیحیت قبول کر کے مقامی روایات کی تکذیب کی ہے، اور اب وہ مسیحی برادری کا حصہ نہیں رہے،

(۵۵) اسٹینلے لین پول/ سلطان صلاح الدین/ ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ/ ص ۲۱

(۵۶) Encyclopaedia Britannica Col. vi, Art, "Crusades"

(۵۷) ریکارڈ/ لندن/ ۱۶/ فروری ۱۹۹۵ء

Marfat.com

صرف یہی نہیں بلکہ ان کے متعدد گرجے بھی ضبط کر لئے گئے ہیں۔(۵۸)

اہم بات یہ ہے کہ میکسکو میں خود کیتھولک بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے بڑے مذہبی رہنما ایک طرف ہیں اور چھوٹے پادری اور عوام دوسری جانب ہیں۔(۵۹)

اسی طرح آئر لینڈ میں بھی پروٹسٹنٹ اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین آویزش جاری ہے، چند سال قبل ان میں شدید ہنگامے پھوٹ پڑے، اور یہ جھگڑا کئی ہفتوں تک جاری رہا، اس دوران پانچ تاریخی گرجے جلا دیئے گئے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹا، حتیٰ کہ مخالف فرقے کے گھر میں دستی بم پھینک کر تین معصوم بچوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ برطانیہ نے فوج منگوائی، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آئیں اور تب اس طرح حالات کو قابو کیا جا سکا۔(۶۰)

یہودیت

اگر چہ مذہبی انتہا پسندی سب ہی مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے۔ لیکن یہودیت کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تو پوری تاریخ ہی انتہا پسندی سے پُر ہے اور ہر طرح کی انتہا پسندی یہودیوں کے مزاج کا حصہ ہے، نہ صرف یہ بلکہ معلوم تاریخ میں ہمیں مذہبی انتہا پسندی کے بانی بھی یہی نظر آتے ہیں، چنانچہ اس نوع کی انتہا پسندانہ کارروائیوں کا پہلا سراغ سرزمین فلسطین پر سکرئی (Sicarii) فرقہ کی جدوجہد ۶۶ء تا ۷۳ء کے دوران ملتا ہے۔ یہ ایک انتہائی منظم مذہبی گروہ تھا جو فلسطین میں یہودیت کے فروغ کے لئے معرض وجود میں آیا، اس دہشت گردی کے مختلف طریقے اختیار کئے، اس نے اکثر ایسے مقامات پر حملوں کو فروغ دیا جہاں مجمع ہوتا تھا، اس گروہ کا مخصوص ہتھیار Sica نامی چھوٹی تلوار تھا جسے وہ اپنے کوٹ کی آستینوں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ یہ قتل عام اس طرح کیا جاتا تھا کہ حملہ آور کی شناخت مشکل ہو جاتی تھی انہوں نے گرجا گھروں کو تباہ کرنا کیا، لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہوں کو جلا دیا گیا، قرض داروں کو اس بات پر آمادہ کر دیا گیا کہ وہ قرضہ واپس نہ کریں۔(۶۱)

یہودیت کی انتہا پسندی کی داستان جیسا کہ عرض کیا گیا بہت طویل ہے، لہٰذا سردست

(۵۸) ایضاً (۵۹) ایضاً (۶۰) ماہنامہ الدعوۃ، لاہور/ اگست ۱۹۹۸ء

(۶۱) انعام الرحمٰن سحری/ دہشت گردی/ لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز/ص ۱۹

Marfat.com

گفتگو کو اسرائیل اور مسئلہ فلسطین تک محدود رکھتے ہوئے اس سلسلے میں یہودیوں کے کردار اور ان کی انتہا پسندانہ سرگرمیوں کی چند جھلکیاں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ آج کے اہم مسائل میں شمار ہوتا ہے اور یہودی انتہا پسندی کی واضح مثال بھی ہے۔

فلسطین اسرائیل کے قیام سے قبل عرب دنیا کا ایک اہم حصہ تھا، جو شام سے علیحدہ حیثیت رکھتا تھا، اس کی آبادی نوے فیصد عرب تھی۔ (۶۲) لیکن اعلان بالفور کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کا سیلاب فلسطین کی طرف امڈ پڑا، جس کے نتیجے میں جنگ عظیم اول کے بعد فلسطین میں آباد صرف ۲۶۰۰ یہودی جو مختلف دیہاتوں میں بکھرے ہوئے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے ۸۳ ہزار کی ایک منضبط اور خوشحال قوم میں تبدیل ہو گئے، عربوں کی زمین دھڑا دھڑ بکنے لگی اور زمینوں کی کاشت اور منڈیوں سے عرب بے دخل کیے جانے لگے۔ (۶۳) ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطین کی سرزمین خود فلسطینیوں پر ہی تنگ ہوگئی، اور وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی بن گئے، آخر کار مئی ۱۹۴۸ء میں انہوں نے علیحدہ یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کا باضابطہ اعلان کر دیا، اس وقت سے آج تک ہر آنے والا لمحہ فلسطینیوں کے لئے درد والم کی نت نئی داستانیں لے کر آ رہا ہے۔ فلسطینیوں پر ظلم و جبر کی داستان ایڈورڈ سعید اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ۱۹۴۸ء کے بعد مملکت اسرائیل نے مقامی عرب آبادی کو خود اپنے انسانی آثار اور نشانات مٹانے کے لئے استعمال کیا، اس کی کوشش یہ تھی کہ انہیں انسانوں کے ایک ایسے طبقے میں تبدیل کر دیا جائے جن کے پاس سوچنے کے لئے اپنا دماغ نہ ہو، جو بمشکل حرکت کر سکیں اور مکمل طور پر مطیع و فرمانبردار رعایا بن جائیں، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد مغربی کنارے، جولان کی پہاڑیوں، غزہ کی پٹی اور سینائی کے مقبوضہ عرب علاقوں میں سفاکی، شقاوت اور درندگی نے ننگا ناچ ناچا، ایذا رسانی کا کون سا طریقہ تھا جو عربوں کے خلاف نہیں آزمایا گیا، انہیں عقوبت گاہوں میں پابند

(۶۲) چودھری غلام رسول/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ لاہور، علمی کتب خانہ/ص ۴۰۵

(۶۳) ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمن، ڈاکٹر محمد دین/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ پشاور، تاج کتب خانہ/ص ۲۹۳

Marfat.com

سلاسل رکھا گیا، ملک بدر کیا گیا، پورے پورے دیہات کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، کیمیاوی ادویات چھڑک کرفصلوں اور درختوں کی ہریالی ختم کردی گئی، مکانات کو زمین بوس کردیا گیا، زمینیں ضبط کرلی گئیں ہزاروں افراد پر مشتمل آبادیوں کی منتقلی عمل میں لائی گئی۔ (۶۴)

یہودی صرف دوسرے مذاہب کے بارے میں انتہا پسند نہیں، بلکہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی بھی فکری آزادی اور اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے، مثلاً ایک زمانے میں ان میں ایک فاضل شخص ڈوو بر پیدا ہوا، جو عام یہودیوں سے مختلف ذہن رکھتا تھا، یہودیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور بالآخر یہودیوں کے اس وقت کے ایک راہنما اور اکیڈمی آف وانا کے سربراہ ایلی جاہ بین سولومن زیلمن (۱۷۲۰ء) نے اسے برادری سے خارج کردیا، اور ڈوو بر کا اسی صدمے سے انتقال ہوگیا۔ (۶۵)

غرض یہ کہ تمام ہی مذہب انتہا پسندانہ جذبات کا شکار ہیں، خود مغرب کا ریکارڈ بھی اس حوالے سے چنداں لائق ستائش نہیں، حال ہی میں فرانس میں طالبات پر اسکولوں میں حجاب پر پابندی کا قصہ اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بنا رہا ہے، پھر جب برطانیہ میں مسلمانوں نے اپنے بچوں کے لئے الگ اسکولوں کی درخواست کی تو اس پر بھی اکثر غصے کا اظہار کیا گیا، حالانکہ یہی لوگ یہودیوں، رومن کیتھولکوں اور کوئیکرز (Quakers) کے لئے علیحدہ اسکولوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ (۶۶)

فرقہ واریت

اور یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ فرقہ واریت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا تعلق محض اسلام کے ساتھ ہو، یہ چیز ہر مذہب میں موجود رہی ہے، اور پوری شدت کے ساتھ موجود رہی ہے، اسلام

(۶۴) ایڈورڈ سعید/ مسئلہ فلسطین/ ترجمہ: شاید حمید/ لاہور، ایلفا برادرز/ ص ۳۳۱

(۶۵) THE BATTLE FOR GOD/PP.101

(۶۶) ISLAM A SHORT HISTORY/PP.150

Marfat.com

بھی اس سے محفوظ نہیں رہا، اور اس کے اثرات آج تک محسوس کئے جا سکتے ہیں، بلکہ شاید آج اس کی شدت میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، لیکن یہ چیز اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے، اور اس کی تعلیمات ان چیزوں کا مکمل طور پر ابطال کرتی ہیں۔

درحقیقت مسلمانوں کی فرقہ واریت مذہبی انتہا پسندی کا داخلی رجحان ہے، اس وقت مذہبی انتہا پسندی کے دو بنیادی رجحان اس وقت پوری دنیا میں نظر آ رہے ہیں، ایک داخلی رجحان ہے، جس میں ہر مذہب کے اپنے مختلف مسالک اور فرقوں کے مابین اختلافات شامل ہیں، جب کہ دوسرا خارجی رجحان ہے جسے ہم انتہا پسندی بین المذاہب بھی کہہ سکتے ہیں، اسلام بیک وقت دونوں رجحانات کے خلاف ہے۔

فرقہ واریت میں ہر فرقہ یہ تصور کر لیتا ہے کہ اسے اپنے عقائد یا عزائم دوسروں پر بزور اور بہ جبر مسلط کرنے کا حق ہے اور وہ اس عمل میں پوری طاقت صرف کر دیتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تشدد اور قتل و غارت گری سے بھی دریغ نہیں کرتا، وہ اس تعصب میں حق و انصاف کی بجائے اپنے مخصوص گروہ کے مفادات کو اولیت دیتا ہے اور ہر معاملے کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے، یہ زہر آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتا ہے اور بالآخر اس قدر تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا سخت مشکل ہو جاتا ہے، اسلام اس کی سنگینی کی وجہ سے اس تصور کی پوری قوت سے سرکوبی کرتا ہے اور اسے کسی صورت بھی سر اٹھانے کا موقع دینا گوارا نہیں کرتا۔

اسلام کی تعلیمات اس حوالے سے بالکل واضح ہیں، قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہمی تفرقہ مت کرو۔ (۶۷)

قرآن حکیم ہی میں فرمایا گیا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

اور جو تمہارے سامنے اسلام کا اظہار کرے تو اسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان

---

(۶۷) آل عمران: ۱۰۳

Marfat.com

نہیں ۔(۶۸)

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں الحرقات نامی ایک علاقے کی طرف حملہ کرنے کے لئے بھیجا، ہم نے صبح سویرے دشمن پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی، اسی دوران میں نے ایک شخص کو قابو کرلیا تو اس نے فوراً لا الـه الا اللّه پڑھ لیا لیکن اس کے باوجود میں نے اسے قتل کر دیا، جب ہم جنگ کے بعد مدینہ واپس آئے اور آپ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اُسے لا اله الا الله کہنے کے باوجود بھی قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ وہ تو صرف اپنا بچاؤ کر رہا تھا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: فهلا شققت عن قلبه ''تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا تھا؟'' آپ ﷺ نے اپنی بات کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ میں نے یہ آرزو کی کہ کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔(۶۹)

اور اللہ کی رسی کی وضاحت جس کا ذکر اوپر قرآن حکیم کی مذکورہ آیت میں آیا ہے، آپ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں فرمائی، آپ نے فرمایا:

> من يعش منكم فسيرىٰ اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين فتمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، واياكم ومحدثات الامور، فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة (۷۰)
>
> تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا، تو تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت پر قائم رہنا، انہیں مضبوطی سے تھام لینا، اور تم

---

(۶۸) النساء: ۹۴ (۶۹) ابن ابی شیبہ/ المصنف/ ریاض مکتبہ الرشد ۱۴۰۹/ ج ۶، ص ۴۸۰، رقم ۳۳۰۹۹ ☆ نسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن (م ۳۰۳ھ)/ السنن الکبریٰ/ بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۱ء/ ج ۵، ص ۱۷۶، رقم ۸۵۹۴ (۷۰) ابن حبان/ ج ۱، ص ۱۷۹، رقم ۵ ☆ حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ/ المستدرک/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء/ ج ۱، ص ۱۷۴، رقم ۳۲۹ ☆ طبرانی، سلیمان بن احمد (م ۳۶۰)/ المعجم الکبیر/ الموصل، المکتبہ العلوم والحکم، ۱۹۸۳ء/ ج ۱۸، ص ۲۴۹، ☆ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۵ھ)/ السنن/ بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء/ ج ۱، ص ۳۹، رقم ۴۳

Marfat.com

بدعات سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا، کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة (۷۱)

تم پر جماعت کی پیروی لازم ہے اور تفرقے سے بچتے رہنا۔

اسلام اس حوالے سے اس قدر حساس ہے کہ مسلم امت کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والے ہر سبب کو ختم کرنے کے لئے تلوار تک کو بے نیام کر دینے کی اجازت دے دیتا ہے، (۷۲) اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا من کان (۷۳)

جو شخص اس جماعت کو جب تک کہ وہ متحدہ ہو، پراگندہ کرنا چاہے تو اسے تلوار پر رکھ لو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

اس فرقہ واریت کو ہوا دینے والی چیز باہمی تکفیر کا کھلا ہوا دروازہ ہے، حالآنکہ یہ امر بے حد نازک ہے اور حد درجہ احتیاط کا متقاضی، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک سخت پرخطر معاملہ ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی اس سے کم نہیں، کیونکہ حدودِ کفر واسلام میں التباس بہر دو صورت لازم آتا ہے، اس لئے علمائے اُمت نے ہمیشہ ان دونوں معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے، امر اول کے متعلق تو یہاں تک تصریحات ہیں کہ اگر کسی شخص سے کوئی کام خلاف شرع صادر ہو جائے اور اس کلام کی مراد میں محاورات کے اعتبار سے چند احتمال ہوں اور سب

(۷۱) احمد/ ج ۶، ص ۵۱۱، رقم ۲۲۶۳۵

(۷۲) قرآن حکیم میں فرمایا گیا وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ: ۱۹۳)

(۷۳) مسلم/ ج ۳، ص ۲۳۹، رقم ۱۸۵۲ ☆ نسائی/ السنن الکبریٰ/ ج ۲، ص ۲۹۳، رقم ۳۴۸۵

Marfat.com

احتمالات میں یہ کلام ایک کلمۂ کفر بنتا ہو لیکن صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر حمل کیا جائے تو معنی کفر نہیں رہتے بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہیں تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے، جب تک کہ خود وہ متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میری مراد یہ معنی نہیں، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدے کا قائل ہو جائے جو ائمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو لیکن بعض ائمہ اس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں تو اس کفر مختلف فیہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔ (۷۴)

رسول اللہ ﷺ نے اس حوالے سے بھی واضح ہدایات فرمائی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

ثلاث من اصل الایمان الکف عن من قال لا الہ الا اللہ لاتکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل (۷۵)

تین چیزیں اصل ایمان ہیں، ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا، نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کیا جائے۔

اسی طرح جو شخص کسی کو کافر کہے، لیکن درحقیقت وہ کافر نہ ہو تو اس کا یہ قول خود اس کی جانب لوٹ آئے گا، آپ ﷺ نے فرمایا:

اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقد باء بہ احدھما (۷۶)

---

(۷۴) مفتی محمد شفیع / جواہر الفقہ / کراچی، مکتبہ دارالعلوم، ۱۳۹۵ھ / ج ۱، ص ۳۵

(۷۵) ابویعلی، احمد بن علی بن مثنیٰ الموصلی التمیمی (م ۳۰۷ھ) المسند / دمشق، دارالمامون للتراث، ۱۹۸۴ء / ج ۷، ص ۲۸۷، رقم ۴۳۱۱ ☆ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی (م ۴۵۸ھ) / السنن الکبریٰ / بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۶ء / ج ۹، ص ۱۵۶، رقم ۱۸۲۶۱ (۷۶) اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقط باء بہ احدھما بخاری / ج ۵، ص ۲۲۶۳، رقم ۵۷۵۲ ☆ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) / السنن / بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۴ء / ج ۴، ص ۲۸۸، رقم ۲۶۴۶ ☆ ابن حبان / ج ۱، ص ۴۸۳، رقم ۲۴۹

☆ ابن حبان کے الفاظ یہ ہیں: ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بہ احدھما

Marfat.com

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک (۷۷)

جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو

نیز فرمایا:

من دعا رجلا بالکفر اوقال عدو الله ولیس کذالک الا حار علیه (۷۸)

جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے جب کہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود کہنے والے پر آپڑے گا۔

اسی طرح کسی مومن پر لعنت کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا:

ومن لعن مومنا فھو کقتله ومن قذف مومنا بالکفر فھو کقتله (۷۹)

جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔

ان احکامات الٰہی اور ارشادات نبوت کو پیش نظر رکھ کر فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے:

من قواعد اھل السنة والجماعة ان لا یکفروا احد من اھل القلبة (۸۰)

---

(۷۷) بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۴۷، رقم ۵۶۹۸ (۷۸) مسلم/ ج ۱، ص ۸۳، رقم ۱۱۲ ☆ بیہقی/ کبریٰ/ ج ۷، ۴۰۳، رقم ۱۵۱۱۲ (۷۹) بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۴۷، رقم ۵۷۰۰ ☆ معمر بن راشد/ الجامع/ بیروت، المکتب الاسلامی ۱۴۰۳ھ/ ج ۱۰، ص ۴۶۲، رقم ۱۹۷۱۰ ☆ المعجم الکبیر/ ج ۳، ص ۷۳، رقم ۱۳۳۰ (۸۰) جواہر الفقه / ج ۱، ص ۳۱

Marfat.com

اہل سنت والجماعۃ کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ لاتکفر اھل القبلة بذنب (۸۱)

اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہا نے یہ دیا ہے:

ان اھل القبلة الذین اتفقوا علی ماھو من ضروریات الدین کحدوث العالم و حشر الاجساد (۸۲)

اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین مثلاً حدوث عالم اور حشر وغیرہ پر متفق ہوں۔

مسئلہ تکفیر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے ایک ضابطۂ کفر بھی بیان کر دیا ہے، جس سے اس پورے مسئلے کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے، اور اسلام کے ہاں اس حوالے سے جس قدر احتیاط ہے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں:

اگر کسی خاص شخص یا کسی جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کے اسباب میں علما کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم، اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ (۸۳)

مسلمانوں میں مختلف مسالک اور فرقوں کا وجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت سے بھی پہلے سے شروع ہو گیا تھا، آپ کے دور کا سب سے اہم فتنہ خوارج کو قرار دیا جا سکتا ہے، جس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ وہ گمراہ فرقہ ہے، مگر اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس کے بارے میں کیا رویہ تھا؟ ملاحظہ کیجئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کونوا حیث شئتم وبیننا وبینکم ان لا تسفکوا دما و

---

(۸۱) جواہر الفقہ / ج ۱، ص ۳۱۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا: لاتکفروا احدا من اھل القبلة بذنب، مجمع الزوائد / ج ۱، ص ۲۹۸، رقم ۴۰۶ (۸۲) ایضاً / ص ۳۳ (۸۳) ایضاً / ص ۶۳

Marfat.com

لاتقطعوا سبیلا و لا تظلموا احداً (۸۴)

تم جہاں چاہو رہو، ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور راہزنی اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو۔

اور ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:

لانبدء کم بقتال مالم تحدثوا فساداً (۸۵)

جب تک تم فساد کے مرتکب نہیں ہو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتدا نہیں کریں گے۔

یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ خوارج اپنے وقت کا طاقت ور ترین فرقہ تھا، جو علانیہ طور پر اسلامی حکومت کے خلاف رائے رکھتا تھا، اور بزور شمشیر اسے ختم کرنے کا عزم رکھتا تھا، اور ان کے خیالات وعقائد بہت سی باتوں میں مسلمانوں کے یکسر خلاف تھے، اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ازخود ان پر تلوار اٹھانے سے انکار کیا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے خود اس امر کی پیش گوئی بھی فرمائی کہ اس امت میں بے شمار گروہ بنیں گے، جن میں سے راہ حق پر فقط ایک ہی ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا:

بنو اسرائیل کے لوگ بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے لوگ تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے، اور ایک کے سوا سب کے سب آگ میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ فرقہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ طریقہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (۸۶)

اختلاف امت پر شدید وعیدوں اور اتفاق واتحاد کی اس قدر تاکید ہی کے سبب صحابۂ کرام کا عمومی انداز اور معمول یہ تھا کہ ہر طرح کے اختلاف سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مکہ اور منی میں

---

(۸۴) الشعرکانی، محمد بن علی (۱۲۵۵ھ) / نیل الاوطار / بیروت، دار الجیل ۱۹۷۳ء / ج ۷، ص ۴۹

(۸۵) ایضاً (۸۶) ترمذی / ج ۵، ص ۲۹۱، رقم ۲۶۵۰ ☆ طبرانی / المعجم الصغیر / بیروت، المکتبہ الاسلامی، ۱۹۸۵ء / ج ۲، ص ۲۹، رقم ۷۲۴

Marfat.com

قصر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایسا ہی کیا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قصر نہیں کیا بلکہ چار رکعت نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اس کو غلط بتایا۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور چار رکعت نماز ادا کی، ان سے کہا گیا کہ چار رکعت نماز پر آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور پھر خود بھی آپ نے خلیفہ کی پیروی میں چار رکعت نماز پڑھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ خلاف کرنا اس سے زیادہ برا ہے۔ (۸۷)

یہ تمام روایات، اقوال، واقعات فرقہ واریت اور مسلم امہ کی اجتماعیت کو ختم کرنے والے ہر فعل کی بابت اسلام کا موقف واضح کرنے کے لئے کافی ہیں، ان کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام کے ہاں اس قسم کے کسی فعل، قول اور عمل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں جس سے مسلم امت کے اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت کو کسی بھی نوعیت کا نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔

فقہائے امت کی رواداری

ہمارے ہاں بھی اور باہر کی دنیا میں بھی یہ تاثر عام ہے کہ مسلمانوں کے مسالک باہمی اختلاف کو ہوا دینے میں پیش پیش ہیں، اور یہ لوگ انتہا پسندی کا شکار ہیں، درحقیقت ایسا قطعاً نہیں، اور اس حوالے سے اٹھائے جانے والے نکات حقائق سے بالکل کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ فقہائے کرام کے درمیان ہمیشہ سے رواداری کی ایسی کیفیت رہی ہے جس میں رائے کے اختلاف کو کبھی بھی ذاتی یا مسلکی مخاصمت کی بنیاد نہیں بنایا گیا، امام شافعی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا ہم مالکی المذہب امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر امام شافعی رحمہ اللہ نے فوراً جواب دیا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں خود امام مالک رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں؟ (۸۸)

ائمہ مجتہدین تو اس معاملے میں اس قدر حساس ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی کا فرمان

---

(۸۷) بیہقی کبریٰ/ ج ۳، ص ۱۴۳، رقم ۵۲۱۹ ☆ عبدالرزاق بن ہمام، ابوبکر (م ۲۱۱ھ) المصنف/ ڈھابیل/ المجلس العلمی/ ج ۲، ص ۵۱۶، رقم ۴۲۶۹

(۸۸) عبداللہ بن عبدالرحمٰن/ الارشاد شرح لمعۃ الاعتقاد لابن قدامہ/ ریاض، دارالطیبہ، /ص ۳۷۰

Marfat.com

مبارک ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہیں کرنا چاہئے، یعنی کسی کو یوں نہ کہنا چاہئے کہ تم غلطی پر ہو۔ (۸۹) فقہائے و مجتہدین نے ایک اور واضح اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ اہل فتویٰ کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہمارے اقوال کو قرآن و سنت کی روشنی میں اچھی طرح پرکھیں، اس کے بعد اپنا فیصلہ فرمائیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی (۹۰)

جو شخص میرے موقف کی دلیل نہ جانتا ہو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ میرے قول پر فتویٰ دے۔

اسی طرح امام صاحب کے سب سے معروف شاگرد اور جانشین امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لایحل لا حد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا (۹۱)

یہ بات کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے، جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ بات ہم نے کہاں سے کہی ہے۔

جب کہ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے تھے:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی وفی روایة اذا رأیتم کلامی یخالف الحدیث فاعملوا بالحدیث واضربوا بکلامی (۹۲)

اگر تمہیں کوئی صحیح حدیث ملے تو وہی میرا مذہب ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر تم میری بات کو حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرنا اور میری بات کو چھوڑ دینا۔

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھذا رای النعمان بن الثابت وھو احسن ماقدرنا علیه فمن

---

(۸۹) وحدت امت/ مفتی محمد شفیع، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۵ء/ص ۱۷

(۹۰) شاہ ولی اللہ دہلوی، (م ۱۱۷۶ھ)/ الانصاف/ بیروت، دار النفائس، ۱۴۰۴ھ/ص ۱۰۴

(۹۱) الانصاف/ص ۱۰۵ ☆ طبقات الحنفیہ/ ج ۱،ص ۵۲ (۹۲) الانصاف/ص ۱۰۴

Marfat.com

جاء باحسن من قولنا فهو اولی بالصواب (۹۳)

یہ میری یعنی نعمان بن ثابت کی رائے ہے، اور میری طاقت کے مطابق یہی صحیح ہے، لیکن اگر کوئی اور مجتہد میری بہ نسبت بہتر رائے پیش کرے تو وہی زیادہ مناسب ہے۔

اور امام مالک کا قول ہے:

مامن احد الا وهو ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا رسول الله ﷺ (۹۴)

رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر شخص کے کلام میں قابل اخذ اور قابل ترک دونوں ہی طرح کی باتیں ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں، فرماتے ہیں:

ليس لاحد مع الله و رسوله كلام (۹۵)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی گنجائش نہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مهما قلت من قول او اصلت من اصل فبلغكم عن رسول الله ﷺ خلاف ماقلت فالقول ماقاله ﷺ (۹۶)

میں جو بات بھی کہوں اور جو اصول بھی ٹھہراؤں، جب اس کے خلاف کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے مل جائے تو پھر آپ ہی کی بات اصل ہے۔

اور مجتہدین کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ یہ دعویٰ کبھی نہیں کرتے تھے کہ ہمارا موقف سراسر درست ہے، بلکہ وہ اس قدر تحقیق، محنت تلاش وجستجو اور کوشش وکاوش کے بعد بھی اپنی رائے اور موقف کے بارے میں صرف اس قدر کہتے تھے:

---

(۹۳) ایضاً (۹۴) ایضاً (۹۵) ایضاً (۹۶) ایضاً / ص ۶۳

Marfat.com

مذہبی صواب یحتمل الخطاء و مذہب غیری خطاء یحتمل الصواب (۹۷)

میری رائے درست ہے لیکن اس میں غلطی کا احتمال ہے اور اس معاملے میں دوسروں کی رائے غلط ہے، لیکن صحیح ہونے کا احتمال رکھتی ہے۔

فقہائے کرام کی رواداری کے یہ مظاہر یقیناً یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام میں کسی قسم کی نہ بین المذاہب انتہا پسندی پائی جاتی ہے نہ بین المسالک۔ اس حوالے سے اگر کچھ کارروائیاں نظر بھی آتی ہیں تو وہ مکمل طور پر انفرادی ہیں، اسلام کی تعلیمات کے اس کا کوئی تعلق نہیں، نیز اس نوعیت کی سرگرمیاں ہر مذہب میں اسلام سے بڑھ کر موجود ہیں، اسلام پر اس حوالے سے اعتراضات قطعاً انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ دوسری جانب ان حضرات کے لئے اس میں راہنمائی موجود ہے جو کسی بھی حوالے سے مسلکی یا فرقہ وارانہ انتہا پسندی کے شکار ہیں، انہیں بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے رویوں کا جائزہ لینا ہوگا اور اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔

اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام محض اپنوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی مکمل رواداری اور عمدہ تعلقات کا خواہاں اور علمبردار ہے، اس نے کسی بھی معاملے میں ایسا کوئی اقدام نہیں کیا جو جانب داری پر مبنی ہو، یا جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اسلام غیر مسلموں سے امتیازی رویہ رکھتا ہے، اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ اپنے ہاں بسنے والے تمام غیر مسلموں کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی آزادی پر حرف نہ آنے دے اور جس طرح بھی ممکن ہو ان کی خبر گیری کرے اور ان میں تحفظ کا احساس پیدا کرے، گو ان کا مذہب حکومت کے مذہب کے خلاف ہے، ایسا کبھی نہ ہو کہ مذہب کا اختلاف ظلم و جبر کا ذریعہ بن جائے اور خدا کے یہ بندے اسلام کے انصاف و مساوات سے محروم رہ جائیں۔ (۹۸) کیوں کہ اسلامی حکومت کا پہلا سبق یہ ہے کہ جس

---

(۹۷) محمد مدنی/ حول الوحدۃ الاسلامیہ/ مصر/ ص ۲۱۱

(۹۸) مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی/ اسلام کا نظام امن/ کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۹۱ء/ ص ۱۴۸

Marfat.com

طرح اللہ تعالیٰ روئے زمین پر ہر ایک کو بلاتفریق رزق فراہم کرتا ہے، اور ان کو عافیت وسکون سے رہنے کے تمام مواقع عطا کرتا ہے، اسی طرح اسلامی حکومت کا بھی فریضہ ہے کہ وہ تمام اقدامات بلا تفریق کرے، اور کسی کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہ رکھے، اور غیر مسلموں کے ساتھ وہی رویہ رکھے جو مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے۔

یہ تمام باتیں محض دعویٰ نہیں ہیں، اسلام کی پوری تاریخ عملی طور پر اس کی گواہ ہے، اور آپ ﷺ کے اقوال واحادیث اس کی واضح دلیل ہیں، آپ نے غیر مسلم کے ناحق قتل پر شدید ترین وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاما (۹۹)

جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا اور بلاشبہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں یعنی ذمیوں اور مسلمانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں، ان میں ذرا فرق نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انما بذلوا الجزية لتكون دماء هم كدمائنا و اموالهم كاموالنا (۱۰۰)

غیر مسلموں نے جزیہ اسی لئے ادا کیا ہے کہ ان کا خون ہمارے خون کے برابر اور ان کا مال ہمارے مال کے برابر ہو جائے۔

پھر صرف یہی نہیں بلکہ اگر کسی مسلم معاشرے میں ان کی حق تلفی ہوئی تو خود آپ ﷺ روز قیامت ان کی جانب سے استغاثہ فرمائیں گے، فرمان نبوت ہے:

الا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذمنه

---

(۹۹) بخاری/ ج۶ ص ۵۳۳، رقم ۶۵۱۶ ☆ ابن ماجہ/ ج۳ ص ۱۸۹، رقم ۲۶۸۶

(۱۰۰) ابن قدامہ، عبدالرحمٰن بن احمد المقدسی (م ۶۲۰ھ)/ المغنی/ بیروت، دارالفکر، ۱۴۹۵ھ/ ج۹ ص ۱۸۱

Marfat.com

شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیامة، (۱۰۱)

سنو! جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا اور یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے مستغیث بنوں گا۔

ایک اور روایت میں حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں

نبی اکرم ﷺ نے اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے آخری بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے اس کی لاج رکھنا، اس پر آنچ نہ آنے دینا۔ (۱۰۲)

چونکہ ذمیوں کی جان و مال مسلمانوں کی طرح ہے، اس لئے ان کے مسائل قصاص و دیت میں بھی مسلمانوں کی طرح ہیں۔ چنانچہ عہدِ نبوی میں جب ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا گیا، اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا احق من وفی بذمته (۱۰۳)

میں سب سے زیادہ اس بات کا حق دار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں

ذمیوں سے جزیہ صرف اس صورت میں لیا جا سکتا ہے جب مسلمان ان کا دفاع کرنے کی پوزیشن میں ہوں، چنانچہ اہل حیرہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معاہدے کا مضمون یہ تھا:

هذا کتاب من خالد بن ولید لصلو بابن نطونا وقومه انی عهدتکم علی الجزیة والمنعة فان منعناکم فلنا الجزیة والا فلا حتی نمنعکم (۱۰۴)

یہ مکتوب ہے خالد بن ولید کی طرف سے صلوبا بن نطونا اور اس کی قوم کے

(۱۰۱) ابوداؤد/ ج ۳، ص ۱۰۸، رقم ۳۰۵۲

(۱۰۲) ابن کثیر ابو الفدا اسماعیل (م ۷۷۴ھ) / البدایہ والنہایہ/ بیروت، مکتبۃ المعارف/ ج ۷، ص ۳۲۸

(۱۰۳) الامام محمد بن محمود البابرتی/ العنایۃ شرح الھدایۃ/ القاہرہ، التجاریہ الکبری/ ج ۸، ص ۲۵۶

(۱۰۴) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری/ تاریخ طبری/ القاہرہ، المطبعۃ الاستقامہ ۱۹۳۹ء/ ج ۴، ص ۱۶

Marfat.com

نام، میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں جزیہ اور دفاع پر، اگر ہم تمہارا دفاع کریں تو ہم جزیہ لینے کے حقدار ہیں، اور اگر ہم تمہارا دفاع نہ کرسکیں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ ہم تمہارا دفاع کریں۔

یہی سبب ہے کہ مسلمان جب کبھی خارجی حالات کے سبب غیر مسلم شہریوں کی حفاظت کی ذمے داری پوری نہ کرسکے تو انہوں نے حاصل کیا ہوا جزیہ واپس لوٹا دیا، کیا اس کی کوئی اور دوسری مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ نے ان تمام شہروں کے گورنروں کو لکھا جن سے صلح ہوچکی تھی کہ وہ اپنے اپنے شہروں میں ذمیوں کو خراج وجزیے کی وصول شدہ رقم واپس کردیں اور ان سے کہہ دیں کہ ہم تمہاری یہ رقم اس لئے واپس کررہے ہیں کہ دشمنوں کے ایک بڑے لشکر کی اطلاع ملی ہے، جو ہم سے برسرپیکار ہونے والا ہے، اس نازک موقع پر ہم شاید تمہاری حفاظت کی ذمے داری پوری نہ کرسکیں، کیوں کہ موجودہ صورت حال میں ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے لہذا وصول شدہ رقم واپس کررہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی تو پھر ہم اسی شرط پر رہیں گے جو ہمارے درمیان طے پاچکی ہے۔ (۱۰۵)

مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ یہ رویہ ماضی کا حصہ نہیں، مسلمانوں کا حال بھی اس حوالے سے تابندہ روایات کا حامل ہے، اس کی تازہ ترین مثال روانڈا کی ہے، روانڈا ۱۰ رسال سے خانہ جنگی کا شکار ہے، اور زبوں حالی سے دوچار ہے۔ وہاں کی دونوں بڑی قوموں ٹتسی (Tutsi) اور ہوٹو (Hutu) کے ۱۰ رلاکھ سے زیادہ افراد اس خانہ جنگی کا شکار ہوگئے ہیں۔ ملک کی معیشت تباہ ہوگئی ہے، غربت وافلاس کا طوفان بپا ہے اور جہالت اور انتقام کی اس جنگ میں عالم اور جاہل، حکمران اور عوام، فوج اور پولیس، حتی کہ پادری اور مذہبی لیڈر سب ہی شریک ہوگئے اور ایک دوسرے کا سر قلم کرنے، مال ودولت لوٹنے اور عزت وعصمت کو تارتار کردینے کے وحشیانہ کھیل میں شامل ہوگئے۔ (۱۰۶) لیکن روانڈا کے مسلمانوں کا کردار اس دوران منفرد اور لائق تحسین رہا، وہ ظلم وتعدی کی اس دوڑ میں کسی فریق کے ساتھ شریک نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے اپنی ساری قوت اس آگ کو بجھانے اور

---

(۱۰۵) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ)/ کتاب الخراج/ بیروت، دار المعرفۃ/ ص ۱۳۹

(۱۰۶) ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور/ مدیر: پروفیسر خورشید احمد/ دسمبر ۲۰۰۳ء/ ص ۲۶

Marfat.com

مظلوم انسانوں کو پناہ دینے کے لئے وقف کردی، چند سال کی اس کوشش کے حیران کن نتائج رونما ہوئے اور ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا اور لاکھوں کا تصور اسلام کے بارے میں بالکل بدل گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنے اخلاق اور جذبۂ خدمت کے ذریعے اسلام کے لئے بند راستوں کو کھول دیا۔ اے ایف پی کی رپورٹ کے مطابق:

> جن لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لی وہ عام طور پر اس ملیشیا اور فوجیوں سے محفوظ رہے جو ٹٹسیوں کو تلاش کر کے قتل کر رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں کلیساؤں کا ریکارڈ افسوس ناک ہے۔ (۱۰۷)

مسلمانوں کے اس حسنِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آج روانڈا میں مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے، ہر طبقہ ان کی عزت کرتا ہے روانڈا کے طول و عرض میں مسجدوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے جن کے سبز گنبد اور سفید مینار آزادی اور انسانیت کی علامت بن گئے ہیں، روانڈا کے مسلمان غریب ہیں مگر انہیں فخر ہے کہ وہ اپنے معاملات کسی بیرونی امداد کے بغیر اپنے ہی محدود وسائل سے چلا رہے ہیں، مسلمان کمیونٹی رواداری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے اور تمام مذاہب اور قبائل سے ان کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ (۱۰۸)

اس بحث کا اختتام اہل نجران کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے معاہدے کی اس عبارت پر کرتے ہیں:

> وجعل لهم ذمة الله وعهده وان لا يفتنوا عن دينهم و مراتبهم فيه ولا يحشروا ولا يعشروا (۱۰۹)
>
> ان غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور عہد دیا جاتا ہے کہ ان کو نہ تو ان کے مذہب سے روکا جائے گا نہ ان کے مرتبے گھٹائے جائیں گے، نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ عشر لیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی غیر مسلموں سے رواداری ملاحظہ کرنی ہو تو فتح مکہ کا ایک واقعہ ہی کافی

---

(۱۰۷)۔ روزنامہ دی نیوز، اسلام آباد/ ۱۱ر نومبر ۲۰۰۳ء (۱۰۸) ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۳ء/ص ۲۷
(۱۰۹) شبلی سیرت النبی ﷺ/ ج ا،ص ۳۰۰

Marfat.com

ہے، جب آپ ﷺ نے ان تمام کفار مکہ کو بہ یک جنبش لب یہ کہہ کر آزاد فرما دیا تھا:

لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء (۱۱۰)

آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں نے بھی اسلام کی اس خصوصیت اور غیر مسلموں کے ساتھ نبی اکرم رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر سے بھرپور رویئے کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ گوبینو (Gobineau) کہتا ہے:

> اگر ہم مذہبی اصولوں سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا تو کوئی مذہب اسلام کی مثل رواداراور صلح جو نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو بلکہ ان کے دین وایمان سے کوئی سروکار نہ رکھا ہو، رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ (۱۱۱)

فتح مکہ اسلامی نہیں انسانی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے، جس نے انسانی تاریخ پر بڑے اثرات مرتب کئے۔ ایک یورپی دانشور آرتھر گلمن (Arthur Gliman) فتح مکہ ہی کے حوالے سے اعتراف حقیقت کرتے ہوئے کہتا ہے:

> فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپ ﷺ کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جب کہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ ﷺ کو جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور آپ کے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی تھا، مگر آپ ﷺ نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا، دوسرے فاتحین کے وحشیانہ

---

(۱۱۰) پروفیسر ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ/ دعوت اسلام/ لاہور، محکمہ اوقاف پنجاب، ۲، ۱۹۷۲ء/ص ۳۹۸

(۱۱۱) Arthur Gliman/ The Saracens, P-184-185, London, 1887

Marfat.com

طرز عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا۔(۱۱۲)

اور بی آیس رندھاوا ہوشیار پوری آپ ﷺ کی رحم دلی، شفقت اور قوتِ برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

حضرت محمد (ﷺ) کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا، ایسی حالت میں کیوں نہ محمد صاحب (ﷺ) کی رحم دلی اور شفقت اور مروت علی المخلوقات کی داد دوں، جنہوں نے خود تو ظلم و ستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھا لئے مگر اپنے ستانے والے اور دکھ دینے والوں کو اف تک نہ کہا بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں اور طاقت و اقتدار حاصل ہو جانے پر بھی ان سے کوئی انتقام نہیں لیا۔(۱۱۳)

یہاں ایک لفظ ذمی بار بار استعمال ہوا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ لفظ غیر مسلموں کے لئے باعث تحقیر نہیں بلکہ ذمی کا اطلاق اہل ذمہ پر ہوتا ہے اور ذمہ کے معنی ہیں، حق، ذمے داری، کفالت، عہد اور حرمت وغیرہ، اسلامی قانون کی اصطلاح میں ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جس سے حکومتی سطح پر کوئی عہد و پیان کیا گیا ہو، ایسے شخص کو امان مل جاتی ہے اور اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ ان کے مال و جان اور عزت و آبرو اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے کسی قسم کی تکلیف، ضرر یا نقصان نہ پہنچنے دے۔(۱۱۴)

یہ تمام حوالے اس امر کے اثبات کے لئے کافی ہیں کہ اسلام غیر مسلموں خصوصاً اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کے حقوق کا جس انداز سے تحفظ کرتا ہے، اس انداز میں کوئی اور مذہب اقدامات کے لئے غالباً تصور بھی نہیں کر سکتا۔

Artur Gilmam/The Saracens,PP-184- 185, London , 1887(۱۱۲)

(۱۱۳) ماہنامہ مولوی دہلی/ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

(۱۱۴) پروفیسر عبدالقیوم/ مقالات/ لاہور، مکتبہ السلفیہ، ۱۹۹۷ء/ ج ۱، ص ۱۰۸ (۱۱۴) حوالہ

Marfat.com

مذہبی اعتدال پسندی اور رواداری کے بارے میں

اسلام کے اقدامات

اسلام ہر طرح کی انتہا پسندی کو ختم کرتا اور اعتدال پسندی کو فروغ دیتا ہے، اس نے اس سلسلے میں واضح اور اہم اقدامات کئے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے اسلام کے چند اہم اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ مذہبی آزادی

اسلام مذہبی آزادی دیتا ہے، اور ہر طرح کے تشدد، شدت پسندی اور انتہا پسندی کی ممانعت کرتا ہے، اسلام میں اس قدر آزادی ہے کہ وہ مسجد تک میں جو خالصتاً مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، غیر مسلموں کے قیام وعبادت کو منع نہیں کرتا، علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

ولم يكن اهل الذمة ممنوعين من هذه المواضع (۱۱۵)

ان مقامات (مساجد) میں ذمی (غیر مسلم شہریوں) کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں بنی عبدقیس کے وفد اور دیگر غیر مسلموں کو مسجد میں ٹھہرایا تھا۔ (۱۱۶)

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ابن جریر سے منقول ہے کہ بنی سالم بن عوف کے ایک انصاری صحابی مسلمان ہوگئے تھے، مگر ان کے دولڑکے نصرانی تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کروں؟ اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (۱۱۷) نازل ہوئی۔ (۱۱۸)

---

(۱۱۵) ابوبکر جصاص (۳۷۰ھ/ احکام القرآن/ بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ/ ج ۴، ص ۲۷۹ (۱۱۶) شامی/ سبل الہدی والرشاد/ ج ۶، ص ۴۱۶ ☆ آپ ﷺ نے نہ صرف انہیں مسجد میں ٹھہرایا تھا، بلکہ انہیں اپنے مذہب کے مطابق مسجد نبوی ہی میں عبادت کرنے کی بھی اجازت دی تھی، چنانچہ انہوں نے مشرق کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی تھی، شامی محولہ بالا (۱۱۷) البقرہ: ۲۵۶ (۱۱۸) ابن کثیر/ التفسیر

Marfat.com

۲۔فکری آزادی

اسلام فکری آزادی کا بھی قائل ہے، اگر چہ یہ آزادی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، مگر یہ شرائط بھی انسان کی حریت فکر و اور حریت عمل کو برقرار رکھنے کے لئے ہیں، اسلام اس لئے بھی فکری آزادی کا درس دیتا ہے کہ فکری محدودیت بھی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے، اسلام اس کے مقابل فکری آزادی کی یہ کہہ کر تلقین کرتا ہے، قرآن حکیم میں فرمایا:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ
اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں؟(۱۱۹)

اسلام اس امر کا قائل ہے کہ اچھی بات اور حکمت بھرا کلمہ مومن کی میراث ہے، وہ جو بھی اچھی چیز پائے اسے حاصل کرلے، خواہ اسے وہ کہیں سے بھی حاصل ہو، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الكلمة الحكمة ضالة المؤمن (۱۲۰)

حکمت تو مومن کی گمشدہ میراث ہے۔

امام غزالی نے اس امر کی بہت عمدہ تشریح کی ہے، وہ احیاء علوم الدین میں اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اچھا فرض کرلو کہ جو باتیں میں نے لکھیں، وہ حکما کی کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتیں، لیکن اگر وہ باتیں معقول ہیں، اور دلائل سے ثابت ہیں اور قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف نہیں ہیں تو پھر ان کے چھوڑنے اور ان سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے، اگر ہم ایسا کرنے پر آئیں اور تمام سچی باتوں کو رد کر دیا کریں جو پہلے کسی بدعقیدہ کے خیال میں

(۱۱۹) یونس:۹۹ (۱۲۰) ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۶۸۹، رقم ۴۱۶۹

Marfat.com

گزریں تو ہم کو بہت سی سچی اور حق باتوں کو چھوڑ دینا پڑے گا۔(۱۲۱)

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام امور میں مسلمانوں کا شروع ہی سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ خذ ماصفا ودع ماکدر اس لئے انہیں کبھی بھی کسی اچھی بات کے حاصل کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی، نہ کسی قسم کا تعصب ان کی راہ میں حائل ہوا۔

۳-وحدت انسانی کا تصور

اسلام نے ہر طرح کی تفریق کے خاتمے کے لئے وحدتِ انسانی کا تصور دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَاناً ○ (۱۲۲)

اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس کی تشریح میں علامہ نووی فرماتے ہیں:

تعاملوا وتعاشروا معاملة الاخوة و معاشرتهم فی المودة والرفق والشفقة والملاطفة والتعاون فی الخیر و نحو ذلک مع صفاء القلوب والنصیحة بکل حال (۱۲۳)

اسی طرح اس کا مقصد یہ ہے کہ بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی حد بندیاں ختم ہو جائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله (۱۲۴)

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، تو وہی شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

---

(۱۲۱) الغزالی/ص ۳۰۳ ☆ شبلی/ص ۲۵۴ (۱۲۲) احمد/ المسند/ ج ۳، ص ۱۹۶، رقم ۹۴۷۱

(۱۲۳) نووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین (م ۶۷۶ء)/ شرح النووی علی صحیح المسلم/ بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ/ ج ۱۶، ص ۱۱۶ (۱۲۴) مسلم

Marfat.com

والناس بنو آدم و خلق الله آدم من التراب (۱۲۵)

تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

۴۔دین میں زبردستی کی ممانعت

اسلام میں زبردستی کرنے اور جبراً کسی کو مسلمان کرنے کی کوئی صورت نہیں، اس لئے کہ اسلام صرف ظاہری اعمال کا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قلوب واذہان کی مکمل فرمانبرداری کا نام ہے، قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

دین میں زبردستی نہیں۔(۱۲۶)

۵۔ معبودان باطل کو برا کہنے کی ممانعت

اسلام ہر مسلک و مذہب کا احترام کرتا ہے اور ہر ایک کے احساسات کا مکمل خیال رکھتا ہے۔ اور کسی کو برا بھلا کہنے اور سب وشتم کرنے کی اجازت نہیں دیتا، قرآن حکیم ہی میں ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور تم ان کے معبودوں کو جنہیں وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں برا مت کہو، کیونکہ پھر وہ بغیر سمجھے اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔(۱۲۷)

۶۔انسانی جان کی اہمیت

انتہا پسندی کی زد براہ راست افرادی قوت پر پڑتی ہے، انسانی افکار بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اور روزمرہ کے امور بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود انسانی جان کو بھی خطرات لاحق ہوتے ہیں، اسلام کی نظر میں انسانی جان کی بے حد اہمیت ہے، اس بنا پر وہ ان تمام خطرات کا

(۱۲۵) ترمذی/ ج ۵،ص ۱۸۰،رقم ۳۲۸۱ ☆ ابوداؤد/ ج ۴،ص ۳۶۷،رقم ۵۱۱۶
☆ ابویعلی/ ج ۱۱،ص ۴۵۳،رقم ۶۵۸۰۔اس روایت کے الفاظ میں قدرے فرق ہے۔

(۱۲۶) البقرہ: ۲۵۶ (۱۲۷) الانعام: ۱۰۸

Marfat.com

سدِ باب کرتا ہے،، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

جو شخص کسی کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے کے یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ (۱۲۸)

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ

اس جان کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ (۱۲۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا:

مااطیبک واطیب ریحک ما اعظمک واعظم حرمتک والذی نفس محمد بیده لحرمة المومن اعظم عند الله حرمة منک ماله و دمه وان یظن به الاخیرا (۱۳۰)

تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے تو کتنا عظیم المرتبہ ہے، لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے مومن کی جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے، اس لئے ہمیں مومن کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

الا ان احرم الایام یومکم هذا الا و ان احرم الشهور شهرکم هذا الا و ان احرام البلد بلدکم هذا الا وان دماء کم و

---

(۱۲۸) المائدہ:۳۲ (۱۲۹) الانعام:۱۵۱ (۱۳۰) سیوطی، عبدالرحمٰن بن کمال جلال الدین (م ۹۱۱ھ)/ الدر المنثور/ بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۳ء/ ج ۷، ص ۵۶۵

Marfat.com

اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا (۱۳۱)

خبردار تمام دنوں میں سب سے زیادہ حرمت والا دن یہ ہے، تمام مہینوں میں سب سے زیادہ ذی شرف مہینہ یہ ہے، اور تمام شہروں میں سب سے زیادہ افضل شہر یہ ہے، خبردار تمہاری جان تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس شہر اس مہینہ اور اس دن کی حرمت ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لزوال الدنیا اهون علی الله من قتل مومن بغیر حق (۱۳۲)

اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ظلماً قتل سے زیادہ سہل ہے

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اول مایقضی بین الناس یوم القیمة فی الدمآء (۱۳۳)

قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا

۷۔ظلم کی ممانعت

انتہا پسندی خواہ کسی نوعیت کی ہو، اس کا انجام ظلم و جبر ہوتا ہے، پھر ظلم کے نقصانات اس سے بھی کہیں زیادہ اور کثیر الجہت ہیں، اس لئے اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، قرآن حکیم میں فرمایا:

وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۱۳۴)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة (۱۳۵)

---

(۱۳۱) ابن ہشام، (م ۲۱۳ھ)/ السیرة النبویه/ بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۷۸ء/ ج ۴، ص ۲۳۱

(۱۳۲) ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۴۱۶ (۱۳۳) نسائی/ السنن المجتبیٰ/ باب تعظیم الدم/ ج ۳، ص ۱۶۶، رقم ۲۶۱۹

(۱۳۴) الحج: ۷۱ (۱۳۵) مسلم/ ج ۴، ص ۱۷۸، رقم ۲۵۷۸

Marfat.com

ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم روز قیامت اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

۸۔دین میں غلو کی ممانعت

دین کے معاملے میں غلو اور حدود سے تجاوز کرنا بھی ناپسندیدہ ہے، قرآنِ کریم میں فرمایا گیا

لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ

تم اپنے دین کے معاملے میں غلو نہ کرو۔(۱۳۶)

یہاں غلو سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے(۱۳۷) اس غلو کا نتیجہ بھی شدت پسندی اور انتہا پسندی کی صورت میں نکلتا ہے، اور جو لوگ غلو سے دو چار ہو جاتے ہیں وہ پھر اعتدال سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اس سے بھی شریعت نے منع فرمایا۔ حدیث میں فرمایا گیا:

اياكم والغلو فى الدين فانما هلك من كان قبلكم بالغلو فى الدين (۱۳۸)

تم دین میں غلو سے بچو، کیونکہ، پچھلی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں۔

۹۔شدت سے بچنے کی تاکید

شدت پسندی خواہ کسی معاملے میں ہو، انسان کو نقصان پہنچاتی ہے، اس لئے اسلام نے دین کے معاملے میں بھی اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تشددوا على انفسكم فيشدد عليكم فان قوما شددوا على انفسهم فشدد الله عليهم، فتلك بقاياهم فى الصوامع والديار (۱۳۹)

تم اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ تمہارے اوپر سختی کی جائے گی، کیونکہ ایک قوم نے اپنے آپ پر سختی کی، پھر اللہ نے بھی ان پر سختی کی، تو انہی لوگوں کے

---

(۱۳۶) النساء:۱۷۱ (۱۳۷) جلالین/ص ۳۳ (۱۳۸) احمد/ ج۱،ص ۲۱۵

(۱۳۹) ابوداؤد/ ج۴،ص ۲۹۹، رقم ۴۹۰۴

Marfat.com

باقیات ہیں جو گرجوں اور خانقاہوں میں نظر آتی ہیں۔

۱۰۔طبقاتی کشمکش کا خاتمہ

طبقاتی کشمکش بھی بسا اوقات انتہا پسندانہ جذبات کی ترویج وفروغ کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے اسلام اس کا بھی انسداد کرتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر (۱۴۰)

خبردار کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر کچھ فضیلت حاصل نہیں ،فضیلت کا مدار تو صرف تقویٰ ہے

۱۱۔اعتدال کی تلقین

اسلام ہر معاملے میں راہ اعتدال اپنانے کی تلقین کرتا ہے، اور راہ اعتدال پر گامزن ہونے والا شخص کبھی بھی کسی بھی معاملے میں انتہا پسندانہ جذبات کا شکار نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما احسن القصد فی الغنی ما احسن القصد فی الفقر ما احسن القصد فی العبادة (۱۴۱)

کیا ہی اچھی ہے میانہ روی دولت مندی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی مفلسی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی عبادت میں۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

القصد القصد تبلغوا (۱۴۲)

میانہ روی، میانہ روی اختیار کرو،تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

خود آپ ﷺ کے طرز عمل کے بارے میں ایک صحابی گواہی دیتے ہیں:

---

(۱۴۰) احمد ج ۶،ص ۵۷۰، رقم ۲۲۹۷۸ (۱۴۱) تفسیر ابن کثیر/ ج ۳،ص ۳۲۶

(۱۴۲) بخاری/ ج ۳،ص ۸۷☆ بیہقی / ج ۴،ص ۱۰۴، رقم ۴۸۴۵

Marfat.com

كانت صلاته قصدا و خطبته قصداً (۱۴۳)

آپ کی نماز معتدل ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی معتدل ہوتا تھا۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

خير الامور اوسطها (۱۴۴)

بہترین عمل میانہ روی والا ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرمایا:

عليكم بالنمط الاوسط (۱۴۵)

تم پر لازم ہے کہ درمیانہ راستہ اختیار کرو۔

۱۲۔صبر کی تاکید

انسان جب غیر متوازن جذبات کا شکار ہوتا ہے تو اس کے لئے صبر و استقامت سے کام لینا مشکل ہو جاتا ہے، اسی طرح جب تک وہ صبر و ثبات سے کام لیتا رہتا ہے، وہ راہ اعتدال پر گامزن رہتا ہے، اس لئے انسداد انتہا پسندی کے حوالے سے صبر کی بہت اہمیت ہے، اسی لئے اسلام نے اس کی بھی تلقین کی ہے، قرآن حکیم میں صبر کے بہت سے فضائل اور اس کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔صبر کو اولوالعزم پیغمبروں کا طریقہ بتایا گیا ہے (۱۴۶) صبر پر اعلیٰ ترین کامیابیوں کی بشارت ہے (۱۴۷) صبر قیادت عالم کا زینہ ہے۔(۱۴۸) صبر حفاظت کا یقینی ذریعہ ہے (۱۴۹) حتی کہ صبر وہ چیز ہے جو آدمی کو بے حساب اجر کا مستحق بناتی ہے۔(۱۵۰)

حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱۴۳) ابن حبان/ ج ۷، ص ۱۴۱، رقم ۸۰۲ ☆ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن، ابومحمد (م ۲۵۵ھ) / السنن/ بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ج ۱، ص ۴۴۰، رقم ۱۵۵۷ ☆ عبدالرزاق/ ج ۳، ص ۱۸۷، رقم ۵۲۵۶

(۱۴۴) قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، ابوعبداللہ (م ۶۷۱) / تفسیر قرطبی/ قاہرہ، دار الشعب، ۱۳۷۲ھ/ ج ۵، ص ۳۴۳ (۱۴۵) قرطبی/ ج ۲، ص ۱۵۴ (۱۴۶) الاحقاف: ۳۵

(۱۴۷) الاعراف: ۱۳۷ (۱۴۸) السجدہ: ۲۴ (۱۴۹) یوسف: ۹۰ (۱۵۰) الزمر: ۱۰

Marfat.com

ما رزق عبدا خیراً له ولا اوسع من الصبر (۱۵۱)

کسی شخص کو صبر سے بہتر اور صبر سے بڑا عطیہ نہیں دیا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

وجدنا خیر عیشنا بالصبر (۱۵۲)

ہم نے اپنی زندگی کا سب سے بہتر صبر کے ذریعے پایا۔

ابن حجر عسقلانی نے صبر کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

فالصبر جامع لمکارم الاخلاق (۱۵۳)

صبر تمام اچھے اخلاق کا جامع ہے۔

۱۳۔رحم کی تلقین

اسلام انسانیت کا درس دیتے ہوئے رحم کی بھی تلقین کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ فرمایا:

لاتدخلوا الجنة حتی تراحموا قالوا یا رسول الله ﷺ کلنا رحیم، قال انه لیس برحمة احدکم صاحبه ولکن رحمة العامة رحمة العامة (۱۵۴)

تم ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک تم رحم نہ کرو۔لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص رحم کرنے والا ہے۔آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھی پر مہربانی کرو، بلکہ اس سے مراد تمام لوگوں اور تمام انسانوں کے ساتھ رحم کرنا ہے۔

۱۴۔نرمی کی تاکید

مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ نرم دل ہوتا ہے، نرمی اور لطافت سے بھرا دل مومن کی متاع

(۱۵۱) ابن حبان/ ج ۸، ص ۱۹۲، رقم ۳۳۹۹ ☆ مستدرک/ ج ۲، ص ۴۴۹، رقم ۳۵۵۲

(۱۵۲) بخاری/ ج ۵، ص ۲۳۷۵۔ باب الصبر عن محارم اللہ (۱۵۳) فتح الباری/ ج ۱۱، ص ۳۶۸

(۱۵۴) مستدرک/ ج ۴، ص ۱۸۵، رقم ۷۳۱۰ ☆ ہناد بن السری الکوفی م (۲۴۳)/ الزہد/ کویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۴۰۶/ ج ۲، ص ۶۱۶، رقم ۱۳۲۵

Marfat.com

بھی ہے اور اس کا شعار بھی ہے، جب کہ انتہا پسندانہ جذبات شقاوت قلبی کی نشاندھی کرتے ہیں، اسی لئے اسلام جابجا نرمی اور نرم دلی کی تلقین کرتا ہوا نظر آتا ہے، ایک روایت میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ رفیق یحب الرفق فی الامر کلہ (۱۵۵)

اللہ نرم ہے اور ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ رفیق یحب الرفق ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف ومالا یعطی علی ماسواہ (۱۵۶)

اللہ نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے، وہ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی دوسری چیز پر۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ (۱۵۷)

جو شخص نرمی سے محروم ہو وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہو جائے گا۔

۱۵۔ آسانی کرنے کا حکم

انتہا پسندانہ جذبات شدت اور یک طرفہ خیالات سے پھوٹتے ہیں، جس میں آسانی اور سہولت کا کہیں گزر نہیں ہو سکتا، جب کہ اس سے برعکس اسلام سہولت اور آسانی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶

سو بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک ہر تنگی کے ساتھ

---

(۱۵۵) بخاری/ ج ۶ ص ۲۵۳۹، رقم ۶۵۲۸ ☆ ابن حبان/ ج ۲ ص ۳۰۹، رقم ۵۴۹

(۱۵۶) مسلم/ ج ۴ ص ۱۸۳، رقم ۲۵۹۳ ☆ نسائی/ ج ۴ ص ۴۰۴، رقم ۷۷۰۲ ☆ عبد بن حمید ابو محمد (م ۲۴۹)/ المسند/ قاہرہ، مکتبہ السنۃ ۱۹۸۸ء/ ص ۱۸۱، رقم ۵۰۴

(۱۵۷) ابوداؤد/ ج ۴ ص ۲۷۴، رقم ۴۸۰۹

Marfat.com

فراخی ہے۔(۱۵۸)

اور ہادی برحق ﷺ نے فرمایا:

فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین (۱۵۹)

کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تم مشکل پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

۱۶۔تفرقے سے بچنے کی تاکید

انتہا پسندانہ خیالات خواہ کسی بھی نوعیت کے ہوں وہ افتراق وانتشار کو جنم دیتے ہیں، جو اسلام کی ضد ہے، اسلام تو اتحاد واتفاق کی تلقین کرتا ہے، اور انتشار اور افتراق کی مذمت، قرآن حکیم میں فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفریق پیدا نہ کرو۔(۱۶۰)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ تین باتوں سے خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش، جن تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں، ۱۔اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، ۲۔سب مل کر اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو، ۳۔اپنے حاکموں کی خیر خواہی کرو۔

جن تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں، ۱۔فضول بات چیت اور بحث و مباحثہ، ۲۔ بلاضرورت کسی سے سوال کرنا، ۳۔ مال کی بربادی۔(۱۶۱)

---

(۱۵۸)الانشراح: ۵، (۱۵۹) بخاری/ ج۱،ص ۸۹، رقم ۲۱۷ ☆ ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق السلمی (م ۳۱۱ھ)/ الصحیح / بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۹۷۰ء/ ج۱،ص ۱۵۰، رقم ۲۹۶

(۱۶۰) آل عمران: ۱۰۳ (۱۶۱) ابن کثیر/ التفسیر/ ج۱،ص ۳۸۹

Marfat.com

۱۷۔فتنوں کا خاتمہ کرنا

اسلام کا بنیادی مقصد امن و امان کا قیام اور معاشرے کو مثبت سمت میں قائم اور رواں دواں رکھنا ہے، اسی غرض سے وہ فتنوں کے خاتمے کا بھی خواہاں ہے، اور یہ بدیہی امر ہے کہ انتہا پسندی بہ ہمہ وجوہ ایک طرح کا فتنہ ہی ہے، اسلام اس معاملے میں اس قدر حساس ہے کہ وہ اس غرض سے جہاد جیسے انتہائی اقدام کو بھی لازم قرار دیتا ہے، قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

اورتم ان (مشرکین، مفسدین) سے لڑو، حتی کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ (۱۶۲)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الفتنة نائمة لعن الله من ايقظها (۱۶۳)

فتنہ سویا ہوا ہے، اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو، جو اسے جگائے۔

اختتام

اوپر ذکر ہونے والے مباحث اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ انتہا پسندی کے سلسلے میں اسلام اور مغرب کے خیالات میں واضح تفاوت ہے۔ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کے پاس شدت پسندی یا انتہا پسندی کا کوئی تصور نہیں، اس کی تعلیمات ہمہ جہت بھی ہیں اور اعتدال پسندانہ بھی، نیز بنیاد پرستی اور شدت پسندی وغیرہ اصطلاحات مغرب کی وضع کردہ ہیں جن سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم دین عطا فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

---

(۱۶۲) البقرہ: ۱۹۳

(۱۶۳) سرخسی، محمد بن ابی سہیل، ابوبکر/ المبسوط/ بیروت، دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ/ ج ۱۰، ص ۱۲۴، رقم ۵۰۴

Marfat.com

استاد محمد علی صابونی کی معروف کتاب

التبیان فی علوم القرآن

اردو ترجمہ مولانا محمد ابراہیم فیضی

پیش لفظ: حافظ سید فضل الرحمٰن تعارف: مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

سلیس اور بامحاورہ ترجمہ۔ جس کے بعد شرح کی ضرورت باقی نہیں رہتی

خطبات محرم

سید عزیز الرحمٰن

عنوانات

توحید، رسالت، عقیدہ آخرت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، مقام شہادت، اسلام میں شہادت کا تسلسل، شہادت حسین رضی اللہ عنہ

عنقریب شائع ہو رہی ہے

القلم: فرحان ٹیرس۔ ناظم آباد نمبر ۲، کراچی۔ فون: 0300-2257355

Marfat.com

تعلیماتِ نبوی ﷺ
اور
آج کے زندہ مسائل

سات سیرت ایوارڈ یافتہ مقالات کا مجموعہ

سید عزیز الرحمن

Marfat.com